

خواتین کے لیے صاف ستھرا قلمی ادب

آنچل

aanchalpk.com aanchalnovel.com

سنگرم

قیمت = 60 روپے

آنچل

جلد نمبر 40

شماره نمبر 01

اپریل 2018

اشہدات اور دیگر معلومات

0300-8264242

زینب النساء
مشاق احمد قریشی
تیسرا
سیدہ نثار
ناہرہ قریشی
جریہ خان
مدینہ احمد

بانو سعیدہ
سیدہ اچال
سعیدہ
نائبہ سعیدہ
گوبہ ایلمیر
ماریہ خان

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹر
رکن چیف ایگزیکٹو آفیسر

aanchalpk.com

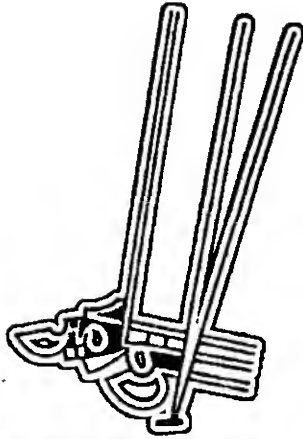
aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

 /Naeyufaq Aanchal &
Hijab official group

 /women.magazine



ابتدائیہ

- 14 مدیہ سرگوشیاں
15 ظفر محمد خان ظفر حمد
15 ریاض سہروردی نعت
16 مدیہ درجواب آل

دانش کدہ

- 20 مشتاق احمد قریشی الکوشر

ہمدان انجل

- 23 بلیمہ احمد ام سلمیٰ / نانائیہ اوطا
حنابل / سائرہ داؤد

سرورے سالکدہ

- 26 سعید ہاشم مجھے یا ہے ناں

سلسلہ وار ناول

- 72 اقر صغیر احمد تیرنی الف کسے کوڑے تک
106 نازینول نازی شجہ کی پہلی باش

مکمل ناول

- 34 یامین نشاط وہ جو اک میں تھا

- 168 سمیرا شریف طہ جنون عشق تک

- 142 صدف آصف دل کی بساط پر

افسانہ

- 62 رفاقت جاوید خوشامد اعلان مرض
94 طلعت نظامی عبرت کا مقام
102 سلمیٰ فہیم گل آنچل تیرا شکریہ
132 نزہت جمین ضیاء دکھ دیا کہ بیچ گلوں میں
190 سباس گل لگ چھپ جانا
202 ماورا طلحہ آنچل کے سائے تلے
208 روضانہ آفتاب ایک دن کی دعوت

انٹیکل

- 212 فائزہ بھٹی آنچل باؤس

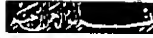
- 214 گل مینا خان مجھے تم سے پیار ہے



سردق: مدیہ شادی آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: مویٰ رضا

مستقل سلسلے

238	جویریہ مالک	217	طلعت نظامی	یادگار لمحے	218	ہومیوکارنر
241	شہلا عامر	219	میمونہ رومان	آئینہ	219	بیاض دل
251	شمالہ کاشف	221	طلعت آغاز	ہم سے پوچھیے	220	دشمن مقابلہ
254	ہدیہ ڈاکٹر ہاشم مرزا	224	رویہن احمد	آپ کی صحت	221	بیوٹی گائیڈ
257	حنان احمد	226	ایمان وقار	گاگی باتیں	222	نیزنگ خیال
000	قائین	232	ہما احمد	کترینیں	223	دوست کا پیغام آئے



رسول اکرم ﷺ کا ارشاد کرامی ہے کہ ”جس گھر کے دروازے رشتے داروں کے لیے بند اور جس گھر میں رات دیر تک جاگنے اور صبح دیر سے اٹھنے کا رواج ہو جائے تو وہاں رزق کی کمی لگی اور بے برکتی کو کوئی نہیں روک سکتا۔“ (صحیح مسلم: 6574)

سنگھڑیا

مدیرہ

استقام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپریل ۲۰۱۸ء کا آج کل بطور سالگرہ نمبر حاضر مطالعہ ہے۔

آج یہ سطور تحریر کرتے ہوئے یاد دہانہ محسوس کر رہی ہوں، کچھ مجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کیا جائے اور کیا نہیں گزشتہ ماہ بھی آپ کے سامنے کاغذ اور دیگر اشیائے ضروری جو طباعت اور آپ تک پہنچانے میں مدد دیتی ہیں ایک دم سے مہنگا ہو جاتا ہے پرچے کی ترسیل مختلف ذرائع سے ہوتی ہے ایک ڈاک خانے اور تمام بڑے شہروں کو ریلوے کے ذریعے کاغذ، طباعت جلد بندی کے ساتھ ساتھ ڈاک کا خرچ بھی آسمان سے باتیں کر رہا ہے اور اے کے افراد پریشان ہیں کیا آپ کے ان محبوب پرچوں کو بند کر دیا جائے آخر قیمت کہاں تک بڑھائی جا سکتی ہے جن لوگوں نے اپنے پرچوں کی قیمتوں میں اضافہ کیا ہے ان کی اشاعت میں نمایاں کمی دیکھنے میں آتی ہے یقیناً آج کے مہنگائی کے دور میں اشیائے صرف ضروری ہیں ان کی خریداری مقدم ہے رسائل و جرائد کو تفریح میں آتے ہیں انہیں ضروریات زندگی میں فوقیت نہیں دی جا سکتی، ہم خود حیران و پریشان ہیں کہ آخر کیا کریں آپ کا یہ ڈائجسٹ جب جاری ہوا تو اس وقت قیمت صرف ڈھائی روپے تھی اب مہنگائی کے ہاتھوں بڑھتے بڑھتے ساتھ روپے ہو چکی ہے جبکہ معاصرین جرائد نے تو قیمت ستر روپے کر دی ہے وہ مزید اضافے کی تیاری کر رہے ہیں آپ ہی بتائیں کہ ہم کیا کریں ڈاکارٹ نہ ہمارے بس میں ہے نہ ہی آپ کے کاغذ کی قیمت بین الاقوامی مارکیٹ میں اٹھارہ روپے گلو سے بڑھتے بڑھتے پچانوے چھانوے روپے گلو تک پہنچ چکی ہے اور مزید اضافے کی خبریں آ رہی ہیں آپ کے مشورہ کی روشنی میں ہم کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے ایک تجویز یہ بھی آتی ہے کہ قیمت میں اضافے کے بجائے پرچے کو کتابی سائز پر لایا جائے جو فی الحال ممکن نہیں ہے یا پرچے کے کچھ صفحات کم کر دیے جائیں اس بار بھی کاغذ جس وقت اور دشواری سے ملا ہے اللہ ہی جانتا ہے کیا کریں کیا نہ کریں کچھ مجھ میں نہیں آ رہا کچھ مشورے آپ ہی دیں تاکہ کوئی راہ بھٹائی نہ آپ کی ہی رہنمائی سے ہمیں کچھ ہوشیہ میسر آئے گی۔

سالگرہ کے اس موقع پر ہم اپنی معنفین جواب بھی ہمارے ساتھ ہیں اور وہ بھی جو راہ عدم سدھار گئیں لیکن اپنے قلم سے ہمارے ساتھ تعاون کرتی رہیں دونوں کے مشکور ہیں اور اپنے ساتھیوں کے بھی جو ہر قدم پر آج کل ادارے کے ساتھ ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے آمین اب بڑھتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب۔

اس ماہ کے ستارے

رفاقت جاوید، طلعت نظامی، سلمیٰ فہیم گل، ہزہمت جبین، فیاض، صدف، صف، بہاس گل، ماوراء الطحا، مدیحہ، آفتاب۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حکایت

نعت

مرے افکار کو سوغات توانائی دے
مرے معبود مری فکر کو رعنائی دے
تو نے مہکایا ہے پھولوں کو گلستانوں کو
مرے شعروں کو بھی دنیا کی پزیرائی دے
مرے افکار کے دریا میں اٹھا برقی رو
مرے اشعار کو گہرائی دے گیرائی دے
مرے مولا مرے اشعار ہیں اولاد مری
مری اولاد کو دانائی دے بینائی دے
زہر گنج نبی سے نیے ہوئے جاتے ہیں بدن
مرے آقا ہمیں تریاق شناسائی دے
جتنا سارا جہاں کرب کے سرطان میں ہے
مرے مالک مجھے اعجاز مسیحائی دے

ظفر محمد خان ظفر

سرکار یہ نام تمہارا سب ناموں سے ہے پیارا
اس نام سے چکا سورج اور چکا چاند ستارا
ہوا ہر سو خوب اجالا ہوا روشن عالم سارا
مرا نام کرے گا روشن دو جگ میں نام تمہارا
ہر وقت عطا پر ہم نے دیکھا ہے تمہیں تو مائل
در پاک پہ آیا جب بھی کیسا ہی کوئی سائل
اے رحمت عالم تم نے اے
مرا نام کرے گا روشن دو جگ میں نام تمہارا
لہروں نے یہ میری کشش ہے چادوں طرف سے گھیری
سرکار خبر لو میری سرکار خبر لو مری
ملے مجھ کو عافیت کا مرے آقا جلد کنارا
مرا نام کرے گا روشن دو جگ میں نام تمہارا
مری عرض خدا اسن لو مرے حال پہ مجھ کو نہ چھوڑو
ذرا اپنی نذر عنایت یکس کی طرف بھی پھیرو
بے کس کا تم ہو سہارا بے چارے کا تم ہو چارا
مرا نام کرے گا روشن دو جگ میں نام تمہارا

ریاض سہروردی



مدیرہ

انیلا طالب..... گوجرانوالہ

ڈیز اینلا! جتنی ربو آپ کی ارسال کردہ خبر پڑھ کر ایک خدا کا پڑھ ڈالی! آپ نے سید گھرانے کے امام کی غربت اور لوگوں کی بے حسی کا تذکرہ کیا ہے جہاں غربت کے انھوں وہ مجبور ہے اور کوئی اس کی بات برا بارہ نہیں حتیٰ کہ اولاد بھی نہیں پوری خبر میں امیری اور غریبی کا فرق بخوبی قائم رکھا گیا ہے لیکن کہانی کا کوئی انجام نظر نہیں آتا اسوائے ہیرو ہر دن کی محبت کے بانی کرداروں کے ساتھ تو یہ نا انصافی ہے جب آپ نے ظلم اٹھایا ہے تو ان کا بھی کوئی منطقی انجام ضرور دکھائیں ورنہ یہ منطقی نتائج نہیں لکھائے گئے ان باتوں کو مد نظر رکھ کر اس کہانی میں ترمیم کر کے از سر نو ارسال کریں امید ہے محنت اور کوشش جاری رکھیں گی۔ جبکہ دیگر مضامین پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

نورالمثال شہزادی..... کھڈیاں قصور

ڈیز نورالمثال! سدا سہمی ربو آپ کی تحریریں منتخب ہو چکی ہیں اور ہمارے پاس محفوظ ہیں جلد اشاعت کے مراحل بھی طے کر لیں گی جس خبر کا آپ نے آخر میں ذکر کیا ہے وہ ابھی پڑھی نہیں گئی ان شاء اللہ جلد پڑھ کر اس کے بارے میں آگاہ کر دیں گے آپ دفتر کے نمبر پر رابطہ کر سکتی ہیں۔

بیلا حسین..... گوجرانوالہ

عزیز بیلا! ایک جگہ جیو آجکل کی پسندیدگی اور پزیرائی پر بے حد ممنون ہیں اگر آپ ایسا سوچتی ہیں اور ہر کہانی میں چھپا مثبت پیغام آپ کے شعور میں اضافے کا سبب بنتا ہے تو یہ بات ہمارے لیے باعث فخر اور قابل رشک ہے ہمارا اصل مقصد بھی کہانی کے پھیلنے میں اصلاح اور رہنمائی کا ہی ہے جب آپ جیسے باذوق قارئین اس اصل مقصد تک پہنچ جاتے ہیں تو ہم بھی اپنی کوشش میں کامیاب سمجھتے ہیں آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں ارسال کر دی ہے قبول و رد کا فیصلہ ہیں طے پاتا ہے اگر پرچے کے معیار کے مطابق ہوئی تو ان شاء اللہ جلد لگ جائے گی۔

حمنی اقبال..... ننکانہ صاحب

ڈیز حمنی! شاد و باد رہو آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی اور یہ سوال نامہ بھی اچھا لگا بہر حال دل کا اچھا ہوتا تو اچھی بات ہے اور اگر اس دنیا کے لوگ آپ کے اچھے کاموں اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے نہیں دیتے تو مایوس ہونے کے بجائے اپنی نیکی اور اچھائی کا صلہ اس ذات پر چھوڑ دیجئے جو کسی نیک عمل اور کام کو ضائع نہیں کرتا اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات کو دور فرمائے اور ہم سب کے لیے آسانیاں عطا فرمائے آمین۔

شائستہ جٹ..... چیچہ وطنی

ڈیز شائستہ! سدا خوش رہو آپ میں لکھنے کی صلاحیت تھی تو ہم نے آپ کو پلیٹ فارم آجکل و حجاب کی صورت مہیا کیا اس کے لیے شکریہ کی ضرورت نہیں ہمارا کام آپ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کر کے سب کے سامنے ان خوبیوں کو منوانا ہے اور اگر آپ محنت و کوشش جاری رکھیں گی تو لکھنے میں مزید بہتری آئے گی دیگر مستقل سلسلوں میں شرکت کے ذریعے بھی آپ ہر ماہ آجکل کا حصہ بن سکتی ہیں۔

مصباح بنوئی..... فیصل آباد

ڈیز مصباح! سدا سہماں رہو جب تک یہ سطور آپ کی نظروں سے گزریں گی آپ پیادیں سدا رحمتی ہوں گی بے شک ایسے لحاظ جہاں خوشیاں لگاتے کرتے ہیں وہیں انجانے خدشات اور دوسرے بھی دل میں جنم لیتے ہیں ہماری دعا ہے اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس زندگی میں بہت سی خوشیاں عطا فرمائے اور آپ کے والد صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے آمین۔ تعارف جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

ارم کمال..... فیصل آباد

عزیز ارم! سدا شاد و باد رہو امید ہے اس وقت آپ بے حد خوش اور مسرور ہوں گی اور کیوں نہ ہوں کہ آپ ماشاء اللہ سے دوسری بار تالی کے عہدے پر چھوٹے نواسے نے فائز کر دیا آپ نبی کے پاس کراچی آئی ہوئی تھیں اور اسے گھر لوٹ گئی بے شک ایسے میں جب ہم دور ہوتے ہیں تو اپنا گھر بے حد یاد آتا ہے اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے بچوں کو دین و دنیا کے تمام امتحانات میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ہم بھی ہر ماہ آپ کی شرکت کے منتظر رہتے ہیں اور یوں یہ نصف ملاقات بے حجاب لگتی ہے۔

انعم زہرہ..... ملتان

میں بے شرت کرتی ہیں تو کشمیر کی اس پیاری سی لڑکی کا دل ہم بھی نہیں توڑ سکتے اور سب کے لیے ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ نگارشات ضائع کرنے کے بجائے آئندہ ماہ ضرور لگ جائیں۔ آریکل آچل میں نہیں لگ سکا تھا اس لیے معذرت کی گئی اور حجاب میں گنجائش تھی تو وہاں لگا دیا شکریہ کی ضرورت نہیں یہ آپ بہنوں کا ہی پرچہ ہے اور اس پر آپ سب کا حق ہے افسانہ بڑھ کر جلد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے آپ کے ذوق و شوق کو دیکھتے امید ہے کہ جلد آپ کا شمار بھی اچھا لکھنے والوں میں ہوگا جس محنت اور کوشش جاری رکھیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کے تمام معاملات میں آسانی عطا فرمائے آمین۔

حمیرا قریشی..... حیدر آباد سندھ

پیاری حمیرا! سدا سدا تو آدھو آچل کی پسندیدگی کا شکر یہ آپ کی تحریر جلد حجاب میں شامل کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ آریکل سالگرہ نمبر ہونے کی وجہ سے اپریل کی خصوصی تحریریں اپنی جگہ نہیں بن پائیں اور زیادہ تر سالگرہ نمبر کی خصوصی تحریریں شامل کی جاتی ہیں۔ بہر حال ماہوں مت ہوں جلد آپ کی تحریر شامل کریں گے اپنی مصروف زندگی سے وقت نکال کر یوٹیوب اپنی رائے پسند و ناپسندیدگی کا اظہار کرتی رہا کریں۔ جزاک اللہ۔

عائشہ نور محمد..... کراچی

ذیہ رائے! سدا سدا سن رہو آپ سے طویل عرصے بعد یہ نصف ملاقات بہت اچھی لگی آپ کا کہنا بجا ہے کہ آپ کے دونوں ناول ہمارے اس محفوظ ہیں ہماری طرف سے اطمینان رکھیں کہ آپ کے ناول کو کتاب کی صورت میں ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے آچل کے سالگرہ نمبر سے فراغت کے بعد جلد لگانے کی کوشش کریں گے جی کا انداز اور خوب صورت جواب دونوں پسند آئے اور اس میں ایک اچھی ماں کی تربیت کا عکس بھی بخوبی واضح ہو گیا ”ذکر اس پری دش کا“ آپ بھی لے کر حاضر ہو جائیں ہم جلد حجاب میں لگا دیں گے۔ اسی بھانے خنی پری سے بھی ملاقات اور تعارف ہو جائے گا اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو صحت و تندرستی سے بھرپور زندگی عطا فرمائے اور سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

ریحانہ اعجاز..... کراچی

ذیہ ریحانہ! جگ جگ جو آپ کی تحریر دیکھی تیری دنیا یا رب ”بڑھ ڈالنی“ موضوع کا چناؤ اچھا اور بہتر ہے ہمارے معاشرے کے کچھ حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے

عزیزی! اجم! جگ جگ جو آپ کا مفصل خط پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوا کہ ہم کسی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے آپ کی پہلے والی اپنی اور ریچید کی کافی حد تک کم ہو گئی۔ ہماری دعا ہے کہ جلد از جلد آپ کی زندگی سے غموں کا سایہ دور ہو جائے اور بہت سی خوشیاں آپ کے نصیب میں لکھ دی جائیں آمین۔ ہر اچھے اور برے وقت میں اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ خوشی اور غم سب اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے اپنے پسندیدہ بندوں پر آتے ہے اور اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت بھی ہوتی ہے ہماری بھلائی کے لیے لیکن ہم جیسے نادان بندہ بشران باریکیوں کو سمجھ نہیں پاتے اور نظموں میں گھر جاتے ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دے آمین آچل کی پسندیدگی کے لیے شکور ہیں۔

شبنم حنیف..... لاہور

پیار شبنم! جیسی رہو طبیعت کی غلطی کی بنا پر غلطیاں ہو جاتی ہیں بہر حال آپ بھائی کو سمجھا دیتیں کہ یہ کوئی اور نہیں بلکہ میں ہی ہوں اور میرا ہی نام ہے آپ نگارشات کے لیے کسی بھی طرح کے صفحات استعمال کر سکتی ہیں لیکن ہر سلسلے کے لیے علیحدہ صفحہ ہواور ہر سلسلہ پر اپنا نام اور شہر کا نام ضرور لکھیں اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو دین و دنیا کے تمام امتحانات میں سرخروئی و کامیابی عطا کرے آمین۔

اقرا مزمل..... ظاہر پیر

عزیزی! آخر! سدا سدا سن رہو آپ کے مفصل خط سے تمام حالات کا بخوبی اندازہ ہوا بے شک والدہ کا ایک ہیڈنٹ اور پھر تین چار ماہ کی علالت آپ کے لیے بے حد نقصان اور تکلیف دہ مرحلہ ہوگا مگر کئی ساری روٹی اور چھل بھل ہی ماں باپ کے دم سے ہی ہوتی ہے اور برکت کا سبب بھی یہی بزرگ ہستیاں ہوتے ہیں آپ نے ان کی خدمت کر کے اپنی عاقبت سنواری بہت اچھا کیا اب آپ اپنے گھر کی ہیں اور آپ کی والدہ بھی صحت یاب ہو گئی ہیں بہت اچھی بات ہے ہماری دعا میں آپ کے ہمراہ ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت خوشیاں عطا فرمائے اور آپ کی والدہ کا سایہ سدا آپ کے سر پر سلامت رکھے آمین۔

زعیمہ روشن..... آزاد کشمیر

پیاری زعیمہ! سلامت رہو آپ کا مفصل خط پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی آپ اتنی دور سے ہماری محبت اور انیسیت کو دل

آپ کی مشکلات اور دواؤں کا خیال کرتے خط کا جواب حاضر ہے آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی ہیں اور ہر سلسلہ کے لیے علیحدہ صفحہ کا استعمال کریں اور ہر سلسلہ پر اپنا اور شہر کا نام ضرور لکھیں۔

گلشن چوہدری..... کجرات

ڈیر گلشن: بھئی ربوہ آپ کا مفصل خط موصول ہوا اور آپ کی تجویز کا اندازہ بھی ہو گیا لیکن کہانی کے ناقابل اشاعت ہونے کو اپنے لیے محنت اور کامیابی کا ذریعہ بنائیں ہر کوئی اسی طرح رد ہونے کے بعد ہی کچھ بہتر اور اچھا لکھ پاتا ہے اور اگر اس طرح اسی ناکامی پر بائوس ہو کر کوشش ہی ترک کر دی جائے تو آج یہ جو مصنفین آپ کے سامنے ہیں یہ بھی گمنامی کی زندگی جی رہی ہوتیں! آپ پہلے مطالعہ پر توجہ دیں اور پھر کہانی کے لکھیں کیونکہ لکھنے کے لیے مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ جبکہ آپ کی تحریروں میں انداز تحریر کی کمزوری بے حد نمایاں ہے ایسے میں ہم چاہ کر بھی قبولیت کا درجہ نہیں دے سکتے کیونکہ پرچہ کے معیار پر آپ بھی مجبوری نہیں کریں گی امید ہے ان باتوں کو سمجھتے محنت اور کوشش جاری رکھیں گی۔

تانیہ الطاف..... راولپنڈی

عزیز تانیہ! سدا مسکراؤ! مصنفہ بننا آپ کا خواب ہے تو اس کے لیے محنت لگن اور کوشش بھی لازم ہے ایک دو بار کی ناکامی سے اتنا بائوس اور کفر نہ ہونا آپ کے خواب کو حقیقت کا روپ ہرگز نہیں دے پائے گا ہر مصنفان مراحل سے گزر کر ہی اس بلندی پر پہنچتا ہے ہر کسی کو نڈائش اور مصائب سے گزرنا پڑتا ہے جب ہی اپنی پہچان اور مفروضہ مقام بنانا پڑے گا آپ کی یہ تحریروں ناقابل اشاعت بھی ہیں تو اپنی خامیوں کو دور کریں انداز تحریر میں چٹکی حاصل کریں کہانی پر گرفت مضبوط رکھیں منظر نگاری اور برجستہ مکالمات سے کہانی میں حسن اور دلکشی پیدا کریں تاکہ آپ کی تحریر میں انفرادیت نظر آئے امید ہے ان باتوں کو ہمیشہ مدنظر رکھیں گی۔

صفیہ مہر..... خانیور

ڈیر صفیہ! سدا شاد و باد رہو آپ کے مفصل خط سے تمام باتوں کا اندازہ ہوا آپ نے جن تحریروں کا پوچھا ہے وہ کافی پرانی ہیں اور ناقابل اشاعت ہیں ان کا نام دیا جا چکا ہے محبت ہم قدم بھی عبرت خواہش کا لباس، عمل لڑکی اور ستارہ ان کے لیے معذرت خواہ ہیں وجہ آپ کا انداز تحریر بے حد کمزور ہے ابھی لکھنے سے پہلے مطالعہ پر توجہ دیں دیگر مصنفین اور ان کے انداز تحریر کو بخوبی دیکھیں اس سے لکھنے میں مدد ملے گی آنکھیں

ہمیں بھی موضوع کے لحاظ سے پسند آیا لیکن آپ کا انداز تحریر بے حد کمزور ہے ڈائلاک لکھنے کے انداز میں چٹکی نظر نہیں آ رہی اس کی ہر کوشش اور کوشش کے ساتھ ساتھ دیکھیں دیگر رائٹرز کے ڈائلاک لکھنے اور منظر نگاری کے انداز کو بھی مد نظر رکھ کر قلم اٹھائیں بہتر لکھنے میں مدد ملے گی امید ہے اس ناکامی کو اپنے لیے کامیابی کا زینہ بنائیں گی۔

فرح طاہر..... ملتان

عزیز فرح! شاد و باد رہو آپ اور آپ کے بھائی کے ایکڈنٹ کی خبر سن کر بے حد دکھ ہوا ہے شک اپنے قریبی عزیزوں اور بالخصوص اپنے بہن بھائی کی تکلیف ہے حد کرب و دکھ میں مبتلا نہ رہتی ہے آزمائش کی ان گھڑیوں میں ہماری دعاں ہیں آپ کے ہمراہ ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ اور آپ کے بھائی کو صحت یابی عطا کرے اور آپ بہن بھائیوں کا ساتھ تا قیامت قائم و دائم رکھے آمین۔ قارئین سے بھی دعائے صحت کے منتظر ہیں۔

فوزیہ فانیہ مہر..... لاہور

بیاری فوزیہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر میرے ساتباں موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے تاکہ آپ الفاظ کا چناؤ اور موضوع پر گرفت اختتام تک قائم نہ کیسے یہ تحریر اسی بنا پر اپنی جگہ بنانے میں ناکام ٹھہری ہے امید ہے محنت کرنے کے ساتھ کوشش جاری رکھیں گی۔

رابیعہ بھٹی..... فیصل آباد

عزیز رابعہ! سدا مسکراؤ! آج کل کی سالگرہ آپ کو بھی مبارک ہو آپ کل کو پسند کرنے سراہنے اور تحریفی کلمات سے نوازنے کا بے حد شکر ہے آپ کی محبت آپ کے تحفے میں ہمیں بخوبی نظر آ رہی ہے آپ نے جس محنت اور چاہت سے ہمیں گفت بھیجا ہے اس کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں آپ کی نظم بھی نیرنگ خیال میں شامل کر لی گئی ہے سندھ بھی شریک محفل رہے گا کہانی کے لیے معذرت۔

مقدس زہرہ..... جھنگ

ڈیر مقدس! خوش رہو پہلی بار بزم آج کل میں شرکت پر خوش آمدید آپ کی نظمیں غزلیں متعلقہ شعبے میں بیج دی ہیں جلد قبولیت کا درجہ بھی حاصل کریں گی آپ کے کہنے کے مطابق کہ

بڑی مشکل سے پہنچا ہوں
بہت دور سے آیا ہوں

ترجمہ بے شک ہم نے آپ کو بے حد حساب عطا کیا۔ اس آیت مبارکہ کی ازمنہ "نما" سے کی گئی ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ضمیر جمع ذکر کی گئی ہے جو تعظیم کا مفہوم دیتی ہے اور یہاں اعطاء کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ اعطاء میں ملکیت پائی جاتی ہے یہاں ماضی کا صیغہ آیا ہے جو حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ کام ہو گیا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں اس آیت میں اعطاء کا لفظ ضمیر ظہری کی طرف کیا گیا ہے ایسا کہ انہیں اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو الکوثر کا مالک عطا کیا۔

علامہ آلوسی الکوثر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا نام الیٰ ہی نہ لگایا جاسکے جب کہ علامہ قرطبی کے مطابق جو چیز تعداد میں قدر و قیمت میں بحدت کے لگنا سے بہت زیادہ ہوا سے کوثر کہتے ہیں ایک چیز جو بڑی اہم اور قابلِ غور و فکر ہے وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ موصوف کو صفت بدول کا ذکر ایک ساتھ ہوتا ہے لیکن یہاں صرف صفت کا ذکر ہے موصوف کا ذکر نہیں ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے یہ بھی جانتا ہے کہ علامہ کرمانفرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایک چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہوئی تو اس کا ذکر ہوتا یا چند چیزیں جو شمس و قمر کا ذکر کرتا ہیں مطلق یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے وہ بے حد حساب عطا فرمایا ہے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے اور کس کا ذکر نہیں کیا جائے۔ علمِ حکمِ جود کریم حضور دراز و غرض جن انعامات و کرامات اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے وہ بے پناہ بے حد حساب ہیں۔

بے شک ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا۔ کوثر کے معنی جیسا کہ پہلے بھی آچکے ہیں کثرت کے ہیں جس کے معنی بے حد و بے حساب کے ہیں۔ یعنی جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے وہ ایک بے پناہ عطا ہے۔ جو مسلسل جاری ہے اور بے پناہ جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مصطفیٰ رسالت سے عطا فرمایا۔ پھر کثیر ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عظیم وجود سے رابطہ ہوا جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی ایک عظیم ترین پہلی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ قائم ہوا اور جس کا حلق اس ذاتِ باری سے ہوا جائے اُسے پھر روک دیا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لٹنے والا پھر کثیر قرآن حکیم کی فضل میں آن بھی دیکھا جاسکتا ہے جو قیامت تک محفوظ رہنے والا ہے۔ جس کی ایک لکھا آیت ایک ایک سورہ پھر کثیر ہے قرآن کریم کی ہر ہر صورت و ہر صیر چشمہ رحمت ہے جس کا فیض کبھی ختم نہیں ہونے والا جسکی جامع کتاب اس سے پہلے کی دوسرے نبی نہیں اتاری تھی۔ پھر کثیر کی صحت بھی ہے کہ تمام عالم بالا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمد و سلام بھیجتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں پر بھی ہمد و سلام بھیجتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمد و سلام بھیجتے ہیں ہر نماز کے لیے پڑھی جانے والی آیتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ربیہ کا نعت اور پورے عالم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رعبت ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد گیری یا اور عبادت و عقیدت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل سنت کی صحت میں غیر کثیر کے طور پر موجود ہے اور ہر عبادت دنیا کے اطراف و اکناف میں زندہ و جاوید ہے۔ انھوں کو روزوں انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل رہے ہیں۔ انھوں کو روزوں پر نفاذ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز و حرام نے ہیں اور قیامت تک امت مسلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتی رہے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمد و سلام بھیجتی رہے گی۔

خیر کثیر یہ بھی ہے کہ پوری انسانیت کے لیے آپ کو مبعوث کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی مرتبت کے فضل سے

پوری دنیا فیض یاب ہوئی اور پوری انسانی تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض جاری ہے چاہے کسی کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو چاہے وہ ایمان لایا ہو یا نہ لایا ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت لائے ہوئے دین کے اثرات سب پر پڑے ہیں کسی نہ کسی طرح سب ہی فیض یاب ہوئے ہیں اور ہر ہے ہیں اور ہر ہستی دنیا تک فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت والا خیر کثیر اس قدر عظیم اور بے پناہ ہے کہ جس کا شمار ممکن ہی نہیں اس کے علوم معارف کی کوئی حدود و قیود نہیں بلکہ وہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں دہائیوں کے کائنات نے کوثر کہہ کر مجمل چھوڑ دیا اور ہر خیر اس کے کنارے میں آ جاتا ہے۔ خیر کثیر یہ بھی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی و ذریعہ اولاد بھی بکثرت دنیا کے ممالک میں پھیلی ہوئی ہے خیر کثیر یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں علماء صالح اور اہل کمال بھی کثرت سے ہوں گے جو دوسرے دنیا یا عظیم اسلام کی امت کو نصیب نہ تھے کوثر سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم ہے۔

کوثر سے مراد مقام محمد ہے خواہ خیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا جائے کہ جس کا ذکر حدیثی اسرار کی آیت نمبر ۷ میں کیا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دھوئیں کنارے سونے کے ہیں اس کا فرش موتیوں اور یاقوت کا ہے اس کی مٹی کتوری سے زیادہ خوبصورت اور پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا اور عفاف ہے۔“

یہ ایک ایسا حوض ہے جس سے سدا و خیر میدانِ حشر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت یہاں ہوگی اس کے کناروں پر اس قدر کوثر سے گئے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تا کہ کوئی پیسا انتظار کی رحمت نہ اٹھائے۔ یہ اعزاز و انعام صرف نبی آخر زمیں کی امت کو ہی ملا ہے کچھ علماء کے قیاس کے مطابق کوثر سے مراد قرآن مجید بھی ہے کیونکہ قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جس میں ہدایت ہے یعنی جو روز آخر تک کے لیے کارآمد ہے۔ یہ علوم و معارف کا خزینہ ہے۔ رشد و ہدایت کا آئینہ ہے انسانی زندگی کا ہر پر شعبہ اس کتاب سے منور و معزز ہو رہا ہے اس کی بصیرت عام ہے کوثر سے مراد دین اسلام بھی ہے کیونکہ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا عطا ہے کوثر سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی بھی نبی کے اتنے زیادہ اصحاب جانا نہیں تھے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مطابق یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور ہے جس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی اللہ تعالیٰ تک ہوئی ایک خیال یہ بھی ہے کہ کوثر سے مراد مقام محمد بھی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا۔ جہاں آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ علامہ اسماعیل حقی علامہ قرطبی علامہ آلوسی کے مطابق کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دعویٰ و آخری نعمتیں اور فضائل سب شامل ہیں اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ احادیث میں کوثر کو نہر کے معنی بطور مشکل کے بتایا گیا ہے کوثر کے بارے میں بکثرت احادیث تھوڑے تھوڑے لفظی اختلافات کے ساتھ موجود ہیں۔ (بخاری کتاب المقاتل، مسلم کتاب الطہارت و کتاب المغاٹل مستدرجہ روایات ابن مسعود ابن عمر و عبد اللہ ابن عمرو بن العاص و ترمذی ابن ماجہ ابو داؤد)

عیلیہ کوثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اس کے تحت دنیا و عقیقہ کی ساری نعمتیں سارے انعامات الہی آ جاتے ہیں اس آیت مبارکہ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی دی گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دھوئیں فرزندوں کے انتقال کے باعث دشمنانِ دین اور جاثقین خوشیاں منارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غرور کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اب ان کا نام لینے والا کوئی نہیں رہا۔ اس کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھنی اس طرح فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے کر نہ ہوگا۔

ترجمہ: جس تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

تفسیر: صلوات عربی کا لفظ ہے جس کے معنی نماز کے ہیں اس کی جمع صلوات ہے لغوی معنی دعا، تسبیح، استغفار و رحمتِ ثناء طلب کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی رحمت کے ہوں گے اور جب مخلوق یعنی ملائکہ جن و انس سے منسوب ہو تو اس کے معنی قیامِ نگر و جود کے ہیں اور اگر پرندہ کبڑے کوڑوں کے لیے استعمال ہو تو اس کا مطلب تسبیح ہوگا۔ اصطلاحاً نماز اس مخصوص عبادت کا نام ہے جو اسلام کے ارکان میں ایک اہم ترین ہے اس کو صلوات اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے

ہم لکھتے ہیں

لیکھ احمد

ام سلمہ بخاری

السلام علیکم ارساز ایڈر ریڈر کیے ہیں آپ سب یقیناً ٹھیک ہوں گے (جو بیمار ہیں ان کو میری طرف سے دعا) نام تو آپ نے پڑھ ہی لیا ہوگا ہم پانچ بہن بھائی ہیں میرا پانچواں نمبر ہے 25 مئی کو پتی دوپہر میں اس دنیا میں آگئے مولا۔ اس لحاظ سے میرا شمار جز ہے (اس لیے تو حصہ زیادہ آتا ہے) میرے پانچ بھائی ہیں بہن میری چار کیونکہ عرفان حیدر میرے بہنوئی ہیں اور ایک ہمارے منہ بولے بھائی ہیں تو اس لیے چار ہوئے ناں کاسٹ ہماری سید ہے۔

خلع جنگ صدر کے گاؤں موضع جیر والا سے تعلق رکھتی ہوں ہم سب کزنز کوڑے شاہ والا میں رہتے ہیں ہم لوگ زمیندار ہیں میرے ابو کا نام مختار حسین شاہ ہے یہ تو ہو گیا حوالہ اب آتے ہیں دوسری باتوں کی طرف (آپ لوگ پور تو نہیں ہو گئے) نچرز میں رخصانہ الپاس مغل اور سیکڑہ مغل اچھی لگتی ہیں۔ پڑھائی کا پچھونہ پچھوے سیدوں کی بیٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ نہیں پڑھ سکی خوبی اور خامیوں کی بات ہو جائے خوبیاں خوش اخلاق ہوں دوستی کریں تو سچے دل سے بھائی ہوں دوسروں سے جلدی مل کر جانی ہوں ہر ایرے غیرے سے نہیں خامیاں دوسروں پر بلا وجہ تنقید کرتی ہوں (بقول میری بہن کے) چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آتا ہے ٹھوڑی نا پرست ہوں چودھویں کا چاند مجھے اچھا لگتا ہے۔ تنہائی پسند نہیں ہوں سب کے ساتھ مل کر بیٹھنا اچھا لگتا ہے لباس میں سادگی فرائد شلوار قمیص پسند ہے کھانے میں چائے پلاؤ کھجور، کرلے اور مسوری دال پسند ہے اور آلو بالک پسند ہے پھلوں میں آلو بخارا اور ناشپاتی پسند ہے گلز میں ریڈ پنک، بلیک پسند ہے ہلکی ہلکی بارش بہت پسند ہے آندھی طوفان سے بہت ڈر لگتا ہے فیورٹ رائٹز عفت سحر طاہر میرا شریف طور ناڈی کول ناڈی پسند ہے (ناڈی جی آپ اتنی دھمی کیوں دیتی ہیں) فیورٹ سنگرز راحت رخ علی خان اوت کمار ساؤنڈا کا پسند ہے۔ فیورٹ شاعرز محسن نقوی فراز احمد مرزا غالب پسند ہے۔ مہندی لگانا اور کراچی کی چوڑیاں اچھی لگتی ہیں۔ پھولوں میں گلاب اور گل ہار پسند ہے ڈائری لکھنا گفت دینا اور لینا بہت اچھا لگتا ہے۔

سلیو میوزک سننا پسند ہے (کوئی آواز سے مجھے جڑے) ہاپسند چالبوسی خالی باتیں کرنے والے لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے میری ایک دوست ہے میری کزن (فرزانہ کول) سارہ لنگریال میں آپ سے دوستی کرتا جانتی ہوں (شوخی و چٹکل بھی ہوں) میں اپنے امی ابو کی لاڈلی بیٹی ہوں۔ (خوش نصیب ہوں ناں) زیادہ دوستی میری میرے بھائیوں میں سے عرفان حیدر شہزاد حیدر ہے۔ ہمارا شاہ شادی خانہ آبادی مبارک ہو اللہ تمہاری جھولی خوشیوں سے بھر دے آمین۔

آچل کے لیے شعر۔
ملا کی افراق فری ہے میری ذرات میں لیکن
اس بے دھیانی میں بھی آچل کا دھیان رہتا ہے

تانیہ الطاف

السلام علیکم اکیا حال چال ہے جی کیسی گزر رہی ہے لائف ہم تو اللہ عزوجل کا کرم ہے ہٹ اینڈ فائن ہیں۔

میرا نام تانیہ الطاف ہے تک نیم تالی ہے 1999 میں 15 مئی کو اس خوب صورت سرزمین پر جلوہ گر ہوئی۔ پنجاب کے شہر راولپنڈی کے قریبی گاؤں چک نیلی خان سے تعلق ہے۔ ہم ماشاء اللہ سے چھ بہن بھائی ہیں۔ دو بھائی اور ایک سسر مجھ سے بڑے ہیں میرا نمبر چوتھا ہے پھر دو چھوٹے بھائی ہیں۔ میں اپنی تعلیم میں امی کے بعد دونوں چھوٹے بھائی (افضال احمد اور محمد عثمان) سے بہت بہت پیار کرتی ہوں۔ ان دونوں کے جھگڑنے پہ مجھے بہت غصہ آتا ہے لیکن ان کے ایک جملے پر میرا سارا غصہ رُو چکر چمک ہو جاتا ہے (سوری آبی جان) اس کے معاملے میں ممتاز بھائی بیٹ ہیں۔ غصہ نہیں کرتے بس پیار ہی پیار لگاتے ہیں۔ اب آج میں میری لاتعداد خامیوں کی طرف۔ بلال بھائی سے پوچھ کر بتا رہی ہوں۔ چند باتیں ہوئے ٹھوڑی غیر تکھدار ہواؤں اچھی عادتیں..... حساس ہوئے ٹھوڑی سمجھ دار بھی ہوئے کھڑے ہوئے اینڈ A Good Girl میں خود کمبوس تو میرے مطابق تو مجھ میں خامیاں بھی یہی ہیں کہ باتوں میں غصہ آتا ہے اور جلدی اتر بھی جاتا ہے جلد ہی تقریباً ہر کسی پر اعتبار بھی کر لیتی ہوں جس کی وجہ سے بہت نقصان بھی ہوا۔ جیسی اندر سے ہوں ویسی ہی باہر سے بھی ہوں۔ پسند نا پسند کی بات کی جائے تو لباس میں لاگ شرٹ فرائز زفر فرائڈ اور چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا دونیہ پسند ہے۔ کھانے میں برائی اٹھار گوشت اور اچھے سے چکڑے پسند ہیں۔ سویت ڈش میں کشرڈ جوس میں دیکھا اور یمن جوس پھلوں میں سیب پسند ہیں۔

فیورٹ سینکر راحت فتح علی خان ملکو عطا اللہ علی خیلوی عارف السلام۔

ہر نئی اور پرانی کتب پڑھنا ڈائجسٹ پڑھنا ڈائری لکھنا اور انٹرویوز لینا میری ہائیز ہیں میرا شمار تو رہے یقین نہیں کرتی۔ پھولوں میں سرخ گلاب اور موتیا پند ہے موسموں میں بہار کا اور سردیاں پسند ہیں جیلری میں برسلٹ یا پھر وچ کلر بلیک اینڈ بے بی رنگ مجھے پسند ہے۔ شاعروں میں وہی شاہ احمد فراز اور پروین شاکر کو شوق سے پڑھتی ہوں۔

دسمبر کی ٹھنڈی شام سورج غروب ہوتا ہوا اور کاغذ قلم کا ساتھ مجھے پسند ہے۔ سادگی پسند ہوں دوست بنانا اچھا لگتا ہے مگر بنانی نہیں کیونکہ دوستوں نے اتنے سبق دیے ہیں کہ مزید اس بات کی سکت اور خواہش باقی نہ رہی۔ دوستی اور محبت جیسے مقدس بندھن کو بدنام کرنے والے مجھے زہر لگتے ہیں۔ میری بیسٹ فرینڈ میرا اور سائرہ ارم ہیں میری شیرنگ میرا کے بعد سائرہ سے ہی ہوتی ہے پھر پھرتی ہوں لڑائی سے نشاء اللہ سے والدین دنیا کا قیمتی اثاثہ ہیں لیکن اللہ پاک کی رضا کہ ہم باپ کی شفقت سے محروم ہیں اسی انتہائی صابر و عورت ہیں اللہ عز و جل ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور میرے بابا جانی کو اللہ عز و جل جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کریں (آمین ثم آمین)

مجھے عالم کا کورس کرنے کا بہت شوق ہے بہت پڑھنا نہیں ہے ماما کی۔ فیورٹ ایکٹرا ہے دیو کن سید یہ لام پر جی زنگا صابر۔ بیسٹ سوگ محبت بھی ضروری تھی بیسٹ کلام حنا نصر اللہ کا ہر کلام اچھا ہے اب اجازت چاہوں گی آپ بھی سوچ رہے ہوں گے ارے یہ کون ہے جو بولے ہی چلے جارہی ہے..... ہالہا تانیہ الطاف..... آپ چل چلی کی مہربن کہ بہت ہی خوش ہوں اور مجھے ڈر لگتا ہے اللہ عز و جل سے جانوروں سے برے لوگوں سے سسرال سے بھلی کی دوری سے اور سب سے زیادہ اندھیرے سے بہت زیادہ۔ لوگ جی آپ میرا بیج..... اپنا ہر رشتہ اللہ عز و جل سے بنائے رکھیں خوشی اور غم میں بھی وہ ہر حال اور ہر وقت آپ کو سننے والا اور دیکھنے والا ہے آپ کو کبھی ناامید نہیں ہونے دے گا دنیاوی شخصیات سے تعلق کو دور کر کے اس پاک ذات سے تعلق جوڑیں جو کہ شرک سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہرگز اہوا کام ہو جائے گا ہر مشکل حل ہو جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ پختہ یقین اور ہر خواہش جائز ہو میرا تعارف بڑھ کر کیا لگتا ہے گا ضرور ضرور اللہ عز و جل آپ سب کو خوش و خرم رکھے (آمین)

حنا گل

اسلام علیکم! میرا نام حنا گل ہے جبکہ مجھے جسٹ حنا پسند ہے قلمی نام حنا یونین ہے آج کل میں بھی اسی نام سے تحریریں بھیجتی ہوں ہر کم بل پانچ بیس اور دو بھائی ہیں بڑی بہن کی شادی ہو گئی ہے کاسٹ ہماری حسی ہے۔ 90 دیگر کو اس پیاری سی کائنات میں رنگ بھرنے کے لیے آئے کھ کھولی (ہالہا) اس نسبت سے اسٹار ہاؤس بنتا ہے تعلیم کی اسے کیا ہے اینڈ NTS میں ٹیچنگ کی جاب کے لیے ٹیسٹ دے کر پاس ہوئی ہوں میرٹ میں بھی نام آیا ہے ٹ پوسٹ خالی نہیں ہے آپ سب سے گزارش ہے کہ دعا کریں کہ مجھے پوسٹ مل جائے اب بات ہو جائے پسند نا پسند کی تو پسندیدہ راتز نا زبہ نکول نا زبہ محمدیہ ال کاشف سمیرا شریف طو سندر جبین انفرامیر احمد فارخہ گل وغیرہ ہیں۔ ڈریس میں مجھے شلوار قمیض شرارہ غرامہ اینڈ بلو پی سوس پسند ہے جو کہ بنانی بھی ہوں کلر میں مجھے بلو رنگ ٹریل یو اینڈ ہر لائٹ کلر پسند ہے کھانے میں جو بھی لے کھا لیتی ہوں غر نہیں کرتی شکر احمد اللہ بر فیم میں جس کی بھی خوشبو اچھی ہو لگا لیتی ہوں خاص کر لوہن اینڈ یارڈی ای ٹی سی سنکرز میں کوئی خاص اچھا نہیں لگتا پھولوں میں ریڈ اینڈ پنک دوز پسند ہے مجھے گرمیوں کی دودھیں بہت اترکتی کرتی ہیں سکون مل کر لیتی ہوں اس وقت مجھے جوائنٹ علی سسٹم اچھا لگتا ہے جو کہ ہم نہیں ہیں۔ مجھے زیادہ بلونا بالکل اچھا نہیں لگتا پسندیدہ مشغلہ ڈائجسٹ پڑھنا ڈائری میں اشعار لکھنا سلامتی کرنا اینڈ بلو جی سوٹ بنانا آج کل کی قارین پروین افضل اچھی لگتی ہے میں آپ کی بے اولادگی کے لیے دعا کروں گی کوئنگ کا بھی شوق ہے بہت بڑی سسٹری موجودگی میں بھی بکھار ہی موقع ملتا ہے۔ میں ٹیوڈی حد تک حساس ہوں کسی کو مصیبت یا پریشانی میں دیکھ لوں تو دودھ کو دل چاہتا ہے سوچتی ہوں کہ کاش میرے پاس زیادہ دولت ہوتی تو غریبوں کی مالی مدد کرتی، مجھے ہنس کھ لوگ زیادہ پسند ہیں اور مغرور چالاک دھوکہ باز اور شکی لوگ سخت برے لگتے ہیں اینڈ جو لوگ معمولی معمولی باتوں پر بات بے بات ہتے ہیں ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے مجھیں خود ہوں ویسے ہی دوسروں کو بھی سمجھتی ہوں ایک دفعہ ایک فرینڈ نے مجھے کہا تھا کہ تم بہت معصوم ہو بچوں میں مجھے حادث (کزن) اینڈ کزن کی بیٹی جرنالور بہت پسند ہے اسٹوریز میں مجھے "خدا اور محبت" حرس عشق اور تم میرے ہوزریمانہ آفتاب کا بہت پسند آیا۔ سائیکل چلانے کا بہت شوق ہے جو کہ نہیں جانتی..... میری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں غصہ

سبحہ یارِ حیات

سیدہ نثار

سوال: آج کل ڈائجسٹ کی پسندیدہ مصنفہ جنہیں آپ ملکہ ادب کہیں گی؟

سوال: آپ اپنی سالگرہ مناتی ہیں یا نہیں؟

سوال: پچھلے سال کس تحریر نے آپ کو ستر کیا اور کس تحریر کا اختتام آپ کو پسند نہیں آیا؟

سوال: کون سا تہذیبی کارِ آفریں خوش ہوتی ہیں کتب، خوش بو پھول یا زیورات و دلبوسات؟

سوال: اگر آپ کو ایک دن آج کل کی کسی مصنفہ کے ساتھ گزرنے کا موقع ملے تو کس کے ساتھ گزارنا چاہیں گی اور کہاں؟

سوال: آج کل کے لیے آپ کی محبت و جذبات صرف چند سطور میں بیان کریں؟



یوں تو محفلِ زیست میں ایسے بہت سے موڑ آتے ہیں جس سے دل نادان خوشی و غم کے احساسات سے ہمکنار ہوتا ہے جیسے انجمنی ہمارے لیے یہ بات خوشی کی ہے کہ آج کل اپنے آئینہ یسویں سال میں داخل ہو گیا۔ یہ لیکن اس سفر میں ہم سے ہمارے بہت سے پیارے چہرے بھی گئے ابتدا کے ہالی مدیران نائب مدیران اور بھی ان کی ساسی جو دیگر مشیوں میں ساتھ ساتھ چلتے رہیں اور پھر کچھ تقاضے الہی سے زندگی کی بازی ہار گئے یا رضائے الہی سے ساتھ چھوڑ گئے پر ان کی رہنمائی و تعاون ساتھ ہی رہے بانی مدیرہ زینب النساء نے اپنی ساتھیوں کے ہمراہ آج سے چالیس سال قبل ایک پروڈاکا اور اس کا گے بڑھ کر مکمل کنول نے سچا سونوارا پھر ان کے بعد فرحت آرانے اس ذمہ داری کا بیڑہ اٹھایا اور کچھ مصنفین ان کے سامنے رخصت ہوئیں اور کچھ نے لکھنا چھوڑ دیا اور پھر ان کے رخصت کے ساتھ بہت سی مصنفین بھی جواب ہمارے درمیان نہیں یا پھر انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا اور جن کی کمی ہم ہر دم پرومٹو بر محسوس کرتے ہیں۔ فرحت آپ سے تو خیر میں نے بہت کچھ سیکھا اور چاہا بھی کہ ان جیسا انداز اپنا کر آپ سب کے دلوں تک رسائی

حاصل کر لوں اس کام میں میری مدد قیصر آرا آتی بھی کرتی ہیں ان کے دست شفقت کے ساتھ ہی میں آپ سب مصنفین و قارئین کے ساتھ ہوں ویسے تو ہماری بہت سی مصنفین نے لکھنا ہے چھوڑ دیا ہے جیسے سیدہ گل بانو عائشہ خان شمیمہ سیدہ سعیدہ ال کاشف اور بھی کئی لکھنے والی نہیں جن کے نام ابھی یاد نہیں آ رہے اب و جہات علالت ہوں یا کچھ اور آپ لوگ کہیں گے بات خوشی کی تھی اور میں کہاں لے گئی۔ بہر حال ہماری اور آپ کی خواہش پر شاید پھر سے بھی سب آج کل وجوب کو روضہ بخش دیں۔ آج کل گو یہ بلند مقام حاصل کرنے میں ہماری ساری مصنفین کا بھی بھرپور ساتھ ہے جواب بھی ہمارے ہر دم میں اور امید ہے کہ ہمیشہ ہمہ مدد رہیں گی۔

سیدہ حور عین فاطمہ..... حیدر آباد سندھ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آج کل کو اور اس سے جڑے تمام ممبران کو بے حد مبارک باد پیش کرتی ہوں امید واثق ہے آپ سب بخیر و عافیت ہوں گے میں آج کل کی خاموش قاری ہوں دس سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ ایک بار شامل ہوئی تھی میں بس جب نازیہ کنول نازی آبی کا انتظار ہوا تھا ان سے سوالات کئے ذرا بچے

اویسے تو بہت سی مصنفین ہیں جو ماشاء اللہ اپنے کام کو بے حد خوبصورتی سے پیش کر رہی ہیں اگر الفاظ کے چناؤ سے دیکھیں تو ملکہ ادب حرافہ شری کردار نگاری اور فیملی پلاٹ کے لحاظ سے نازیہ کنول نازی آبی اور سیر آبی اسلامی ادب کو مد نظر دیکھا جائے تو عائشہ نور رحو اور محاشری پہلوؤں کو دیکھا جائے تو فاخرہ ایبائی سب بھی ماشاء اللہ خوبصورت لکھ رہی ہیں۔

۲: جنہیں میں نہیں منانی سالگرہ مجھے یہ سب فضولیات لگتے ہے فریڈ زوش کرتی ہیں بس۔

۳: ستر تو بہت سی تحریروں نے کیا ہے ایک کا نام خصوص لینا ناجائز ہے مگر ایک پیغام جو تھا ہوا بیٹن والے میں اس کو بڑھ کر میں بے حد دلی دل میں ایک درد ہوا جو کئی دنوں تک دھکی کرتا رہا مگر کٹ حقیقت بہت کمال ہے۔ بیان کی گئی تھی اور منظر کشی بلوا طلحہ لہی کے ناول کی دلکش گئی تھی۔ عشق ست رنگی والی جمیل کے مناظر اور وہ دعا اور عشق کے متعلق لکھا گیا اقتباس لا جواب بانی بھی بہت سی تحریروں میں۔ ابھی یاد نہیں اختتام فاخرہ ایبائی کے ناول کا لینا نہیں آیا فحوت رائٹر ہیں میری مگر اینڈ ویسے نہیں ہوا دلکشی کی رہی غریب شین والے ناول میں سو رہی ایبائی۔

۴: ہمارے راز بدست سوال
زیربات بالکل پسند نہیں مجھے (شکر ہے)
مجھے پر غم اور کتابیں گفتگو کے طور پر بے حد پسند ہیں
میری خواہش ہے سب مجھے مانگت کر لیں (۱۱۱۱۱۱۱۱)
۵: حراقہ کی بہنا اور طلحہ بہنا قافراً پانی ریحانہ پانی سہاں
گل پانی سب کے ساتھ۔

۶: بے حد خوب صورت و دلکش ماہ نامہ جب سے میں نے
اردو ادب کو پڑھنا شروع کیا تھا تب سے یہ میرا پسندیدہ ترین رہا
ہے اور ہمیشہ رہے گا آج کل سے بہت کچھ سیکھا ہے میں نے
زندگی میں جیسے کے طور پر بچے رشتوں سے مضبوطی قائم رکھنا
دوسروں کے رویوں سے ان کی شخصیت کو پرکھنا سمجھیں کہ
آج کل نے میرے لیے ایک ماں کا کردار نبھایا ہے شکر گزراؤں
مولا سے مزید کامیابیوں سے نوازا ہے۔

عینی غزلی..... ہری پور ہزارہ

سب سے پہلے تو آج کل تو انجسٹ کو اور اس کے کاروں کو
اس کی چالیسویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ رب
اعزرت اس کے سفر کو ہمیشہ عروج عطاء فرمائے آمین یارب
العالمین۔

۱: آج کل کی کسی ایک مصنفہ کو ملکہ ادب کہنا تو زیادتی ہوگی
ماشاء اللہ سے سب ہی خوب لکھتیں ہیں ایک سے بڑھ کر ایک
نام تب ہی تو آج کل کا منفرد مقام ہے سنئیر مصنفین ملکہ ادب
ہیں تو جو حیرت انگیز ادبا ہیں۔

۲: نہیں ہم اپنی سالگرہ نہیں مناتے ہمیں بہنیں اور
بھانجیاں دس کر دیتیں ہیں لیکن پھر پورا اہتمام جو کہ پہلے سے کیا
جاتا ہے وہ ہم نے بھی نہیں کیا کیونکہ ہمیں کچھ نہیں آتی کہ عمر
کے سال میں جو کہ گنتی ہے اوپر کے رن لٹی ہے یا نیچے کے
رن ڈول ہے کہ کمال ہے۔

۳: جس تحریر نے متاثرہ کیا ہے وہ تھی رانہ ملک کی عہد
وفا بہت دلایا تھا اس ناول نے بلکہ اب بھی اکثر اداس رکھتا
ہے نہایت خوب صورت تحریر روشن دنیا کی تاریکیوں کو واضح کرتی
ہوئی دوسروں پر غور نہیں کسی تحریر کا انجام نا پسندیدہ نہیں لگا ہر انٹر
کی اپنی سوچ ہوتی ہے وہ بہترین ہوتی ہے جس سے ہمیں
اختلاف ہوگا وہ اکثریت کا پسندیدہ انجام اور انتہا سے لیے پھر پور
اور دلکش تحریر ہوگی۔

۴: ہم تجھے میں کتاب پا کر بہت خوش ہوتے ہیں سب

سے انمول تحفہ آپ کے لیے ہمیشہ بہترین دوست رہا۔
اسے اپنی اتنی قسمت کہاں پر خواہشات پر پھر کہاں۔
اگر ہمیں آج کل کی مصنفہ کے ساتھ وہی گزارنے کا موقع
ملے تو وہ ہوں گی ڈیری ریحانہ آفتاب منوچ سے کسی جگہ کوئی
سی بھی ہوں وہاں بہاریں رقصاں ہوں گی ہم بے حد خوش ہی
نہیں خوش قسمت بھی ہوں گے کیونکہ ہمیں ہمیشہ بہت اچھا
راستہ دکھایا ہے ہماری حوصلہ افزائی ہماری رہنمائی کی ہے بہت
عز و نعت کے سبب العالمین ان کے حرف و ہنر کو۔

۵: آج کل ادب کی دنیا کا درخشاں ستارہ جو کسی توغما دیا ہوگا
مگر آج اس کی تابانی کی مثل قمر ہے اور ہمیں آج کل سے بہت کچھ
سیکھنے کا موقع ملا ہے آج کل نے آج کل کی عظمت و اہمیت کو جس
طرح ہم پر واضح کیا ہے وہ اعزاز بہت دلربائی لیے ہوئے ہے
ہمارے لیے یہ ایک استاد کی ماہر ایک رہنما ہے اور ہم نے
اسے ایک اچھے دوست کی طرح پایا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ رب اعزرت اس شمع کو ہمیشہ منور
رکھے اس کے عروج کو کبھی زوال سے آشنائی نہ ہو یہ ہمیشہ اپنے
کاروں کے ساتھ روشنیوں اور عروج کی منازل طے کرتا
رہے آمین یارب العالمین۔

دعا

جنہوں نے جس کا بیج ڈالا
لہو جگر کا دے کہہ رہے پالا
خدا یا منور رکھان کا جہاں
ہمیشہ چلتا رہے یہ کارواں
دعا ہے غزل کی سلامت دے
عروج ان کا تا قیامت دے
امین فی اللہ

ریحانہ اعجاز..... کراچی ٹینفس

سب سے پہلے آج کل کی چالیسویں سالگرہ بہت بہت
مبارک ہو۔ اللہ کرے ہمارا آج کل ترقی کی مزید منازل طے کرتا
ہو اآسمان کی رفعتوں کو چھو لے اور ہم سب یونہی اس کی ہر
سالگرہ و حوم دعا سے منائیں آمین۔
اب آتے ہی سروے کے سوالات کی طرف۔

۱: آج کل تو انجسٹ سے خواہرا ہم اپنی اپنی جگہ پر مثال ہے
اور کسی ایک کو ملکہ ادب کا خطاب دینا نا انصافی ہے ہر ایک
مصنفہ کے کلم سے ہمیں بہت سی خوب صورت تحریریں پڑھنے کو

ملتی ہیں ہاں چند نام ہیں جن کی تحریریں ذلتی طبع پر مجھے بہت بھائی ہیں اور جو کفر و بدعت آج کل کی نسبت بدحوالی ہیں ان میں سر فرہست طبعیہ، غفر، سہاس گل، نزہت، جبین، ضیاء، نصاب، نفل، نزع، بھڑو، قرۃ العین، سکندر، سحانہ، آفتاب اور مادہ طبعیہ ہیں جن کا انداز اسلوب بہت پسند ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام دوستوں کو مزید اچھا لکھنے اور آگے بڑھنے حریہ کامیابیاں سمیٹنے کی توفیق دے اور آنے والے مزید چالیس سالوں میں ان کے قلم کا یوں ہلارہے قارئین اور راضیوں کے درمیان یہ پیارا سا معلق آج کل کی مصدق ہمیشہ قائم و دائم رہے، آمین۔

۲: خود اپنی سالگرہ بھی نہیں مناتی البتہ اب بچے ہر سال باقاعدگی سے میری سالگرہ کا اہتمام کرتے ہیں سمیت اپنے پیارے کے اور پھر سالگرہ کا وہ پورا دن خوب مصروف اور حسین یادیں دے کر اگلے سال میں پہنچا کر خست ہوتا ہے۔

۳: گزشتہ سال میں یوں تو ہمیشہ کی طرح ایک سے ایک تحریر پڑھنے کوئی لیکن جس تحریر نے دل و دماغ کو بھڑو کر رکھا یا وہ طبعیہ عصر کی تحریر تھی ”بارگراں“ جس میں اللہ کی شامی کرنے والوں اور شکر گزار بندوں کا بخوبی احاطہ کیا کہ بے شک وہی رب ہے جو جسے چاہے ”عزت“ دے اور جس کو چاہے ”ذلت“ اپنی بے جا خواہشات کے آگے پسما ہونے والے بھی بخت کے سکندر نہیں ہوتے جو اللہ اور اس کی نعمتوں کی شامی کرتے ہیں اللہ ان کو یونہی آزماتا ہے کہ کسی اولاد کے ذریعے تو کبھی مل کے ذریعے جیسے کہ ”عبداللہ“ اور جس کو اللہ جن لے ان کو اسی طرح دین و دنیا کی سمجھ دیتا ہے جیسے کہ ”مارقا“ وطن عزیز کی خاک میں ملنے والے اور بیک اللہ کی نعمتوں پر شکر گزار ہونے والے ہی دونوں جہاں میں سرخرو ہوتے ہیں طبعیہ عصر کی ایسی تحریر جو ہر دل پر یاد رہے گی اللہ کرے زور قلم روزیادہ آمین۔ بہت سی تحریریں لکھی ہوئیں ہیں جن کا اختتام پڑھ کر دل چاہتا ہے کہ یوں ہوتا تو اچھا ہوتا لیکن کوئی تحریر نہیں جس کا اختتام پسند نہ آیا ہو۔

۴: خود کوئی بھی ہونے والے نے غلوں سے دیا ہوا خود خوش ہوتی ہے ہاں اگر وہ ”خود“ ”مکتب“ کی مصدق ہو تو خوش ذیل ہو جاتی ہے۔

۵: آج کل کی کسی بھی مصنفہ سے ملاقات خوش قسمتی کی بات ہوگی اور یہ خوش قسمتی مجھے مل چکی ہے جب ”طبعیہ عصر“ سے ملاقات ہوئی تھی کہ کوہ سارا دن نہیں گذرا تھا لیکن جو بھی نام

گذرا بہت خوب مصدق اور یادگار رہا اور ان شاء اللہ جلد ہی دوبارہ ملاقات ہوگی۔ اگر موصوع ملے تو میں ”سہاس گل“ ”سحانہ“ ”آفتاب“ اور ”قرۃ العین“ سکندر کے ساتھ ایک دن گزارنا چاہوں گی گھر کے پرسکون ماحول میں۔ یہ وہ راضیوں ہیں جن کو اللہ نے جہاں بے پناہ عزت و شہرت سے نوازا ہے وہیں ایک خوب مصدق دل بھی عطا کیا ہے بہت اچھی سادہ اور مخلص دوست ہیں اللہ انہیں حریہ کامیابیاں سے نوازے آمین۔

۶: آج کل سے محبت و عقیدت آج کی نہیں برسوں پرانی ہے کہ سچے دوستوں جیسے نفلوں سے محبت کے پاکیزہ اور کامل نفلوں کی قبولیت اور ابدیت کا یقین کامل و قدامت کی کتاب کے سب اسباب کی بات کے جذبے سے گندھے سب عنوان جنہوں کی کچی لکھن اور زندگی کا فہم و ادراک سب آج کل سے حاصل کیا۔ جس سے میرا زندگی جیسا ناقابل اعتبار چیز پر یقین محکم پختہ ہوا اللہ یونہی ہمارا اور آج کل کا ساتھ سدا دینے رکھے آمین دھنک کے سات دنگوں سے ہمراہ آج کل آسمان کی رفعتوں کو چھونے چلا میرا آج کل سالگرہ مبارک

مدیحہ کنول سرور..... جشتیال
سب سے پہلے تو آج کل کی سالگرہ سب مبارک ہو آج کل ایسا مہمان فجر سایہ دار ہے جس کے زیر سایہ بہت سے پھول کھلے اور اپنی خوشبو سے بہت سے لوگوں کے ذہن و دل کو مسح کیا دے جاتا آج کل دن دگنی رات چٹوئی ترقی کرے آمین۔ آج کل کی پسندیدہ مصنفہ ایک کلمہ سوچے بغیر پوری ایمان داری سے میرا وٹ نازیہ کنول نازیہ کے حق میں ہے۔ نازیہ جی کے لیے بیسٹ مائر فڈی لٹریچر کا اہواز ہونا چاہئے۔
۲: کچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اپنی سالگرہ کا دن بھی یاد نہیں رہتا۔ آج کل کی ہی کچھ دو تیس فائزہ جمنی، حنیہ ایس ایچ، حافظہ سمیرا وغیرہ مبارک باد دیتی ہیں تو یاد آتا ہے کہ زندگی کا ایک اور سال گم ہو گیا۔

۳: اس کے جواب کے لیے دو سال کے ڈائجسٹ کھٹکھٹانے پڑے۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک۔ متاثر کن تحریر تو نازیہ جی کی ہی ہے ”شب چہر کی پہلی بارش“ اور اختتام ہر تحریر کا بیٹ ہوتا ہے۔ کیونکہ زندگی میں ہمیشہ وہ ہی نہیں ہوتا جیسا ہم چاہتے ہیں اتفاق کریں کہ میری بات سے۔

۴: خود تو مجھے سب سے زیادہ کتاب کا ہی پسند ہے اس

کے بعد پھول پسند ہیں جنون کی حد تک۔

لکھنے بیٹھوں تو سب سے پہلے آپل کا خیال آتا ہے۔ آپل میرے دل کے بہت قریب اس لیے بھی ہے کیونکہ شعور کی مہازل پر قدم رکھتے ہوئے مجھے ہمیشہ اس کا ساتھ میسر رہا۔

آج کل میرے لیے ہر حوالے سے خاص ہے۔
 آخر میں آج کل کی سالگرہ کے موقع پر آج کل مصنفین اور
 قارئین اور پوری ٹیم کو بہت سی مبارکباد کے ساتھ آج کل کی مزید
 ترقی اور کامیابیوں کے لیے بھی دل سے ڈھیر دلدعا ہے!

ہوں اس کی۔ اب اجازت چاہوں گی۔

کوثر ناز..... حیدر آباد

۱: آپ چل کی پسندیدہ مصنفہ نازیہ کنول نازی کے علاوہ کون ہو سکتی ہیں؟ وہ اپنی ہر تحریر کی وجہ سے مجھے پسند ہیں۔

۲: سالگرہ جس آئی سی کی منائی ہوئی کہ مبارکباد کے ساتھ دعا میں بھی وصول کرتی ہوں کیونکہ آپ سوشل میڈیا بھی ہماری زندگیوں میں خاصی اہمیت اختیار کر چکا ہے تو ڈیجیٹل لکھاریوں کے ساتھ بہت سے قارئین اور احباب کی طرف سے بھی پیغامات موصول ہوتے ہیں اور میں اسی میں بہت خوش ہوجاتی ہوں۔

۳: ریحانہ آفتاب ہمیشہ ہی اپنی تحاریر اور اپنے انداز سے مجھے متاثر کرتی ہیں۔ البتہ اختتام جو لکھاری کرتا ہے مجھے وہی مناسب لگتا ہے کیونکہ وہ جو کہاں ہی بننا ہے اس کا اختتام بھی وہی بہتر طور پر لکھ سکتا ہے۔

۴: مخفی میں میں ہمیشہ ہی کتاب اپنا پسند کرتی ہوں اور
ایسی ذخیروں کتابیں میرے پاس موجود بھی ہیں۔

۵: ویسے تو میں ملنے ملائے کی زیادہ شوقین نہیں ہوں لیکن ماں اگر مجھے موقع ملتا تو میں نازیہ کنولی نازیہ کے ساتھ وقت گزارنا چاہوں گی کیونکہ مجھے وہ بہت نچرل لگتی ہیں اور جہاں گزارنا چاہوں گی وہ یقیناً کوئی بہت پرسکون جگہ ہوگی حاصل سندور پر جب کوئی نہ ہو یا پھر انکس نے کر میں اپنے خواہوں کی پرواز پر نقل جاؤں گی۔ جہاں دور دور تک کوئی نہیں ہوتا اور میں ہواسے باتیں کرتی ہوں۔ پانی پر چلتی ہوں (عجیب خواب ضرور ہے لیکن خوب صورت بھی ہے)

بہت اچھی درس گاہ ہے۔ آنچل ماضی، حال اور مستقبل میں بہت رہنما رہا ہے۔

ارم کمال.....فیصل آباد

زندہ رہے نام ہمیشہ تمہارا

اللہ تمہیں سالگرہ کی خوشیاں مبارک کرے۔

میری طرف سے آنچل کے تمام قارئین کو آنچل کی سالگرہ
بہت بہت مبارک ہو۔

ابوں تو نوجھل میں ایک سے بڑھ کر ایک مصنفات کی تحریریں مسکرائی ہیں اور ہر ایک کی تحریر ذہن کی کوئی نہ کوئی گہر کھول دیتی ہے لیکن فاخرہ کی میری پسندیدہ ترین مصنفہ ہیں ان کی تحریریں بہت ہی سادہ سن ہوتی ہیں معاشرے کی عکاسی کرتی ہیں اس لیے میں فاخرہ کو ہی ملکا کہوں گی۔

۱۰۔ شادی سے پہلے میری امی (اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی دے) کو کسی عمر عطا فرمائے (آمین) میری سالگرہ منانی تھیں اور اب بھی، کبھی کبھار اگر امی میرے گھر آتی ہوئی ہوں اور میری سالگرہ قریب ہو تو امی مناتی ہیں، بچے کبھی کبھار دوش کر دیتے ہیں، مہاں صاحب سالگرہ منانے کے قابل نہیں ہیں۔

۳۰: پچھلے سال آٹھ لکھ کی کئی تحریریں دہن پرائسٹ نقوش چھوڑ گئیں۔ ”ذرا مسکرا میرے گشتہ“ میری ہاٹ فوریٹ تحریر رہی اور مجھے اس کے آغاز سے لے کر اختتام تک نے بہت ہی متاثر کیا اور ایسی کوئی تحریر مجھے یاد نہیں آ رہی کہ جس کا اختتام مجھے پسند نہ آ ہو۔

۴: تھوہ پاک خوشی تو بہت ہوتی ہے لیکن تھوہ وہ پسند ہے جو کوئی بے غلوس جذبات کے ساتھ نہ لے پھر وہ کوئی ساجھی تھوہ ہو لیکن اگر مجھے انتخاب کا حق دیا جائے تو مجھے خوشیوں اور کتاب عشق کی حد تک پسند ہے۔

۵: ہائے کیا سوال پوچھا آپ نے اگر مجھے ایک دن کا موقع ملے تو میں صبح کا ٹولی ناشتہ تازہ کرکے ٹولی تازی دوپھر کا زوردار راج کھت عبد اللہ شام کی جانے خمیرا تو تین اور رات کا زور صرف آصف کے ساتھ اہتمام سے مناؤں گی اور وہ جگہ بہت ہی خوب صورت پبلک لائونٹ ہوگا جہاں پھول ہی پھول ہوں گے ہوا میں شکار ہوں گی۔

۶: آچل میری زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے آچل کی کہانیاں صاف ستھر ادب فراہم کرنے میں سرفہرست ہیں۔ آچل میں مستقل سلسلے سب سے منفرد اور شاندار ہیں جس کی

وجہ سے قارئین بھی آپس میں محبتوں کی کڑی میں پروئے ہوئے ہیں زندگی کی جو پریشانیوں اور مسائل آتے ہیں آپ اچل اٹھنا کہ بہترین حل فراہم کرتا ہے آپ اچل کی محبت میرے دل میں دن بدن بڑھ رہی ہے۔

تمہارا ساتھ ہو تو سارے موسم اچھے لگتے ہیں

وگرنہ بے مزا ہیں پھول خوشبو اور برساتیں

تبسم بشیر عروسی..... ٹنگہ

سب سے پہلے تو آپچل کوسالگرہبہت بہت مبارک ہواور یہ عید ترقی کرنے سروسے کے سوالات لاجواب ہیں ہانکل آپچل کے معیار کی طرح توسواچاکہستے لاجواب سوالات کو انکو نہیں کرنا چاہیے

انہی سوال غور کے مشکل میں ڈال دیا ہے آج کل کی ساری رائٹرز ہی بہت بے مثال اور کمال کا کھتی ہیں کسی ایک کا نام لینا نا انصافی ہے جو مجھے پسند نہیں آج کل ایک سلطنت ہے اور ساری ہی رائٹرز اس کی ملکہ ہیں۔

۲: سالگرہ؟ ہاں اپنی نہیں مناتی لیکن آج کل کی ضرورت مناتی ہوگی ہر دفعہ کوشش کی کہ اس کی سالگرہ میں شامل ہو جاؤں لیکن موقع نہیں ملتا لیکن اس دفعہ تو میں زبردستی اعداؤں کی (دیے) ایسا کرنے کی ضرورت تو نہیں لیکن (خیر) سالگرہ کبھی مناتی ہوں اور کبھی نہیں بھی مجھے یہ موقع کچھ خاص نہیں ملتا ہے۔

۳۰: عجیب بات ہے جس تحریر نے بے حد متاثر کیا اس کا اختتام پسند نہیں آیا تحریر بھی ”عہد وفا“ (رافضی ملک) واہ بہت خوبصورت اس میں ہر وزن کی دفا ہے مثال بھی سیدھا دل پہ نقش ہوگئی شاید ہی یہ تحریر بھی بھول پاؤں گی اور رافضی ملک آپ دوبارہ ضرور آئیں بس اس تحریر میں دعا کو اس کی دفا کا صلہ تو ملنا چاہیے تھا اس کی موت پر..... اچھا نہیں لگا دلی چاہا سیدی چا کر حسان کا گلد ہا دونوں (خبر میں کیا محفل میں اس غارت کی باتیں کر کے بیٹھ گئی یہاں ہو کو آپ مجھے محفل سے نکال دیں)

ہے؟ سب سے پہلے تو میں ریحانہ آفتاب جی کے ساتھ گزارنا چاہوں گی کیونکہ وہ اور ان کی تحریریں سیدہ حلال میں اترتی ہیں اور کہیں تو جہاں ان کی مرضی ہو بندہ تو سر کے بل آئے گا اور نازیہ کنول نازیہ فاطمہ رضوی اور راشدہ رفعت آپ جی میں ان کی تحریروں سے متاثر ہوں۔ بے مثال لکھتی ہیں ویسے رخِ سخن میں ریحانہ جی کو جلدی جگدگیں پلٹیں۔

۶: آپ مجھے بہت عزیز ہے اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوتی ہے اس کی تحریریں بہت آسان لفظوں میں ہر بات سمجھا دیتی ہیں اور بہت پر اثر تحریریں ہوتی ہیں کہ بندہ خود بخود اس پہ عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے آن کل کی بڑی لائف کی وجہ سے جو مائیں اپنی بیٹیوں کو ساج کی بارکیوں کا نہیں سمجھ سکتی ہیں یہ کام بھی آپ کل بخوبی کرتا ہے اس کے تمام سلسلے لاجواب ہیں بس قارئین ڈرا دھیان رکھا کریں کہ اعلیٰ معیار کی چیزوں کا انتخاب کریں خاص کر ”سلسلہ دوست کا پیغام“ میں بے وجہ اور فضول کے پیغام کی بجائے کوئی مہر اور مفید پیغام دیا کریں جس سے تمام پڑھنے والوں کو کوئی اچھی بات سیکھنے کو ملے۔

بختاور..... لیلیہ شریف

۱: بہت سی ہیں لیکن آپ نے صرف آپ کل ڈائجسٹ کی کئی ہے تو ان میں افرادِ صغیر احمد اور میر اشرف طور ہیں۔
۲: نہیں میں نہیں مناتی لیکن ایک دفعہ کچھ اسٹوڈنٹس نے وٹن کی جی اے بھی بھی کوئیکز یا فرینڈز وٹن کر دیتی ہیں لیکن مناتی بھی نہیں۔

۳: یہ تو بڑا مشکل سوال ہے اب اتنا عرصہ گزر گیا بھول گیا سب کچھ متاثر تو خیر اتنا کسی نے نہیں کیا لیکن چراغِ خانہ اور ڈراما سکر امیر کے گشہ کے اختتام کا انتظار ہم سب نے ضرور کیا اختتام جیسا بھی تھا ان کا ہم نے تو بس شکر کیا کہ ختم ہوئیں۔
۴: تجھ کوئی بھی خود بخوبی تو ہوتی ہی ہے لیکن مجھے کتاب اگر کوئی دے تو بہت خوشی محسوس ہوتی ہے۔

۵: اگر آپ کل کی مصنفہ کے علاوہ کہیں تو عمرہ احمد کے ساتھ اور ہر اس جگہ جہاں کا ذکر ان کی کہانیوں میں ہوتا ہے اور خاص طور پر اس مسجد میں جہاں کا ذکر انہوں نے جنت کے پتے ناول میں کیا تھا اور ترکی کی مسجد میں بھی۔

۶: آپ کل کے لیے اور کیا لکھوں یا یہ کافی نہیں کہ ہم ہر ملوک 22 تاریخ کاشت سے انتظار کرتے ہیں اللہ ہماری تمام

مصنفین کو طویل حیات دے آمین

نورالحثال شہزادی..... کوئٹیاں قصور

۱: نازیہ کنول نازیہ کو ملکہ ادب کہوں گی ان کے الفاظ آج بھی میرے سچے نقش ہیں۔

۲: نہیں کبھی نہیں مناتی لیکن بھولی سالگرہ پر بہت اچھا ناکا میری خطائی نے ایک منگولیا تھا۔

۳: جینا مغرب مرنا مشرق نے متاثر کیا اختتام سب کا ہی اچھا ہوتا ہے۔

۴: کتابیں میرا اوزھنا چھوٹا ہیں کتاب نہایت پسند ہے دل چاہتا ہے کوئی دوسری کتابیں گفت میں دے جائے۔

۵: نازیہ کنول نازیہ کے ساتھ۔

۶: آپ کل تو آپ کل ہے چاہے وہ علم و ادب کا استعارہ آپ کل ہو یا پھر سر پر اوڑھے جانے والا آپ کل ہو آپ کل کے لیے اپنے جذبات لکھنا ایسے ہیں جیسے کوزے میں دریا بند کرنے کے مترادف۔ آپ کل کو چاہے سر کے آپ کل کو سر پر رکھنے کی بے انتہا خواہش تھیں کہ آپ کل کو کفن کے طور پر استعمال نہ کیا جائے آپ کل تو بے انتہا خواہش ہے اور ملکہ تاج کے ساتھ جتنی ہے اس طرح آپ کل ڈائجسٹ جتنا چاہتی ادبی اصلاحی کہانیوں کے ساتھ۔

سیدہ صبا..... میلسی

۱: مجھے آپ کل ڈائجسٹ کی بہت سی مصنفین پسند ہیں نازیہ کنول میر اشرف طوڑا افراسیور نے لکھنے والوں میں صبا

ایشل بہت اچھا لکھتی ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا کہ ملکہ ادب کون ہونا چاہیے بہت مشکل ہے۔ پھر بھی مجھے ملکہ ادب کے لحاظ سے نازیہ کنول نازیہ بہت اچھی لگتی ہیں انہیں میں ملکہ ادب کہوں گی۔ بے شک ان کا ناول طویل ہو گیا ہے مگر ابھی تک

ہماری دلچسپی قائم رکھے ہوئے ہے۔

۲: نہیں جی ہم اپنی سالگرہ یا نکل نہیں مناتے ہماری فیملی میں اس چیز کو چھاپا نہیں سمجھا جاتا ہاں البتہ بھانجے بھانجیوں وغیرہ کی مناسبت ہیں۔

۳: پچھلے سال سب سے زیادہ مجھے فریدہ فریدہ کے رنگ حنا کی بات نہ چھوڑنے نے بہت متاثر کیا ایک عورت ہو کر اتنا حوصلہ اور اپنے شوہر سے اتنی محبت دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔

کس طرح تنہا ایک بچے کے ساتھ اموز نے معاشرے کے تلخ حالات کا سامنا کیا میں تو سب سے پہلے تحریر کا اختتام ہی پڑھتی ہوں کیونکہ میرے خیال میں آغاز جیسا مرضی ہو

اختتام اچھا ہونا چاہیے خوشگوار اور سبق آموز اور آجکل کی کوئی تحریر ایسی نہیں جس کا اختتام اچھا نہ ہو ہاں بعض اوقات دکھ ضرور ہوتا ہے۔

۴: ویسے تو حقے تحائف کا اتنا زیادہ دینا دلانا نہیں ہے پھر بھی جنھوں میں اچھا لباس اور اچھی اسلامی کتاب یا اچھا ناول لینا پسند ہے۔

۵: اگر مجھے آجکل میں ایک دن کسی مصنفہ کے ساتھ گزرنے کا موقع ملے تو میں نازیہ کنول نازیہ جی کے ساتھ گزارنا چاہوں گی۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کیسے بچوں کے ساتھ ہرماہ اپنے ناول کی قسط لکھتی ہیں شادی شدہ ہوتے ہوئے بچوں اور گھر کی مصروفیات کے ساتھ لکھنے کے لیے وقت کا نفاذ بہت مشکل ہے۔

۶: آجکل کے لیے بس اتنا کہوں گی کہ یہ بہت بھرپور تقریبی ڈائجسٹ ہے اور اس کی ہر تحریر عی بے حد سبق آموز اور دلچسپی لیے ہوتی ہے ہاں بعض اوقات تحریریں دیکھی بھی ہوتی ہیں جنھیں پڑھ کر بے تحاشا روٹا آتا ہے اور دل دگمی ہو جاتا ہے بہر حال یہ ایک اچھا ڈائجسٹ ہے سلسلہ وار ناولز کا تو ہر ماہ بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔

اب جاہزت دیجئے اللہ حافظ!

ماہیہ کنول ماہی..... گوجر انولہ

۱: آجکل ڈائجسٹ میں میری پسندیدہ کافی رائٹرز ہیں مثلاً نزہت جبین فیاض، سمیرا شریف، فاضل گل ہیں ملکہ لوب کا ایوارڈ امہ ربیع کے نام۔

۲: کبھی ریکل نہیں مٹائی لائف میں دو بار مٹائی ایک شادی سے پہلے ایک بعد میں۔

۳: جس تحریر نے متاثر کیا وہ ہے ذرا اسکا میرے گوشہ اور جس کا اینڈ پینٹ نہیں آیا وہ چراغ خانہ۔

۴: تجھ ہر قسم کا اچھا لگتا ہے پر کوئی میرے فورٹ کلر کا ڈریس گفت کرے تو اچھا لگتا ہے۔

۵: آئی امہ ربیع کے ساتھ تسمیر کی دلیلیں ہیں۔

۶: دھڑکنوں کو مئی راستہ دوائے آجکل

آپ تو سانس بدل پہ بغض کیے بیٹھے ہیں

عائشہ پروین..... کراچی

انہوں تو ملکہ لوب ہر رائٹر پر چٹا ہے لیکن پسندیدہ مصنفہ کی بات آئی ہے تو وہ صائر قریشی (آئی) ہیں قدرتی طور پر آجکل

کے علاوہ ان سے مراد ل کار شمیم بھی ہے۔
۲: میری سالگرہ اکثر اسی منائی میں تو دل کی دلدلی میں ان کے احساسات رقم ہونے لگتے ہیں اور اس روز کے شفاف آئینے پر اپنا عکس دکھائی یادوں کے منظر جب بھی عیاں ہوتے ہیں تو ایک نازیدہ خوشی ہوتی ہے جس کے پیرہن پر محبت اپنے نصیحتات دکھائی سے ڈر کر پند پر کرنی راتی ہے اب امید ہے اگلی بار شوہر صاحب مٹائیں گے (ہلہ)

۳: جیسی اس سلسلے میں تو ٹھیک سے کچھ نہیں کہہ سکتی کہانی جتنی ہی مثبت اور ترقی کردادوں کے بہترین جوڑ توڑ سے ہے لیکن چراغ خانہ کے اینڈ پینٹ توڑی چراغ پا ہو گئی۔

۴: پہلے تجھ میری نظر میں بہترین تجھ کتاب ہے کیونکہ کتابوں میں میری جان بستی ہے بلکہ یوں کہہ لیں مطالعہ میری روح کی غذا ہے۔

۵: اف..... اف کیا پوچھ لیا آپ نے کوئی ایک مصنفہ نہیں ایک نہیں مجھے ساری آجکل رائٹرز سے ملتا ہے ان کی بکس لیتی ہیں ان کے ناولز چلنے ہیں ان کا سامرا ذخیرہ کتب اپنی یادداشت کے نہیں خانوں میں محفوظ کرنا ہے اور بعد میں کے پی سی ہوگی میں کافی کے ساتھ ان سے ذخیرہ ساری باتیں کرنی ہیں اور..... اور جی مت پوچھیں گی۔

۶: جاہزت ہو خوشی ہو! اور آؤ تیرے لفظوں میں ٹھیک ہوئی ایک شام تیری سالگرہ ہو.....!

میرے پیارے دوست آجکل! آکاش سے بلند خوشبو سے مٹھ کر گلیں سے نازک پھولوں سے حسین و شکفتہ چھتا سے بڑھ کر روشن یہ روشنی یہ چائیں یہ وفا میں یہ دعائیں مساتیر سے سنگ ہیں اپنی دعاؤں کے سارے مولیٰ تمہاری نذر کرنی ہوں ہمیشہ یونہی دھنک دنگ کھیرتا رہے آمین

(جاری ہے)

(الحمد لله مسلسل اشاعت کہ چالیس سال مکمل)



آج وہ زوہیر شاہ کے ہمر لگتی۔ زوہیر شاہ اس کا نہیں تھا۔ اسے یہ سب پسند نہیں تھا لیکن سکندر ریاض کو اذیت پہنچانے کے لیے اکثر وہ اس طرح کی حرکتیں کرتی تھی۔ سکندر کی توجہ آج کل اس کی طرف کچھ کم تھی وہ کسی نئے پراجیکٹ پر کام کر رہا تھا فلم کا کام اسی فیصد مکمل ہو چکا تھا اس لیے بھی مطمئن تھا ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ اب اس نے کہاں جانا ہے کوئی ٹھکانہ تو تھا نہیں اس لیے ٹھوڑی سی ڈھیل بھی بکھار دے خود فرماہم کرو یا کرتا تھا۔ زوہیر کم از کم اس سے دس نہیں تو آٹھ سال تو لڑا چھوٹا تھا۔ وہ اکتیس بیس کی ہونے والی تھی لیکن اس نے خود کو تائین ٹین رکھا تھا کہ کسی صورت بچیس سے اوپر کی نہیں لگتی تھی اس کا گلیمر اس کی سب سے بڑی خوبی تھی اور اس پر مستر داس کی ادائیں۔

وہ آج بھی ٹاپ کلاس ماڈل اور سب سے زیادہ محاذیہ لینے والی اداکارہ تھی سکندر ریاض اب بھی اس کے ساتھ تھا لیکن اب وہ اپنی مرضی کرتی تھی۔ وہ چھوڑنا چاہتی تو چھوڑ سکتی تھی اسے لیکن اس نے جو سزا خود کو سنائی تھی اس کا نام سکندر ریاض تھا۔ اتنے سالوں میں جہاں اس نے خود سے سمجھوتا کیا تھا وہیں اس نے سکندر سے بھی سمجھوتا کر لیا تھا لیکن اس کی تنہائی بہت اذیت ناک ہو گئی تھی اور اس کے لیے اس نے سہارے ڈھونڈنے شروع کر دیے تھے۔ اب وہ ہر روز ایک نئے لڑکے کے ساتھ دیکھی جانے لگی تھی اس کے لیے عزت نہ کیونکہ سب کچھ بے معنی ہو گیا تھا۔

”تو۔۔۔ تم شادی کرو گے مجھ سے؟“ اس نے گرم کافی کے گگ کے کنارے پر اپنی شہادت کی انگلی گھمائی۔ زوہیر شاہ نے اس تلی کو دیکھا پھر اپنی شاندار مسکراہٹ کو چہرے پر سجایا۔ اس کا اسٹائل تھا جب وہ جواب دینا نہیں چاہتا تھا تو صرف مسکراتا تھا۔ ام جیبہ نے سوال دہرایا۔

”سرکار حکم کریں۔۔۔۔۔ اب کہ اس کی نظریں پٹی تھیں۔ قدرے توقف کیا۔

”اصل میں ام میں آل ریڈی میرڈ ہوں۔“ اس نے کہا۔ وہ چپ رہی۔

”شاید آپ کو شک لگا۔“ اس نے بغور سہ دیکھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ کہتے رہو۔“ وہ ہنسی۔ ”بلکے آگے کی میں کہتی ہوں تمہاری بیوی تمہیں پسند تو بہت تھی لیکن اب اس میں وہ چارم نہیں رہا گھر اور بچوں میں الجھ کر وہ عجیب موٹی اور بھدی سی ہو گئی ہے خود پر دھیان نہیں دیتی تمہارا خیال تو رکھتی ہے لیکن خود کو کیسر بھلا دیا ہے اس نے۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ ایک بات تو بتاؤ مرد عورت کو چھوڑنے اس سے نجات حاصل کرنے کے ہمیشہ یہاں کیوں ڈھونڈتا ہے۔ اسے وہ عورت تمہارے ہی گھر کا کام کرتی ہے۔ تمہارے ہی بچوں کو سنبھالتی ہے تمہارے لیے ہی تو کھانا پکاتی ہے پھر اگر اسے اپنے لیے ٹائم نہیں ملتا تو تم اسے چھوڑنے پر تل جاتے ہو یہ بھی اچھی بات ہے۔“ اس نے مگ اٹھا کر کیوں سے لگایا سب لیا پھر گہری نظروں سے زوہیر شاہ کو دیکھا۔ وہ نظریں چار رہا تھا ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوٹی۔

”اصل میں۔۔۔۔۔ میں بھی میرڈ ہوں۔“ زوہیر شاہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔

”وہ سکندر ریاض۔۔۔۔۔ لیکن سنا ہے کہ وہ سب جھوٹ ہے۔“

”جھوٹی دنیا میں کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ کون جانتا ہے لیکن۔۔۔۔۔ میں خود کسی سے مستقل تعلق نہیں رکھتی۔۔۔۔۔ اب جانی ہوں مجھے بوریٹ ٹیل ہونے لگتی ہے تمہارے ساتھ کتنے دن چلوں گی کچھ کہ نہیں سکتی لیکن جب تک چلوں گی ایمان داری کے ساتھ۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔“

”ہیلو۔۔۔۔۔ زوہیر۔“ اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کوئی ایک دم سنان کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔



”لوکی تو بہت اچھی لگی امی مجھے۔۔۔۔۔ بہت سادہ سی ہے۔۔۔۔۔ آج کل کے دور میں اتنی سادہ لوکی کہاں ملتی ہے بانی گھر والے بھی کچھ زیادہ چالاک نہیں ہیں۔ میرے خیال سے بھائی خوش رہیں گے اس کے ساتھ۔“ ندا تو ہاتھیل کر بہت ہی خوش ہو رہی تھی اسے پسند بھی بہت آتی تھی۔ سکندر لوکی پسند کیسے نہ آتی؟ ملیجہ اس کی باتوں کے جواب

”میں میرب سے ہی تو ملنے آئی ہوں۔“ اس کا جواب
عجیبہ کی تحریر۔

”میرب..... تم نہیں جانتیں..... میرب یہاں
نہیں رہتی.....“

”تو تمہیں کچھ نہیں پتہ..... مطلب..... ٹی وی فلم
کچھ نہیں دیکھیں تم؟ یعنی میرب کے مرجانے کی خبر تم نے
نہیں سنی۔“

”بہت بری موت تھی اس کی پرچھے اڑ گئے تھے“ کچھ
بھی نہیں بچا۔“ عجیبہ کی باتوں کی بازگشت اسے اب بھی
سنائی دے رہی تھی۔ لیکن ابھی بھی اسے ان سب باتوں کا
آپس میں کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا تھا۔

اور وہ نہیں جان پاتی تھی کہ اسے اب کتنے سالوں بعد یہ
سب کیوں یاد آ رہا تھا اور اسے کمرشلز میں آنے والی لڑکی
یہ ایک میرب سے مشابہہ کیوں لگنے لگی تھی۔ اس نے
سوچوں پر قابو پایا۔ اس کا وہم بھی ہو سکتا ہے عجیبہ بھلا
میرب کے بارے میں ایسا کیوں کہے گی؟ وہ دونوں تو ایک
دوسرے پر جان چڑھتی تھیں اور میرب بھی کب لپٹی تھی؟
اسے کب شہر میں آنے کا شوق تھا وہ تو ٹی وی بھی کبھی بکھار
ہی دیکھتی تھی..... نہیں کوئی اور ہوگی تھوڑی بہت مشابہت تو
ہوئی جانی ہے کسی ناکسی سے اس نے خود کو تاملین دیویر لیکن
وہ اس سوچ کو پوری طرح ذہن سے نکال نہیں پاتی تھی۔

اگلی شام وہ ییشال کے ساتھ یونیویسٹی باہر گھومنے آ گئی
یشال بچوں کو اس کریم کھلانے لے جا رہا تھا وہ بھی ہمراہ
آ گئی۔ ان چودہ سالوں میں سب کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ سفید
پوشی کے عہد کی جگہ براعز ز نے لے لی تھی۔ لوہی لوہی
دکانیں شاہنگ ماڈرن شہر بہت ترقی کر گیا تھا۔

”عبدالرافع نے تو مجھے اسی پرانی دنیا میں ہی قید کر کے
رکھ دیا۔“ وہ ہنسی پر لہجہ میں ہلکا سا ملال تھا۔

”کیوں..... پابندی لگا تا ہے؟ مولوی تو ہے میں جانتا
ہوں۔“ اس نے ذرا سا سر مڑ کر بہن کو دیکھا جس نے بھی
اپنی شادی شدہ زندگی کے بارے میں اس کو کچھ نہیں بتایا تھا
لیکن بہر حال وہ حالات کو سمجھتے تھے۔

”پابندی لگانے کے لیے مولوی ہونا ضروری نہیں.....“
ردائے اس کے کہے کو جھٹلایا۔

”بھئی بھئی ہی لگتا ہے مجھے ایسے ہی ورنہ تو میں اپنی
زندگی سے بڑی مطمئن ہوں۔“ اس نے فوراً عبدالرافع کی
وفا شعار یہودی ہونے کا فرض بھجایا۔

”تم جنتی ہو۔“ ییشال نے گاڑی آس کریم پارک کے
سامنے روکتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی۔ اب وہ پیچھے مڑ کر
بچوں سے ان کے پسندیدہ فلپور پوچھ رہا تھا۔ یہاں کی اس
کریم بہت مشہور تھی اور ہر وقت رش رہتا تھا۔ وہ یونیویسٹی باہر
دیکھنے لگی۔ اور تھی اس کی نظر سامنے لگے بہت بڑے سائن
بورڈ پر لگی وہی کمرشل تھا جاندار مسکراہٹ کے ساتھ.....

تو تھ پیسٹ خریدنے پر مجبور کرتی وہ ماڈل۔

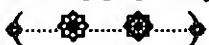
”یشال بھائی.....“ وہ بلا اختیار ہی پکار پڑی۔

”وہ سامنے والی ماڈل.....“ وہ کہتے ہوئے رکی۔

”ہاں..... مجھے پتہ ہے۔“ وہ بولا تو ردائے اسے تعجب
ہو گئی۔ لڑکا اسکریم لے آیا تھا ییشال بچوں کو سر دے کر لگا۔

”بڑی خوبصورت ہے۔“ ردائے کا کپ اسے تھماتے
ہوئے بات ممل کی۔ ”میں تو آتے جاتے اسے دیکھ کر خوش
ہوتا ہوں۔“ وہ فل شراٹ کے موڈ میں تھا۔ ردائے گھبرا تو
اس نے کندھا چا کادیا۔

”بھائی..... میں تجھ اور کہہ رہی تھی..... چلیں
چھوڑیں۔ آپ بتائیں، چھٹی کب بل رہی ہے پھر ان کو بتانا
بھی تو ہے۔“ اس نے خود ہی بات کا رخ بدل دیا ایک وہم کو
حقیقت سمجھنا یقیناً ناشدنی نہیں تھی۔



”اے تم.....“ ”زودیر ایک دم کھڑا ہوا اور کھڑی تو ام
جیبہ بھی ہو گئی تھی ایک دم حیران پریشان..... زودیر ادا نے
والی شخصیت بڑی گرم جوشی سے لے رہے تھے اس شخصیت
نے ایک نگاہ غلط بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔ زودیر اس کا ہاتھ
پکڑے اس سے ذرا فاصلے پر چلا گیا تھا۔ وہ دونوں یوں
بات کر رہے تھے جیسے برسوں کے شناسا ہوں۔

اور ام جیبہ کا دل گویا آنکھوں میں تھا۔ کتنے سالوں بعد

”کہاں.....؟“ زوہیر بھونپکا رہ گیا۔ اتنا کھانا منگوا کر اب خالی پیٹ اٹھ رہی تھی۔ صبح سنا تھا اس کی خرابی کے متعلق۔

”میرا سوڈل گیا ہائے۔“ وہ ہاتھ ہلاتی ہال سے باہر نکل گئی اور زوہیر دیکھتا رہ گیا..... جیسی اس کی نظر ریٹائرمنٹ کے باہر لگے مھلوں پر پڑی جہاں دو تین بچے کھیل رہے تھے اور انہی میں ایک وہ بھی تھی زبان کی بجٹی..... ڈیٹان دہلی نہیں تھا وہ کچھ سوچ کر اٹھ اٹھی..... وہ بچی سلائیڈ لے رہی تھی۔ ”ہیلو بیٹا“ جیسے ہی وہ نیچے آئی اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ وہ کھڑی ہو کر کپڑے جھانسنے لگی اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

”نہر گڈنم بیٹا؟“ اس نے مسکراتے ہوئے دوبارہ کوشش کی۔ بچی نے ایک ٹکڑا غلط اس پر ڈالی اور کھائی سے بولی۔ ”سوری..... میں آپ کو نہیں جانتی نام کیوں بتاؤں؟“ اس نے اپنی نیلی آنکھیں گھمائیں، امجد کو لگا جیسے یہ آنکھیں اس نے دیکھ رکھی ہیں زبان کے جیسی نہیں تھیں اس کے جیسی ہونٹیں کتنی تھیں بچی کا کافی شراب لگی تھی اسے جواب دے کر وہ دوبارہ سلائیڈ کے دوسری طرف چلی گئی۔ وہ اسے پھر سے بلانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی پیچھے سے ڈیٹان نے آواز دے ڈالی۔

”چلو فرہ..... آ جاؤ گھر چلیں۔“ اس نے مڑ کر دیکھا وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا لیکن اس کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں تھا۔

”بس چاچا ایک اور۔“ وہ واپس چلی گئی وہ اس سے اتنی دور نہیں تھی کہ وہ اسے دیکھ نہ پاتا ہاں پہچاننے میں شاید وقت ہوئی ہو۔ لیکن جس طرح وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا وہ جان گئی تھی کہ اسے پہچان چکا ہے۔ وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی ڈیٹان نے اب بھی اس پر نظر نہیں ڈالی اور ذرا تیزی سے نمرہ کا وائرس دینے لگا۔

”نمرہ بیٹا جلدی چلو..... دیر ہو رہی ہے۔“ اب کہ وہ بھاگتی ہوئی آئی تھی ڈیٹان نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ وہ اس کے سامنے آ گئی۔

”برسوں پہلے اگر کسی نے مجھے بھی آواز دی ہوتی تو میں بھی گھر واپس آ جاتی۔“ سر دلچے میں اتنا دکھ تھا کہ ڈیٹان اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اسے تب ہی پہچان گیا تھا جب وہ زوہیر کے ساتھ بیٹھی تھی لیکن اس نے تب بھی اسے نظر انداز کر دیا تھا اتنے سالوں بعد اسے وہ بروکچہ کچھ کر ڈیٹان کے دل میں کچھ اچھے خیالات و احساسات نے جنم نہیں لیا تھا۔ وہ بھی باقی سب کی طرح اسے اپنے بھائی کا قاتل مانتا تھا۔ اس عورت نے کی بھی تو بہت بری تھی ان کے ساتھ۔

”چلیں چاچو.....“ نمرہ نے ہاتھ کھینچا اس نے ایک نظر نمرہ پر ڈالی دوسری اپنے سامنے کھڑی اس سلیمہ بیٹی پر..... جمائنی لگا ہوں میں شکایتوں کا جہاں سینے کھڑی تھی۔

”برسوں پہلی اگر کسی نے قدم اٹھانے سے پہلے ایک بار اپنے گھر کے بارے میں سوچا ہوتا تو آج وہ گھر کی چار دیواری میں محفوظ ہوتا یوں چڑا ہوں کی زینت نہ بننا ہوتا۔“ لفظوں کے تیر چلاتا وہ سلائیڈ سے ہو کر نکل گیا۔

وہ وہیں کھڑی رہی آتے جاتے لوگ اسے دیکھتے رہے شاید کہتے رہے اور وہ اپنی کم مائیگی کی چادر اوڑھے گاڑی میں آ بیٹھی بلّا مقصد سڑکوں پر رات گئے تک گاڑی لے کر پھر رہی رہی لیکن بے چین دل میں ڈیٹان کی بات اپنی کی طرح کڑی تھی۔

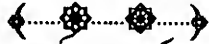
کچھ سچ، ہم سنتا نہیں چاہتے..... کیونکہ وہ ہمیں برداشت نہیں ہوتے ہم ہر ممکن ان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتنے سالوں بعد اس نے کسی اپنے کی شکل دیکھی تھی دور اس دن دنیا کے قصع بھرے ماحول کے دوہرے چہرے دیکھ دیکھ کر اس نے اپنی زندگی تباہی کے دہانے پر لا کھڑی کی تھی وہ ترس گئی تھی کسی اپنے کو دیکھنے کو کسی بناوٹ قصع سے پاک چہرہ دیکھنے کو اور آج ایک اپنا نظر آیا بھی تو نفرتوں سے کندھا۔

”نول دے جی کا پگل عورت ہوتی۔“ زوہیر فون پر اسے سن رہا تھا۔ ”اتنا کھانا آرڈر کر کے تم چلی گئیں کیا کرنا تھا میں نے اس کا؟“ اسے اس کھانے سے زیادہ شاید اس بات کا

دکھ تھا کہ اس کی سوچ پوری نہیں ہو سکی تھی۔

”گھر لے جاتے ہیوں کے لیے۔“ وہ چبا چبا کر بولی۔ اس وقت اسے بھر سے سب کچھ بے حد برا لگ رہا تھا اور وہ شدت سے مرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا اور پر سے ان گدھوں کے نخرے۔

اس نے فون کو پاؤں آف کر دیا، اگلے دن اب سکندر ریاض کا متوقع تھا اور وہ مزید اپ سیٹ نہیں ہونا چاہتی تھی اور اس رات خواب میں جو تھا اسے چھو رہے تھے ان کا چہرہ بن گیا تھا اور وہ چہرہ مرنے کا تھا وہ چونک کر زری طرح ڈر کر جاگ اٹھی۔



کمرے میں زرتار کپڑوں کا ڈھیر بکھیرا ہوا تھا۔ جوتے پرس، جیلری، بیگز لگتا تھا پورا مال اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ وہ ایک ایک کپڑا اکھول کر لیٹ کر دیکھتی پھر تہہ لگا کر رکھ دیتی یہ وہ تمام کپڑے تھے جو لیجے نے وقفہ وقفہ خریدے تھے اور اب ان میں سے انتخاب کرنا تھا سب اچھے کپڑے تھے، کلوٹے بیٹے کی شادی پر وہ کوئی کسٹم نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔

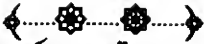
”نکاح کا جوڑا ویسے کا اور چار یا چھ کام والے کپڑے مطلب ہوں کام والے تو لینے ہی پڑیں گے زیور کا آپ دیکھ لیں۔ ایک سیٹ میری طرف سے کر لیں..... باقی بڑا سیٹ چوڑیاں یا کڑے یہ تو لازمی ہو کم از کم۔“ روانے کہا تو لیجے نے اثبات سر ہلایا۔

”ہاں میں نے میٹھی ڈھل رکھی ہے اسی نیت سے اور کچھ بیشال نے بھی جمع کر رکھا ہے ہو جائے گا۔ چند لوگ ہمارے چند ان کے..... ویسے کا کھانا ہی ہوگا تم ٹینشن مت لو ہو جائے گا سب۔“ لیجے نے اسے تسلی دی۔

”ویسے شکر ہے اتنی جلدی نکاح کرنے پر مان گئے وہ لوگ۔“ لیجے تو ذرا ہی تھا۔ ردا ساتھ ہی کپڑے سچائی میں رکھتی جا رہی تھی۔

”ہاں شکر ہوا ورنہ پتہ نہیں اب کی بار عبدالملک جنہیں کب نے دیتا؟“

”شاید اب تو عبدالواسع (بیٹا) کی شادی پڑا نا ہو۔“ ردا ہنس دی۔ لیجے بھی مسکرائیں۔



غصہ میز پر ڈھیر ساری تصویریں رکھے بیٹھا تھا۔ ایک سے ایک قاتل لدا والی گھائل کر دینے والی بیشال فون پر مصروف تھا۔

”تم دیکھ کیوں نہیں رہے؟“ وہ کوئی رسپانس نہ پا کر جھنجھلایا۔

”کیا کوئی قاتل کر دیا اس نے؟“ اس نے ہنستے ہوئے ریسپونڈ کر رکھا۔

”ہاں ناں ہو گیا قاتل تیرا یہ دوست۔“ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

”یاد تو کری کے وقت عشق لے کر حاضر ہوا جاتا ہے۔“ اس نے جیتے کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے کہا تو غصہ میز پر آف ہو گیا۔

”تویوں کہتا تیرے لیے میرے روز میری تڑپ کی کوئی اہمیت نہیں جو کرنا ہے میں خود ہی کر لوں۔“ وہ تصویریں اکٹھی کرنے لگا۔

”پاگل ہے تو تو یہاں تھا نے میں یہ تصویریں لانے کی کیا تک ہے؟“ اس نے دیکھا سات آٹھ تصویریں تھیں لیکن سب کے سب اخباروں، رسالوں کے تراشے مشہور زمانہ ڈائل ام جیب کے پوسٹر۔

”یہ تم کس قسم کے عشق میں مبتلا ہو گئے ہو؟“ اب کہ بیشال فکر مند ہوا۔ غصہ میز پر ساری تصاویر اپنے بیک میں رکھ چکا تھا۔ تنک کر بولا۔

”بس بس..... اب تم مجھے لیکچر نہ دینے لگ جانا میں اکیلا ہوں اس دنیا میں مجھے کسی نے نہیں پوچھنا کہ ایک فلم ایک ٹریس سے عشق کیوں کر ہا ہوں۔“

”غصہ کھا رہے ہو؟“ چماچ میں شام کھا رہا تھا تو ہمارے فلیٹ پر پھر بات کرتے ہیں۔ بیشال نے نرمی سے کہا تو وہ اسے کھوتا ہوا نظر لگ گیا۔ اسے حقیقت میں فکر ہو رہی تھی اس قماش کی عورتیں کب کسی کے ساتھ سیر لیس ہوتی ہیں اور پھر اس کی ریوینشن تو زبان زد عام تھی۔ تھوڑی دیر بعد ردا کا فون آ گیا مبارک باد دینے لگی اگلے جمعہ کی تاریخ قاتل ہو گئی

منغیر ہوتا رہا تھا۔ انٹرویو چھ سات سال پرانا تھا۔

اور ام حبیبہ نے سب کچھ سچ کچھ الاٹھا ایسا سچ.....
یشال کا نپ اٹھا تھا کوئی اس طرح بھی اپنے عیب بتاتا
ہے؟ اس طرح بھی سب کے سامنے عیاں ہوتا ہے؟

”یہ انٹرویو میں نے ہی کیا تھا۔ اور پتہ ہے یہ
لڑکی..... تصویروں میں کچھ نہیں لیکن ریورڈ کھو تو ایمان
لے اڑے اور میں بھی اسی دن سے اس کا اسیر ہو گیا تھا۔“
منغیر بڑے جوش سے بولا۔ ”اس کا کہا بہت کچھ میں نے
خود ہی حذف کر دیا۔ نتائج کوئی برداشت نہیں کرتا..... لیکن
یار اس کی کہانی سن کر میں بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ اس شخص کو
بار بار گالیاں دیتی تھی جو اسے یہاں لے کر آیا تھا وہ ایک
شریف گھر کی لڑکی ہے اگر میں اسے اس دلدل سے نکال
لوں تو کیا برائی ہے؟“

”ہاں.....“ یشال نے تھوک نکلا۔ ”تو ام حبیبہ.....
میرب شاہ بھی وہ میرب جو اس کے آگے ہاتھ جوڑے محبت
کی بھیک مانگ رہی تھی۔“ اس نے اس انٹرویو میں کچھ بھی
نہیں چھپایا تھا۔ ہر راز سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ وہ کیسے کیسے
بلیک میل ہوتی کہاں کہاں کھلو بائی سب کچھ اس نے بتا دیا
تھا اور اپنی پہلی محبت بھی۔

”اور پتہ ہے مسٹر یشال اس میگزین کی ڈیویروں کا پناں
فروخت ہوتی تھیں۔ صرف اس سچ کی وجہ سے تو کچھ کو
بھی مسئلہ خبر بنالیتے ہیں ہاتھوں ہاتھ رکا تھا ایک اکیس
پانیس سالہ لڑکی جو قیم ہو وہ یوں سچ بولے لوگ برداشت
نہیں کرتے لیکن جسکے ضرور بنالیتے ہیں بہت دن زبان
زودعام رہا تھا یہ انٹرویو..... لیکن ان سب باتوں سے قطع
نظر..... مجھے اس سے محبت ہے میں نے آج تک اس لیے
چھپایا کہ تم اچھا نہیں سمجھو گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ محبت
میرے اختیار سے باہر ہوتی جاری ہے میں چاہتا ہوں تم
میری مدد کرو۔ اس سے ملو..... اسے مجھ سے شادی کے
لیے مٹاؤ۔“

”دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟“ یشال نے اس کی بات
کاٹی۔ ”یہ تم سے شادی کرے گی بھلا؟“ اس نے دل کو

بمشکل قابو کیا آنکھیں دھواں ہو رہی تھیں۔ ایک لڑکی اس
کے لیے اس کی محبت میں تباہ ہو گئی تھی اور اس نے چپ
چاپ اس کا تماشا دیکھا تھا۔

”کیوں نہیں کرے گی؟“ منغیر کو اس کی بات بری لگی تو
تڑپ کر بولا۔

”یہ جو.....“ اس نے حلق میں پھنس جانے والا
آنسوؤں کا گولہ نیچے اتارا۔ ”یہ جو لڑکیاں ہوتی ہیں ناں اس
ٹائپ کی یہ صرف اور صرف پیسے اور شہرت سے محبت کرتی
ہیں محبت ان کا مسئلہ نہیں ہوتی۔ خود ہی دیکھ لؤ اگر اسے اس
زندگی سے نفرت ہے تو چھوڑ دے یہ فیڈل کہیں گناہی کی
زندگی گزار لے لیکن جو جسکے ان کو بڑچکا ہوتا ہے وہ چھوٹا
نہیں.....“ وہ اس کو بدظن کرنا چاہ رہا تھا۔

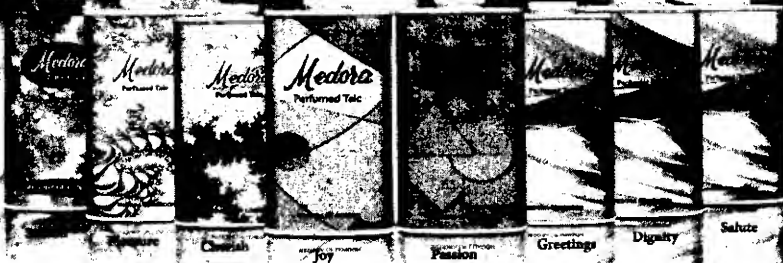
”تم میرا دل توڑ رہے ہو۔“ وہ کبیدہ خاطر ہوا۔
”مجھے ایک بار اپنی قسمت آزمایا ہے..... میں یہ
حسرت لے کر مرنا نہیں چاہتا کہ میں نے اپنی محبت کو
پانے کی کوشش نہیں کی تم مجھے مایوس کرنے کی بجائے
میری مدد کرنا چاہتے..... ایک بار اس تک میرا پیغام پہنچا تو
سہی۔“ وہ ہنسی ہوا۔

اسے انتخابوں سے خوف آتا تھا جڑے ہاتھوں سے ڈر
لگتا تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے فلیٹ سے نکل آیا۔ اس کی
مٹھی میں دباوا تراشا جو چرما گیا تھا۔ بالکل اس محبت کی
طرح جو کبھی میرب نے اسے تھمائی تھی۔ وہ بہت اپ سینٹ
تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرب ام حبیبہ بن چکی ہوگی
کافی عرصہ پہلے جب دھاوا اس کے گھر سے میرب کی موت
کی اطلاع ملی تھی تو وہ کتنا دکھی ہوئی تھی اور دکھی تو وہ بھی ہوا
تھا۔ پھر دانے اسے اس کی تصویریں بھی دکھائی تھیں لیکن
ٹی وی فلم دیکھنے کے باوجود ایک بار بھی اس کے ذہن میں
نہیں آیا تھا کہ ام حبیبہ ہی اصل میں میرب ہے وہ اس فیڈل
میں آگئی تھی اس کے گھر والوں نے اسے مردہ قرار دے
دیا تھا۔ اس نے خاندانی عزت و ناموس ڈبو دی تھی اور
خاندان والوں نے اسے ہی ذن کر ڈالا تھا کرے تک آتے
ہوئے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ واپسی کا سفر تکلیف دہ ہوتا ہے

Medora

Perfumed Talc

عروشہ جو دل کو بہا لے
تازگی جو ہو کوئی چارے

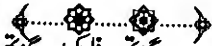


عروشہ کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس

MEDORA OF LONDON

خواہ یا دل کا ہی کیوں نہ ہو۔

وہ تمام رات اس نے آنکھوں میں کافی..... محبت دکھ بچھتا دے اس کے ضمیر پر کچوکے لگاتے رہے تھے وہ سر کے نیچے دونوں بازوؤں کا تکیہ بنائے تمام رات بے آواز روتا رہا تھا۔



وہ واپس فلیٹ میں آگئی تھی۔ "تم مکمل ہو گئی تھی آج کل سوائے فیشن شوز اور کیٹ واک کے اس کی کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ اس لیے اسے فلیٹ میں سکون محسوس ہو رہا تھا۔ دوسرا جب سے اس نے نمرہ اور ذیشان کو دیکھا تھا اس کا ذہنی سکون پھر سے درہم برہم ہو گیا تھا وہ سوچ رہی تھی ذیشان یہاں کیا کر رہا تھا؟ کیا وہ لاہور میں رہتا ہے اور نمرہ..... لی جان..... بڑے شاہ صاحب..... امان..... بلانجی بھائی برہان..... وہ سب..... اس کا دل شدت سے من سب کو دیکھنے لگے کو کر رہا تھا اس نے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ بالکل اس کی زندگی کی طرح..... پچھلے دس سالوں میں اس نے بہت کچھ دیکھا تھا اس میں ایک حالات سے سمجھتا بھی تھا۔ اس کے چاروں طرف گلیاں تھیں کہاں جانی؟ سوائے سمجھتا کرنے کے اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہ تھا لیکن وہ جو اپنوں کے لیے دل میں بڑک تھی وہ بھی کبھی کبھار شدت سے ابھرتی تھی اس نے پردے برابر کیے اور کمرے کی حالت پر نظر دوڑائی..... وہ اسی اندری کا شکار تھا..... جیسا کہ عمر اور رہتا تھا۔ ایٹم بڑے سگریٹ کے ٹکڑوں پر سے بھری ہسٹریسٹوٹس گندی میبل بیڈ شیٹ بکھرے جوتے صوفوں پر کپڑوں کا ڈھیر اسے خود میں اور کمرے کے ماحول میں مائلت محسوس ہوئی۔ وہ بھی اندر سائیسی ہی ہو چکی تھی گندی میبل بکھری ٹوٹی اسے کمرے کا ماحول تکلیف نہیں دیتا تھا۔ موبائل بج رہا تھا..... اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھایا۔ "زوہیر شاہ" کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس کا قطعاً موڈ نہیں تھا اس سے بات کرنے کا۔ لیکن کچھ سوچ کر اس نے کال اٹینڈ کی۔

"وہ غصے میں ہی تھا" کب مل رہی ہو؟" اکھر پنپے

سے پوچھا۔

"بھئی نہیں" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم یہ سب پھوڑ رہی ہو..... نیک بی بی بن رہی ہو" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"نہیں کہوں گی" کیونکہ تم جیسے مرد جب تک اس معاشرے میں ہیں کوئی پاک باز ہونا بھی چاہے تو نہیں ہو سکتا۔ ساری فحشی سٹ کر اس کے لہجے میں آگئی تھی۔ زوہیر شاہ ایک لمحہ کو چپ ہو گیا تھا۔

"تم لوگ عورت کو بازار میں لا کر کھڑا کرنا تو چاہتے ہو..... سر پر چادر رکھ کر گھر لے جانا تمہیں یاد نہیں رہتا..... رسوائیوں کا خوف جگڑ لیتا ہے تم جیسے مردوں کو....." اس نے سگریٹ کو سائینڈ پھیل پر ہی مسلا دیا تھا۔

"تم شاید ڈپریشن ہو رہی ہو" ادھر بھی کمال کا ضبط تھا یا پھر ڈھیٹ پن۔

"ہاں" اس نے اعتراف کیا۔

"آ جاؤ..... کھانا کھاتے ہیں کسی اچھی جگہ..... اور..... ہر مرد دکھاری ہے اسے اس وقت زوہیر کے لہجے میں سکندر ریاض محسوس ہوا۔

پچھلے دنوں جب وہ لاہور گئی تھی ایک فنکشن کے لیے تو سکندر ریاض کو وہ تقریباً بھلا ہی بیٹھی تھی۔ لیکن واپس آتے ہی پھر سے اس کے دہی روز و شب تھے اور کل ہی اس نے سکندر ریاض سے نکاح کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اب تک وہ اس کی بیوی ضرور تھی لیکن صرف سکندر ریاض کے کہنے کی حد تک..... اسے اب تحریری حلف چاہیے تھا ایک ٹھوس ثبوت نکاح نامہ..... وہ صاف سھری زندگی گزارنے کا سوچ رہی تھی۔ جب کہ وہ سکندر ریاض کے ساتھ کافی سالوں سے تھی تو نام دینے میں کیا حرج تھا جس سانپ نے اسے ڈسا تھا وہ تریاق بھی اسی سے چاتی تھی وہ جانتی تھی وہ کسی بھی عزت دار مرد کے کام کی نہیں ہے کوئی بھی اسے گھر کی زیارت نہیں بنائے گا تو پھر سکندر ریاض ہی اس کا لاشا اٹھائے اسے نام دے..... اس نے بہت سوچ سمجھ کر سکندر کو کہا تھا۔

"کہاں کھو گئی؟" اس کی طویل خاموشی پر زوہیر بولا۔

جس وقت چاہے اپنی اولاد لے جائے.....“ زوہیر کی کوئی بھی بات سنے بغیر اس نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ یہ بوجھ اٹھاتے تھک گیا تھا نمرہ کے سوالوں نے اسے زنج کر رکھا تھا۔ صدی خود سر تو وہ بچپن سے ہی تھی جب سے یکے بعد دیگرے لی جان اور باجی کی وفات ہوئی تھی وہ بالکل کنٹرول سے باہر ہو گئی تھی۔ فیجیہ کی اپنی مصروفیات میں ذیشان کے اپنے منصوبے تھے جوگزشتہ دو سال سے نمرہ کو پالنے پوسنے کے چکر میں ضائع ہو گئے تھے وہ سارا دن اس کو سنبھالنے ہوئے ہلکان ہو جاتا اگر لی جان نے اپنی قسم نڈی ہوئی تو وہ کب کا اسے فضیلت خالہ کی تحویل میں دے چکا ہوتا لیکن ادھر بھی اب کوئی نہیں رہا تھا۔ بارہا اس کے ذہن میں آیا کہ وہ نمرہ کو اس کی ماں کے حوالے کر دے۔ اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا ماں ہی جہاں مرضی رہتی بلکہ ہو سکتا تھا کہ بیٹی ہی اسے سیدھے راستے پر لے آئے اور اس روز ریسٹورنٹ میں جب اچانک ہی نظر پڑی ام حبیبہ پر تو وہ یہی سوچ کر ان کی جانب بڑھا تھا۔ وہ لےنے کی کام کے سلسلے میں کراچی آیا تھا لیکن وہاں زوہیر کو دیکھ کر فی الحال اس نے ارادہ بدل دیا تھا اور ام حبیبہ کو مکمل امانور کر کے وہ زوہیر سے باتیں کرنے لگا تھا۔ ارادہ یہی تھا کہ ایک بار وہ نمرہ کو اس کے ہمراہ دیکھ لے پھر خود ہی رابطہ کر لے گی اور وہی ہوا تھا اس نے زوہیر سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ نمرہ کو لے جائے اس نے نمرہ کو ذہنی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا تھا اس نے نمرہ کو میرب کی تصاویر بھی دکھائیں اور یہ بھی سمجھایا کہ وہ اس کی ماں ہے اور اس کو لینے آ سکتی ہے نمرہ یہ سب دیکھ اور سن کر خاموش ہو گئی تھی اس کے ذہن میں بے شمار سوال تھے لیکن وہ چاچو سے نہیں کر سکتی تھی چاچو اس سے پیار تو بہت کرتے تھے لیکن کبھی کبھار غصے میں بھی آ جاتے تھے۔ چاچو کی باتوں نے اس کو سوچ میں ڈال دیا تھا۔ اگر وہ اس کی ماں ہی تو اس سے دور کیوں تھی اب تک گھر میں کبھی کسی نے بتایا کیوں نہیں کہ اس کی ماں بھی ہنڈہ تو لی جان ہی کو ماں سمجھتی تھی۔

بدلتا تھا اور اگر غنفر اسے ٹکٹ نہ کروا کے دیتا تو وہ کبھی آتا ہی
 ناں..... لیکن اس نے نہ صرف ٹکٹ کروایا تھا بلکہ گا لگی فلائٹ
 سے خود بھی پہنچ رہا تھا۔ سو اس کے پاس اور کوئی راستہ نہ بچا
 تھا، ام حبیبہ کے متعلق تمام معلومات اس کو غنفر نے فراہم
 کر دی تھیں، لایہ رپورٹ سے اسے ہوٹل جانا تھا اور پھر غنفر
 کے ساتھ اسے ام حبیبہ کے فلیٹ یا بنگلہ جہاں بھی وہ موجود
 تھی کی طرف روانہ ہونا تھا وہ ذہن میں جملے ترتیب دیتے
 ہوئے تھک گیا تھا کیا کہے گا وہ میرب شاہ سے؟ اور جو اس
 نے ماضی کی راکھ کرید ڈالی تو..... پہلے کی طرح کا سہ سوال
 اسی کی طرف بڑھتا ہوا تو؟ نہیں اس سے نہیں ہوگا اس نے
 ارادہ کر لیا کہ وہ غنفر کے ساتھ نہیں جائے گا وہ اس کے
 سامنے نہیں جاسکتا تھا اس میں ہمت اور حوصلہ ہی نہیں تھا۔
 غنفر کے آنے تک وہ ہوٹل کی لابی میں ٹہل رہا۔

روانے ابھی تک امی کو کچھ نہیں بتایا تھا وہ ایک بار خود
 جا کر تمام صورت حال معلوم کرنا چاہی تھی اور آج ہی
 جانے کارا وہ کر رکھا تھا اسے گل ہما کی جرأت پر حیرت تھی
 جو ماں باپ کے زبردستی کرنے پر گھر سے مرنے کے لیے
 نکل کھڑی ہوئی تھی۔ شاید ہر عورت اتنی پاور مل محبت ہی
 کرتی ہے اس نے سوچا۔

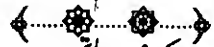
عنفتر جیسے ہی پہنچا وہ اس کو کمرے میں بکڑ کر لٹایا۔
 ”بریکنگ نیوز ہے! ام حبیبہ نے انڈسٹری چھوڑ کر گمنامی
 کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابھی ابھی پتہ چلا ہے
 مجھے! دیکھا اللہ خود ہی میرے راستے سیدھے کرتا جا رہا
 ہے۔“ وہ حد سے زیادہ بیتاب تھا۔
 ”اور اگر وہ نہ چھوڑتی تو...؟“ یشال نے پُرسوج
 نگاہوں سے اسے سدیکھا۔

”تو بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا..... مجھے صرف اس سے غرض ہے وہ کیسا تھا؟ کیا ہے کوئی لینا دینا نہیں؟ میں بس اسے پانا چاہتا ہوں۔“ یثال کا دل ڈوب گیا اس کا دوست دھڑلے سے اس عورت کا ذکر کر رہا تھا جس سے وہ محبت

کرتا تھا اور ایک وہ تھا گھر آئی محبت کو ٹھوکر ماری وہ اس کے سامنے محبت کا اقرار نہ کر سکا لیکن زندگی کے دس سال اس نے یونہی گزار دیئے کسی موہم سی امید پر شاید کبھی کہیں وہ نظر آجائے اس کے مگر جانے کی خبر سننے کے باوجود وہ ایسی باتیں سوچتا تھا۔ غصہ کرنے دوسروں سے چائے آڑو کی اور خور و شراب ہونے چلا گیا۔

”سنو غصہ..... ایک بات کہوں.....؟“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
”ہاں ہاں بولو۔۔۔ مگر کچھ اچھا ہی بولنا۔“ وہ خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے بولا۔
”اگر تم میرے بغیر جاؤ..... تو شاید تمہارا چانس بن جائے۔“

”کیا.....؟“ وہ اس کی طرف گھوما۔ ”اب غداری مت کرو، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہی ہوگا۔ اٹھ جاؤ اٹھ بھی جاؤ۔“ غصہ کرنے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا اور اسے اٹھتے ہی بنی۔



آج اسے حیران کن خبر ملی تھی۔

”ذیشان کے ساتھ جو بچی تھی وہ کسی اور کی نہیں بلکہ اس کی بیٹی تھی اور دوسری یہ کہ سکندر ریاض نے اس کی دس سالوں کی کمائی اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دی۔ دوسری خبر سے زیادہ پہلی خبر نے اسے شاک زد کر دیا تھا۔ نہروہ اس کی بیٹی تھی مگر کیسے؟ اس نے تو ایک مردہ بچے کو جنم دیا تھا۔ سکندر ریاض نے تو اسے یہی بتایا تھا کس نے کیا جھوٹ بولا تھا..... پھر..... اس نے زوہیر سے ذیشان کا نمبر لیا اور اسے کال کرنے لگی۔ چار پانچ رنگز کے بعد فون ریسو کر لیا گیا تھا۔ دوسری طرف سے ذیشان کی آواز کان میں پڑتی ہی اس کے سارے لفظ گوگلے ہو گئے تھے۔ کتنے سالوں کے بعد کسی اپنے کی آواز تھی اسے لگا وہ شاہ کا بیٹا ہے۔

”خیر مایے ام حبیبہ..... بیٹی لینے خود آئی میں کی یا چھوڑ جاؤں؟“ اس کی طویل خاموشی نے ذیشان کو بتادیا تھا کہ دوسری طرف کون ہے؟ لیکن اس کے اپنے لہجے میں اس

قدر بے رخی اور بے گامگی تھی کہ ام حبیبہ کی ساتتیس پتھر ہونے لگی تھیں۔

”میں خود آتی ہوں تھوڑی دیر میں، بیٹیں ہوں میں۔“ اس نے جلدی سے ریسور رکھا اور اپنے سر اپنے پر نظر دوڑائی۔ اسے اپنے گھر جانا تھا ایک مدت بعد اور ذیشان نے خود پوچھا تھا کہ وہ آئے گی؟ یعنی اب گھر والوں کے دل اس کے لیے بدل گئے تھے شاید انہوں نے اسے معاف کر دیا تھا اس نے ذرا سیر کو مارٹ کیا اور خود مناسب کپڑے تلاش کر رہی تھی جو وہ شاہ کا بیٹا بن کر جا سکتی ہو اس نے اپنی ساری وارڈرو پر دیکھا کہ لیس ایک سی ایک برائڈ کالباں موجود تھا لیکن وہ برائڈ نہیں تھا جو ایک شریف گھرانے میں پہن کر جانے کے قابل ہوتا۔

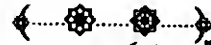
بلکہ اس نے قدرے لانگ شرٹ اور جینز کا انتخاب کیا۔ چہرہ حجاب میں چھپایا اور اپنا موبائل اور بیگ لے کر نکل آئی۔ اسے راستے اڑ رہے تھے، بھولے نہیں تھے گھر کا راستہ کب بھولتا ہے۔ اس نے ذیشان کو بتادیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں پہنچ رہی ہے۔ بیٹوں کا جھوم ہوا تھا گاڑی کی تو اس کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹا اس نے دیکھا وہ شاہ کا بیٹا کے سامنے تھی۔ وہ پہلے بھی یہاں آئی تھی معافی مانگنے لیکن اسے دھمکا دیا گیا تھا..... اور آج وہ ایک بار پھر اسی در پر کھڑی تھی تیل دینے سے پہلے اس نے ایک نظر اپنے گھر بڑائی بہت اجڑا اجڑا سا لکڑیوں جیسے کوئی رہتا ہے..... اماں! اماں کی اور برہان برہان کی تو شادی ہو گئی ہوگی وہ تو خوش ہوگا شجیہ کے ساتھ۔ ذیشان کو ٹیکسٹ کرتے ہوئے اس نے کئی خوش رنگ خواب دیکھ لیے۔ تھپانچ منٹ بعد وہ باہر آیا۔ ساتھ نہروہ اور اس کا بیگ اسکول بیک کا دھوپوں پر لٹکائے وہ سبھی سبھی نظروں سے اوجھڑ گیا۔ یہ تھی اور ام حبیبہ سوچ رہی تھی کیا ذیشان اسے امدت نہیں دلائے گا..... وہ بغیر سلام دعا کیے شروع ہو گیا۔

”یہ تمہاری بیٹی جسے تم چھوڑ گئی تھیں خود غرضی کی اہلی مثال تو تم نے قائم کر دی تھی..... ذیان بھائی تو اسے لینے گئے نا پتایا..... بس میں لے کر آیا اسے ہاسٹل سے اور یہ

اتنی دور کرے مر لو جانے کے حق میں نہیں تھا۔

وہ بیٹھا رہا ڈراما تک دم کی زینت کا رُش میں اپنا خیال
بٹانے لگا اور ذہن میں ان الفاظ کو تہیب دینے لگا جو اسام
حبیب سے کہنے تھے۔ غنفر کے ذہن میں الگ کچھری پک
رہی تھی۔ یثال کا اسے میرب کہہ کر پکارتا اور ام حبیب کا یثال
حیدر کو بے خود ہو کر نکلتا..... وہ سمجھتی تھی ہال کی کھال اتارنے
والا دونوں کے چہروں کے اتار چڑھاؤ اس نے دیکھے تھے
اور جان گیا تھا یثال نے جس لڑکی کا قصہ سنا رکھا تھا وہ شاید
بہی تھی۔

ام حبیب باہر نہیں آئی وہ واپس ہو کر اٹھائے اس نے پھر
کسی دن آنے کا کہا تھا۔ واپسی کا سفر دونوں نے خاموشی
سے طے کیا دونوں سوچ رہے تھے کہ اچھا ہوا وہ ہر نہیں آئی
ورنہ ان کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے غنفر سوچ رہا تھا کہ
یثال کیا کہتا؟ اور یثال سوچ رہا تھا کہ وہ بات کرتا تو کیا غنفر
کے بارے میں کرتا..... وہ واپس آگئے لیکن اگلے ہی دن نہ
وہ آپس میں ملے نہ بات کی ایک عجیب سی خاموشی ان کے
درمیان حاصل ہو گئی تھی۔



”سمجھ نہیں آتی میرب کہہ کر پکاروں یا ام حبیب.....“

جو بھی ہو کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں آپ سے جو میں
رو برو نہیں کر سکتا..... مجھے نہیں پتہ اس سارے فساد اور جانی کی
ابتدا کب ہوئی؟ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ان سب کے
پیچھے دو ہی عوامل کارفرما ہیں۔ نمبر ایک آپ کا حد سے بڑھا
ہوا غرور اور نمبر دو اسے شرعی احکامات کو بھلا دینا..... آپ خود
کو اس قدر اعلیٰ و ارفع سمجھتی تھیں کہ باقی سارے حسب نسب
والے آپ کو اپنے آگے لٹھ دیکھتے تھے آپ بھول گئی تھیں
صرف تقویٰ ہی ہے جو آپ کو اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔

دوسری غلطی بھائی سے ہوئی..... اس نے اسلامی
احکامات کی سراسر خلاف ورزی کی اور اپنے گھر میں جوان
بیوی کے ہوتے ہوئے غیر مردوں کو گھسایا آج جو ہم اتنے
بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ یہی کہی ہے کہ
ہم سب کچھ بھلا بیٹھے ہیں۔ مغربی اقدار کی پیروی کرنا ہمارا

فرض عین بن گیا ہے تو میں کہاں سے کہاں نکل گیا۔ میں
نے سنا ہے کہ آپ بھائی سے نہیں کسی اور سے محبت کرنی
تھیں شاید اسی سے جس کے ساتھ آپ چلی گئیں۔ کچھ غلط
نہیں تھا آپ کسی کو بھی اعتماد میں لے کر ہتھ دیتیں دیر سے
ہی..... شاید مان ہی جاتے آپ نے خاموشی اختیار کی اور
نتیجتاً وہ سب کچھ ہوتا چلا گیا جو کبھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔
میں سچ کہوں گا آپ کو کسی نے بھی معاف نہیں کیا۔
میں نے بھی نہیں..... لیکن میں یہ ضرور چاہتا تھا کہ آپ
سے ملوں اور آپ سے بھی پوچھوں کہ آپ نے ایسا کیوں
کیا؟ کیوں میرے بھائی کی زندگی اجاڑی؟ کیوں اپنے
آپ سے اپنی اولاد کو دور کیا؟ کیا ایک نامحرم کی محبت آپ پر
اس طرح حاوی ہو گئی کہ آپ نے اپنے سارے دشمنے داؤ پر
لگا دیئے؟ فائدہ نقصان کچھ نہیں سوچا؟ بی جان کا حکم تھا کہ اس
گھر کا کوئی فرد کبھی آپ کی شکل دیکھے نہ آپ کو اس گھر میں
آنے دے فضیلت خالی البتہ آپ کو معاف کر چکی تھیں اور
آپ کا انتظار بھی کرتی تھیں..... گھروں میں اٹھنے والی
دیواریں دلوں میں بھی اٹھتی تھیں بی جان اور شاہ صاحب نے
اپنا جوان بیٹا کھویا تھا وہ تو معاف کرنا چاہتے بھی تو نہ
کرتے..... لیکن ایک شخص تھا جو جان گیا تھا اور جس نے
آپ کو معاف بھی کر دیا تھا اور وہ تھا ذی ان..... ذی ان شاہ.....
حیرت ہوئی ناں آپ کو..... مرنے سے ایک رات مل میں
انہیں جب ہاسٹل لے کر گیا تھا تو انہوں نے مجھ سے احتجاج
کی بھی کہ میں نمبرہ آپ کو سوہنہ دوں..... میں نے احتجاج
کیا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میرے ہاتھ تھا مگر
کہنے لگے۔

اے معاف کر دینا ذیشان بی جان سے بھی کہنا وہ اتنی
قصور دار نہیں تھی جتنا ہم سمجھ بیٹھے ہم سب بھی قصور دار تھے
میں بھی قصور دار تھا۔ محبت غیر ارادی فعل ہے اس نے چھوٹی
عمر میں محبت کی اور سنبھال نہیں پائی دکھ لگایا خود کو میں اس کا
اپنا تھا مجھے سنبھالنا چاہیے تھا محبت دینی چاہیے تھی اسے نہیں
دی شک کیا اور کرتا ہی چلا گیا میں جان گیا تھا کہ وہ شخص
سکندر ریاض نہیں تھا مجھے عبدالعزیز نے بتایا تھا کہ سکندر

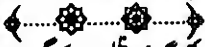
شادی کے بعد سے اسے تنہا جانے کے چکر میں تھا۔ وہ جانتا تھا لیکن اتنا حساس البتہ تھا کہ وہ ہمت ہی نہ کر پایا بولنے کی۔

بھائی نے مجھے کہا اگر آپ لوٹ آئیں تو آپ کو اس گھر میں پناہ دی جائے معاف کر دیا جائے لیکن وقت نے مہلت ہی نہیں دی اور اگلی رات ہی انہوں نے حوصلہ ہار دیا۔ وہ اپنے رویے پر شرمندہ اور پشیمان تھے ان کی موت نے حالات اور بگاڑ دیئے آپ کے لیے کون سے اور بدعواؤں کا لاتنا ہی سلسلہ تھا جو جو جھوٹیاں اٹھا اٹھا کر آپ کو دی جاتی رہیں۔ برہان بھائی اور شیخا جی کی شادی نہ ہوئی تھی سال گزر گئے لیکن بی جان کا دکھ کم نہ ہوا وہ فیان بھائی کا دکھ بھولتیں تو آپ کو معاف کرتیں میں نے کئی بار بتانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے سنا ہی نہیں شاہ صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے اور پچھلے سال بی جان بھی..... لیکن مرتے ہوئے بھی وہ مجھے قسم دینا نہیں بھولیں..... میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا کیونکہ میں جا رہا ہوں کبھی نہ آنے کے لیے گھر کی چابی آپ کو ارسال کر دوں گا..... آپ جاہں تو لوٹ آئیں میں اس گھر میں رہیں کہ اس پر آپ کا بھی حق ہے اور نمرہ کا بھی۔ زندگی نے کبھی مجھے اتنا طرف دیا کہ میں معاف کر سکوں تو ضرور اس کا ملنے گھر کے کاغذات نمرہ کے نام کے اکاؤنٹس کی چیک بکس..... چیلری سب کچھ بیک میں ہے۔ زندگی میں بہت کچھ ایسا ہو جاتا ہے جو ہمیں بھانا پڑتا ہے بے شک وہ ہماری توقعات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تمہارا.....

خط کے مکمل کرتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی..... یہ خط نمرہ کے اسکول بیک میں سے نکلا تھا۔ تین تین حالات، بیروں میں اتنی موٹی موٹی زنجیریں ہوتی ہیں کہ پاؤں اٹھا کر چلنا مشکل ہو جاتا ہے اسے گھر واپس جانے کا عندیہ مل گیا تھا اس نے برائی سے منہ موڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا تو اچھائی خود اس کا ہاتھ پکڑنے آگئی تھی۔ وہ اپنے گھر واپس جاسکتی تھی میرب شاہ بن کر اسے ام حبیبہ کو

دن کرنا ہی تھا واپس جانے کی خوشی اتنی زیادہ تھی کہ وہ بیکر بھول گئی ایک دن پہلے کسی دشمن جاں سے سامنا ہوا تھا۔



جمعہ آیا اور گزر رہی گیا رات نکل ہمارے گھر سے ہو کر آئی تو بہت بددل اور پائوس تھی۔ یثال نے جو بتایا تھا وہ سچ تھا اس کے گھر والے شرمندہ تھے بیٹی کی اتنی خود مری پر بیچو تو چپ ہی ہو گئیں بیٹے کا گھر بیٹے بیٹے رہ گیا تھا رانا الگ ٹکٹین جانے اب کب آتا ہو اور یثال جو پہلے ہی مشکل سے شادی پر رضامند ہوا تھا اب تو شاید بھی نہ ہو..... اور یونہی اس کا ذہن میرب شاہ کی طرف چلا گیا اور اس کے کانوں میں یثال کی باتیں گونجنے لگیں۔

وہ کیوں نہ جان پائی کہ اس کی گہری دوست اس کے بھائی سے محبت کرتی ہے اور وہ کیوں اتنے سالوں سے یہ بھی نہ جان سکی کہ اس کا بھائی بھی اس لڑکی کے عشق میں مبتلا ہے..... وہ بری طرح الجھ کر رہ گئی تھی۔ کرے تو کرے کیا؟ عبدالرحمن کا فون آچکا تھا اور اسے واپسی کی تیاری کرنا تھی لیکن جانے سے پہلے وہ ایک بار میرب اور میرب کے گھر والوں سے ملنا چاہتی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا بات کرے گی؟ پھر بھی وہ ایک بار ملنا چاہتی تھی۔ اس نے یثال سے میرب کا نمبر مانگ لیا۔

”کیا.....؟“ انہیں کس نے کہا کہ میرے پاس اس کا نمبر ہے؟“ یثال حیرت زدہ ہوا۔ ”کیا کرنا چاہتی ہو تم؟“ اس نے سوالیہ کیا۔

”وہی جی آپ سے نہ ہو سکا۔“ وہ غمزدہ ہوئی۔

”وہ نہیں ملے گی..... میں گیا تھا۔“ یثال نے نظریں چرا لیں۔

”اس کے گھر؟“ رانا نے حیرانی سے پوچھا۔

”اس کے کراچی والے بنگلے میں بڑے ٹھاٹ سے رہ رہی ہے محل ہے اس کا اب جھوپڑی والوں سے ملنا پسند نہیں کرے گی۔“

”کب گئے اور کیوں؟“ رانا تو سب جان لیتا چاہتی تھی۔

”کچھ دن پہلے..... غصہ فر کارشتہ لے کر.....“ وہ رخ

پھر گیا۔

”کیا؟“ رہا جہتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

”مغففر بھائی کا رشتہ؟ آپ..... مجھے یہ بات مضم نہیں ہو رہی۔“

”مغففر ام حبیبہ سے عشق کرتا ہے ام حبیبہ سے میرب سے عشق کرنا آسان ہے لیکن ام حبیبہ سے بہت مشکل اور وہ

ام حبیبہ کو اپنا نا چاہتا ہے اسے اپنا نام اور عزت دینا چاہتا ہے اس کا خاندان عظیم خانہ ہے اور خاندان والے بھی وہی سو کی کو

اس کے فلم ایکٹر کیس یا ماڈل ہونے پر اعتراض نہیں ہوگا۔ اسے خود ہی اس کے ساتھ زندگی بتانی ہے حوصلہ ہاں کا۔“

”اور بھائی آپ؟“ رونا نے اس کی بات کاٹ کر اسے جھنجھوڑا۔ ”آپ میں حوصلہ نہیں ام حبیبہ کو اپنانے کا؟ اسے

اپنے نام کی محبت دینے کا۔ وہ بھی تو آئی مٹی اپنی محبت کی بھیک مانگنے..... آپ بھی جائیں گز گزائیں چیر پکڑ لیں

عورت بس عورت ہوتی ہے اچھی یا بری اسے مرد دیتا ہے ہم کیوں اپنا ظرف بڑا نہیں کر لیتے عورت کو معاف کرنے

کے لیے..... اس کا گناہ کہیں دُور کرنے کے لیے؟ محبت کی سچا آپ نے پھر حوصلہ کیوں نہیں رکھے.....؟“ وہ اس کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہی تھی۔ ”تم لوگ اپنا لوگ اسے؟ جس طبقے سے ہمارا تعلق

ہے لوگوں کے سوال جواب برداشت نہیں ہوں گے تم سے..... ایک ماڈل اور ایک ایکٹر کیس کو کون قبول کرے گا

یہاں؟ سب سے پہلا اعتراض تمہارے سرال کی طرف سے آئے گا اور پھر سب سے پہلے مجھے فون کر کے اس

رشتے کو ختم کرنے کے لیے کہو گی تمہارا شوہر میرا بایز کاٹ کر دے گا تمہارا گھر خراب ہوگا اللہ نہ کرے آسان نہیں

ہے یہ سب وہ صرف میرب شاہ ہوتی تو اور بات مٹی ام حبیبہ کو اپنا نا بہت مشکل ہے۔“

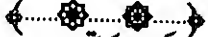
”کسی کو کیوں مسئلہ ہوگا بھائی آپ ان بوڑے بہانوں کے پیچھے چھپ رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ میں

ہی حوصلہ نہیں ہے ایک بدنام لڑکی کو سہارا دینے کا..... محبت کرتے تو یہ سب نہ سوچتے ایک بدنام آدمی وارہ شرابی مرد کے

ساتھ ایک نیک عورت ساری زندگی بتا سکتی ہے لیکن ایک بدنام عورت کے ساتھ مرد رشتہ بناتے ہوئے بھی مصلحت

اندیش ہو جاتا ہے کیوں؟“ وہ حذر جہذبانہ ہو رہی تھی۔ اس کے پاس رونا کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا سو

خاموش رہا لیکن مدامیرب سے ملنے کا تہیہ کر چکی تھی۔



وہ اپنی تمام بینکنگ مکمل کر چکی تھی بس ایک دو روز میں وہ یہاں سے شفٹ ہو رہی تھی۔ وہ تمام پرائیکٹس کے

ایڈوائس واپس کر چکی تھی اس نے پرانا نمبر بدل لیا تھا اسے اپنی پچھلی گزری زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا تھا۔ وہ شاہ

کا بیج نہیں جا رہی تھی وہ وہاں جا ہی نہیں سکتی تھی؟ کس حیثیت سے جانی؟ لوگ اسے مردہ مان چکے تھے وہاں جا کر

رہتی تو لوگوں کے ذہن میں آنے والے سوالات کا جواب کیسے دے پاتی اس نے اپنا فلیٹ بیچ دیا اور یہ بنگلہ کرائے پر

دے دیا تھا لاہور کے ایک متوسط طبقے میں اس نے پانچ مرلے کا ڈبل اسٹوری گھر خریدا کچھ ضروری سامان کے

علاوہ اس نے سارا سامان بنگلے میں ہی چھوڑ دیا تھا نمبر ابھی تک اس سے مانوس نہیں ہوئی تھی۔ ہر دقت چاچو چاچوی

کرتی رہتی لیکن وہ اس کو پا کر بہت خوش تھی اس نے اپنی تمام تصویریں پوسٹر ڈجواس کے پاس سجے جلا کر رکھ کر دیے

تھے وہ تمام چیزیں جو اس کی تنہائی کی ساتھی تھیں اور جنہوں نے اسے ذہنی و نفسیاتی مریض بنا دیا تھا اس نے وہاں پر

کر دیں اور جس دن اس نے کراچی کو خیر باد کیا پچھلی زندگی کی تمام باتوں کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا۔

ام حبیبہ کو اس نے زہر دے دیا اور خود حجاب اوڑھ کر میرب شاہ بن گئی پھر سے..... اس نے نمبر کا اسکول تبدیل

نہیں کیا تھا تاکہ کم از کم یہاں وہ ڈسٹر بن ہو..... زندگی ایک ڈھب پر چل نکلی تھی آس پڑوس کے لوگ ملنسار تھے

اس نے سب سے کہہ دیا تھا کہ نمبر کے والد کینڈا ہوتے ہیں اور یہ جھوٹ بھی محض اس لیے بولا تھا کہ کوئی اس کو اکیلا

نہ جان لے..... اس نے کوئی میڈ بھی نہ رکھی۔ کہہ کر گھر میں پھرنے والی عورتوں کو ٹوہ لینے کی بری عادتیں ہوتی ہیں۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں تقسیم ہوں



جم ہر وقت ہر ماہ آپ کی دلیہ پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میدل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ آرڈر منی آرڈر منی گرام اور سرنیشن کے
ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیس اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

راہطہ: طاہر احمد قریشی
0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: فیس پیجیر زعب اللہ ہارون روڈ کراچی

فون نمبر: 2/2/35620771-922+

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal@com.pk

اس نے سب سے بس سلام دعا کا رشتہ رکھا تھا۔ ہاں ساتھ والی فیملی اسے ابھی لگی تھی آگنی بہت اچھی تھیں..... وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ پکا کر بھجواتی رہتی تھیں۔ انکل جاب لیس تھے لیکن چاروں بیٹے باہر سے اتنا کچھ بھجوا دیتے تھے کہ ان کی گزراوقات بہت اچھی ہو جاتی تھی۔ گھر میں ہر کام کے لیے ملازم تھے اور باہر کے کاموں کے لیے لڑکا جو انکل کو گاڑی میں بٹھائے مختلف کاموں کو سرانجام دیتا تھا..... اور وقت ضرورت میرب کے بھی کام آ جاتا وہ بھٹ سکون ہو گئی تھی یہ زندگی گزشتہ دس سال کی زندگی کے مقابلے میں اسے نعمت لگا کرتی تھی۔

رہا وہاں چلی گئی اور غنفر خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ کہا ہی نہیں اور ریشال حیدر بھی ہمت ہی نہ کر سکا کہ میرب سے مل لے رہا بہت ناراض ہو کر گئی تھی اس نے جاتے ہوئے لیجے کو سب بتا ڈالا تھا۔ جو بھی ریشال نے اسے بتایا تھا..... اور وہ تاسف سے اسے دیکھ کر کہہ گئی تھیں۔ وہ اس کی قسمت میں ہی نہیں تھی..... اس نے خود کو باور کرایا تھا اور کوئی چار ماہ بعد کی بات ہے لیجے نے جب وہ دیکھ کر انڈر پر گھرا یا تو پاس بٹھالیا بہت چپ چپ ہو گیا تھا وہ۔
”مجھے لے چلو..... میں بات کرتی ہوں۔“ انہوں نے اس کا سر گود میں رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا تو وہ چونکا..... اور ماں کو دیکھنے لگا۔

”کیا بات کریں گی؟“ اس نے آنکھیں میچ لیں۔
”کچھ بھی کرلوں گی منت گزراش.....“ انہوں نے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ ”کپنے بیٹے کی خوشیوں کے لیے..... جس سے میرے بیٹے کا بن ہاں ختم ہو جائے..... وہ ایک مکمل زندگی جی لے۔“ ان کے لہجے میں محبت، حلاوت تھی..... وہ بیٹے کا دکھ پوروں پہ چن لینا چاہتی تھیں۔

”اتنا حوصلہ کن کرے گا؟“ وہ ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

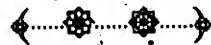
”یا تو حوصلہ کرو یا پھر مجھ پر چھوڑ دو۔“

”اس کا ماضی؟“

نک اسے دیکھ رہا تھا لیکن میرب نے دوبارہ اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ دیکھنا سے بہت رسوا کرتا تھا۔
”ساتھ..... ساتھ والے گھر میں۔“ بہت آہستگی سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے میں آؤں گی۔“ انہوں نے سر ہلایا اور اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ اس کے بعد وہ وہاں رک نہ گئی۔ اس قدر بولڈ اور پُر اعتماد نظر آنے والی ام حبیب ایک اسی شخص کے سامنے ہی اپنا اعتماد کھو بیٹھتی تھی۔ گھر آ کر بھی اسے چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کیوں آنا چاہ رہی تھیں؟ اتنی نا سمجھ تو نہیں تھی وہ لیکن اس نے دل ٹٹولا..... اب اس کے دل میں کوئی جذبہ پنپ ہی نہیں رہا تھا اندر سکوت تھا مکمل سکوت..... نہ خوشی نہ غم۔

وہ رات بہت بے روم تھی..... خود کو سنبھالتے نہ معلوم بچپنی نے اسے سر پختے پر مجبور کر دیا تھا۔ سکندر ریاض نے اسے مکمل بے حس کر دیا تھا لیکن وہ لکڑا اب بھی روم میں تھا وقفے وقفے سے شور کرتا تھا اس کی آنکھوں میں ساری گزری زندگی تھی۔ تلخ یادیں تھیں، کوئی بھی اچھی یاد نہیں تھی۔ ساری رات گزر گئی تھی۔ موذن نے اذان دی اور پہلی بار وہ کسی غیر ممر کی طاقت کے زیر اثر ابھی اور دھوکے لگی۔ سجدے میں جاتے ہی ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ ہچکچاہٹوں سے ردی۔ اپنے گناہوں پہ کالے کرموں پہ مجھے معاف کر دے میرے اللہ مجھے معاف کر دے وہ تڑپ رہی تھی بلکہ ہی تھی۔



اس نے چائے کا پانی چوسنے پر چڑھایا اور نو ستر میں ٹوسٹ رکھنے کی نمرہ اسکول جا چکی تھی آج اس کا کوئی بھی کام کرنے کا موڈ نہیں تھا۔ پورا بدن دکھ رہا تھا۔ صحن میں ہلکی ہلکی دھوپ اتر آئی تھی۔ خالی ٹوسٹ اور چائے کا کپ لے کر وہ برآمدے میں آ بیٹھی..... اس وقت وہ بالکل خالی الذہن تھی۔ سارے گلے شکوے ذہن سے محو ہو چکے تھے۔ اس نے چائے کا سپ لیا کہ دروازے پر دستک ہوئی..... اس کے دل میں بے نام سے دوسرے نے سر اٹھایا.....

دروازہ کھولا تو غیر متوقع طور پر میٹال کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ اتنی جلدی ان کے آنے کی توقع نہیں تھی۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔
”راستہ تو دے دو۔“ ایک چمکتی آواز نے اسے پیچھے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

”وہا.....! ایک خوشگوار حیرت نے اس کا احاطہ کیا..... وہ میٹال کو پیچھے چھوٹائی اس کے گلے لگی۔
”توبہ ہے، بھی بھی انسان جس کو ڈھونڈ رہا ہو ایسی ایسی جگہوں پر مل جاتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔“ وہ خوشی سے اس کا منہ چوم رہی تھی۔ حیران تو میرب بھی بہت تھی..... یہ سب اسے کس جگہ مل رہے تھے وہ ردا کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

”ا کیلی رات ہی ہو؟“ اس نے بیٹھے ہوئے پوچھا۔
”نہیں میری بیٹی ہے۔“ اس نے بتایا۔
”بیٹی.....؟“ ردا نے چونک کر میرب کو دیکھا۔
”ہاں..... نو سال کی بیٹی ہے میری نمرہ۔“
”ہاں یا ردا؟“ ردا کو وہ ضد کرنی چاہتی تھی یا آؤ گئی۔
”نہیں لگی تمہیں۔“ چلو اچھا ہوا۔“ اس نے ڈرائنگ روم پر طائرانہ نظر ڈالی میٹال اندر نہیں آیا تھا شاید وہاں چلا گیا تھا۔
”انگل جیسٹل میرے سر پہیں۔“ ردا نے بتانا شروع کیا اب چونکنے کی باری میرب کی تھی۔

”بہت سال پہلے روگ پاکستان شفٹ ہو گئے تھے۔ ہم اب بھی وہیں ہیں اتنی جلدی کہاں آیا جاتا ہے۔ ابھی چار ماہ پہلے ہی تو وہاں بس گئی ہوں۔“ آٹھ سال بعد آئی تھی میٹال کی شادی کے سلسلے میں۔ (اس کے دل کو کچھ ہوا دوسرے اب بھی وہ رکھتا تھا مانے یا نہ مانے) اور اب اچانک انکل کی ڈیوٹی تھہ ہوئی تو آٹھ ماہ اور نو سو دس سال گزر جاتے ہیں۔“ ردا میں ایک تبدیلی آئی تھی اور وہ یہ کہ بہت بولنے لگی تھی۔ دوسرا عبا یہ پہننے لگی تھی وہ ردا کے لیے ناشتے کا انتظام کرنے کچن میں آئی۔ چائے کا پانی چڑھا کر اس نے فریج سے کچھ فروزن ٹکڑے نکالے اور گلاس میں سافٹ ڈریک فل کر واپس آ گئی۔

”مجھے کل امی نے بتایا کہ تم یہاں رات ہی ہوؤرنہ ہم نے

تمہیں کتنا ڈھونڈا تمہارے بنگلے کے کرائے دار تو بتا رہے تھے تم مستقل کینڈا شفٹ ہو گئی ہو۔“ روانے بتایا۔

”کیا.....؟“ اس نے نگاہیں اٹھائیں وہ تو اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ ردا اس کے ماسی سے ناواقف ہے اور اتنی بے تکلفی شاید اس لیے ہی برت رہی تھی پرانے رشتے کے حوالے سے۔

”تم بہت بدل گئی ہو میرب.....“ روانے آہستگی سے کہا وہ وہ نظریں اٹھا سکی آکھوں میں نمی آگئی۔
 ”ہاں! یہ نہیں حالات اور قسمت ہم سے کیا کیا کروا لیتے ہیں۔ تم ڈراما تک روم میں بیٹھو میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ اس نے کہا تو روانے روک دیا۔

”نہیں..... میں اب چلوں گی میرا تو آج گھر سے نکلنا بھی مناسب نہیں تھا لیکن ریشال بھائی کو لگا کہ کہیں تم پھر سے نہ کھو جاؤ۔“ وہ ڈومنی سے بولی تو میرب نے ایک دم ردا کا چہرہ دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہی تھی..... اس کی محبت تو اشتہاری ہو گئی تھی۔

”میرب.....“ اس کے قریب چلی آئی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”مجھے واقعی یہ نہیں تھا کہ تم بھائی سے محبت کرتی ہو اور وہ بھی اس قدر شدید..... میں تو بھی جھٹکتی رہی کہ تم زبان بھائی سے محبت کرتی ہو اگر مجھے یہ چل جاتا تو میں پاؤں پڑ کر تمہارا رشتہ لے لیتی..... لیکن آج سب کچھ خود تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔ خوشیار تم سے دو ہاتھ کے فاصلے پر ہیں بھائی ہاتھ بڑھائے کھڑے ہیں..... ان کا ہاتھ تھام لو..... بہت دکھ دیکھ لئے خوشیوں پر تمہارا بھی حق ہے۔ گزرے لمحات کے متعلق مت سوچنا بھائی تمہیں خوش رکھیں گے کیونکہ انہیں بھی بہت بعد میں احساس ہوا کہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں زیادہ مت سوچنا..... جلدی فیصلہ کر لے لانا۔“ وہ اس کی پیشانی جوڑتے ہوئے چلی گئی۔ وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ وہ محبت کے پیچھے بھاگی اور محبت اس کے پیچھے دونوں ایک دو بجے کو پکڑ نہ پائیں اور نہ ہی ایک دو بجے کے ہاتھ آئیں۔ کتنے رشتے روندے گئے ہاں ٹوٹ گئے اور اب

جب وہ صبر کا پہلا بی پچلی تھی محبت پھر سے دروازے کے باہر آن کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اپنی گزری زندگی کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا تھا کہ وہ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ وہ سارا دن خالی الذہن کام نمٹاتی رہی..... رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو نمرہ اس کے ساتھ آ کر لیٹ گئی۔ وہ بہت حیران ہوئی..... نمرہ اس کے پاس کبھی آ کر نہیں لیٹی تھی وہ تو بات بھی بس ضرور دیتا کرتی تھی۔ اس نے ماں کے سینے پر سر رکھا اور ساری ممتا سمٹ کر میرب کی آکھوں میں آگئی..... اس کی بیٹی خود اس کے پاس آئی تھی۔

”نمرہ.....“ اتنی چاشنی تھی نمرہ کے لہجے میں وہ قطرہ قطرہ پھیلنے لگی۔

”آپ اگر شادی کرنا چاہتی ہو تو کر لیتا..... میری فکر نہ کرنا..... میں چاچو کے پاس چلی جاؤں گی یا پھر ماموں کے پاس وہ مجھے کھلے گے۔“

”نمرہ.....!“ وہ اسے اپنے ساتھ بھیج کر رودی۔ اس کے دل کو کیسے خبر ہو گئی۔

”اتنی مشکلوں سے تو ملی ہو تم..... اور اب میں کسی اور کا ساتھ پانے کے لیے تمہیں چھوڑ دوں؟ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ وہ تمام بات اس کے فیصلے کی صلیب پر گزری تھی۔ نمرہ نہ بھی کہتی تو بھی اس کا دل اس بچہ پر نہیں آ رہا تھا۔

صبح نمرہ کو اسکول میج کر وہ ردا کے سرال آگئی۔ ایک تو وہ اس دن کے بعد سے اتنی سے نہیں مل پاتی تھی..... دوسرا اسے ردا سے بات کرنا بھی..... لیکن ردا سے پہلے اس کی ملاقات گیٹ سے باہر ریشال سے ہو گئی..... وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی سولہ سال کی لڑکی تو نہیں تھی جو درختوں کو بے قابو ہو جانے دے۔ اس نے خود پر قابو پایا..... اور آہستہ روی سے چلتی ریشال کے قریب آگئی۔

”زہے نصیب.....“ وہ مسکرایا۔ اسی وقت ردا بھی باہر آئی ریشال سے کچھ کہنے دونوں کو وہاں کھڑا دیکھ کر اوٹ میں ہو گئی..... نامناسب تھا لیکن نہ جانے کیوں یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ دونوں خاموش کھڑے تھے..... لفظوں کی تلاش میں

پھریشال نے پہل کی۔

ہی مجھے..... ہمارے پاس اب عمر ہی نہیں بچی گننانے کے لیے۔“ کس عمر کی بات کر رہا تھا۔ میرب نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا وہ سچ بول رہا تھا ایک لمحے کو اس کا دل ڈول ہوا لیکن اگلے ہی پہل وہ خود کو سنبھال گئی۔

”کیا تمہیں میرا ساتھ قبول ہے میرب؟ میں صدق دل سے تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ میری محبت کو مت لوٹاؤ۔“ ایک روٹی مسکائی آواز کسی نے زور سے دروازہ بند کیا تھا اور اس کی محبت دھتکار دی تھی۔

”میں نے کہا تھاں مرے ہوؤں سے محبت نہیں کی جاتی اور کسی نے کیا خوب کہا

بند دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس کے ہاتھ تھک گئے تھے دروازہ نہیں کھلا تھا اس کے ہاتھ کی لکیروں میں ابھی تک سرنی تھی۔

اب حیرے واسطے لے آؤں کہاں سے اس کو وہ جو اک میں تھا۔ دفنائے ہوئے عرصہ ہوا وہ کہہ کر کی نہیں..... واپس پلٹ آئی..... گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے دکانسوں کیوں کا حصار تو ڈکر لکھ اور گریبان میں جذب ہو گئے اسے اب محبت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ مرض لا دودا ہو چکا تھا۔ ٹوٹا پھوٹا کچرے کے ڈھیر جیسا وجود بھی بھی تعفن دے سکتا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی ریشال حیدر کی محبت پر اس کے وجود کی بدبو حاوی ہو جائے اور وہ اس سے جان چمڑا کر چلا جائے اس لیے اس نے اپنی تھڑی محبت کو وہیں دروازے کے باہر پھینک دیا اور کنڈی لگا دی..... زندگی گزارنے کے لیے اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی تھی اور اب اسے صرف اور صرف نمرہ کے لیے جینا تھا..... نمرہ جو زبان شاہ کی آخری نشانی تھی اس کے پاس..... کافی تھی۔

اس نے سر اٹھایا..... کئی سیال پہلے کی شکست خوردگی آج بھی اس کی آنکھوں میں رقم تھی..... اور کھوینے کا لالہ اصر بھی تھا۔

”یشال حیدر.....“ شاید پہلی بار زندگی میں یوں نے اس کا نام چھوٹا تھا۔ اس کے ہونٹ جل اٹھے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہی تھی۔

”جس دن میں تمہارے در سے خالی ہاتھ لوٹی ییشال حیدر بہت سے جنازے اٹھے تھے میرے اندر سے میری محبت کا..... میری عزت نفس کا..... اور اس جنازے کو اٹھائے اٹھائے میرے سارے شے شے ہو گئے..... میں نے اپنا مردہ وجود کہاں کہاں نہیں گھسیٹا؟ اور آج تمہیں مجھ سے محبت ہوگئی تو چلے آئے..... ہونہ.....“ وہ استہزائیہ ہوئی..... ”کون سی محبت اور کہاں کی محبت؟ مرے ہوؤں سے بس یہی محبت ہوتی ہے کہ انہیں یاد کر کے رو لیا جائے ان کی قبر کی صفائی کر کے یا جلادیا جائے ان کے ساتھ جا کر قبر میں نہیں لیٹا جاتا اور نہ ہی انہیں اٹھا کر گھر لایا جاتا ہے میں اپنی محبت کو رو چکی ہوں اب کیسے اٹھ کر اس کے ساتھ جینے کے لیے چل پڑوں..... محبت مدتوں زندہ رہتی ہے لیکن عزت کے ساتھ۔ بے عزت ہو جائے تو شرم سے ہی مر جاتی ہے۔“ وہ رکی..... ریشال دو قدم آگے بڑھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہو گیا..... اس وقت وہ سر تاپا محبت تھا۔

وہ روز روز مرنے کا قصہ ہوا تمام وہ روز دل کو چیرتی وحشت تمام شد
(الحمد للہ مسلسل اشاعت کہ
چالیس سال مکمل)



”محبت کبھی نہیں مرنی میرب شاہ..... تمہاری آنکھوں میں اب بھی زندہ ہے اس لیے پلیر نہ تو خود کو آیت دو اور نہ

کر کہا۔ ”اور ساتھ مجھے بھی نہ مروادینا بھی..... تم جانتی تو ہو شہباز کو کدوہ میری کھال مارے نہ سکی ڈانٹ ڈپٹ اور طعنوں و تھکوں سے اوچیز کر رکھ دے گا۔ خراس کی بھی تو مجبوری یہ تو کوری ہی ہے۔ سب کا مسئلہ ایک جیسا ہی ہے یار..... آپس کی بات ہے ویسے یہ خاتون ویل ڈریسڈ اور ویل ایجوکیٹڈ ہونے کے ساتھ اسٹامپش بھی ہے۔ بیچپن سال کی کہیں سے نہیں گئی۔“

”ڈرامہ کر دیکھو..... کہ مختصر بلاؤز سے جھلکا ہوا اس کا نمکین بدن.....“ اس نے ناقدانہ انداز میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا..... اور سرعت سے دوسری خواتین کی طرف مڑ گئی۔

”باتیں بنانے سے باز نہیں آتی اور پھر ڈر کے مارے پھسکی ملی بھی بن جاتی ہے۔“ سب نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر پھر سے حترم کی باتیں شروع کر دیں۔

”ڈرامہ کر کو کہ ہم سے زیادہ ڈگریاں اس کے پاس نہیں ہیں، تھرڈ ڈویژن میں بی اے کی ڈگری حاصل کرنا کون سا کمال ہے۔“ آمنہ سخت برہمی سے بولی۔

”کوالیفیکیشن کے لحاظ سے کم بخت باہل ہی زیرو ہے کہاں سے ہے ویل ایجوکیٹڈ۔“

”بے شک تم درست کہہ رہی ہو لیکن ڈرامہ ملاحظہ تو فرماؤ کہ سائنولی رنگت پر بوائے کٹ ہال اور چال میں ہلکے ہلکے پچکے اور جب ہونٹوں کو گول کر کے اور آنکھوں کو منکا کر انگش میں بات کرتی ہے تو کسی گوری خاتون سے کم نہیں لگتی..... ہنستی ہے تو کھل کر دوسروں کا مذاق اڑاتی ہے.....“ فرزانہ نے مذہبی انداز میں کہا۔

”ویسے تم بھی کمال کی شے ہو گنگٹو میں زہر اور شہد کی آمیزش کرنا کوئی تم سے سیکھے۔“ آمنہ نے اسے ہنس دیتے ہوئے کہا۔

”وہ کیسے؟“ وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

”تعریف بھی کر ڈالی اور اس میں کیڑے بھی نکال دیئے۔“ فرزانہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگی۔

﴿.....☆.....﴾

رانیہ نے جونہی ہال میں قدم رکھا سب نے فوراً اس کے لیے رستہ چھوڑ دیا۔ مرد حضرات نظریں جھکائے ادھر ادھر بکھر گئے۔ خواتین اپنے چہروں پر گنگٹو مسکان سجانے کی کوشش کرنے لگیں اور رانیہ شان بے نیازی سے چلتی ہوئی اسد کے ساتھ سب سے ملنے لگی۔

”کیا بھتی ہے خود کو؟ بدتمیز اور غیر مہذب عورت۔“ کچھ خواتین نے سرکشی کے انداز میں نفرت و خوف سے ایک دوسرے سے کہا۔

”بوڑھی کھوڑی لال لگام..... ڈرامہ اس کا میک اپ اور پوشاک ملاحظہ فرمائیے جیسے سولہ سال کی حسینہ عالم تو یہی ہے لیکن اللہ کی شان کہ اسے دل سے ناپسند کرنے والے لوگ جب اس کے سامنے جاتے ہیں تو ان کی نگاہیں بچھ جاتی ہیں اور زبان قہیدے اٹھنے لگتی ہے پھر تو ایسا لگتا ہے جیسے اس کے بارے میں دوسروں کے تمام نظریات سراسر غلط ہیں۔“ فرزانہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”ہاں بالکل درست کہا تم نے“ لیکن ان سب کی مجبوری ہے کیا کریں بے چارے لوگ؟ اپنا حال درست رکھیں گے تو مستقبل میں چیز مین اور چیف ایگزیکٹو کے عہدے کی شان و شوکت حاصل کر سکیں گے۔“ ثریا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... بنیادی وجہ یہی ہے ہر ایک اس سے ڈرتا بھی ہے اور اس کے قریب بھی رہنا چاہتا ہے ڈرامہ کر کو کہ اس کا نتیجہ بہت بھیاں کھا ہے کہ اب دوسروں کو بے عزت کرنے اور خود کو ہر عورت سے بالاتر سمجھنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ آئی ہیٹ دس لیڈی.....“ آمنہ نے نفرت آئین لہجے میں کہا۔

”منہ سے نکلے ہوئے ان لفظوں کو فوراً اپنی قید میں لے لو باز در نہ کل ہی ان کے شوہر کے آفس میں پیشی ہو جائے گی اور پھر ان کی پرموشن کو ہمیشہ کے لیے بھول کر رہی تو کوری کے لیے جگہ جگہ خاک چھانی پڑے گی تم تو جانتی ہو نا کہ یہاں تو کوریاں ہیں ہی کہاں؟“ فرزانہ نے سہم

”میں کتنی بار آپ سب کو سمجھانے کی کوشش کر چکی ہوں کہ مجھے رانیہ باجی قطعاً پسند نہیں، رانی ہوں میں آپ سب کی..... رانی صاحبہ مجھ پر بھی چتا ہے اور آپ سب کی زبانوں کو بھی اسی کی عادت ہوئی چاہیے۔“ وہ قدرے ناگواری سے بولی تو گول ٹیبل کے آس پاس بیٹھی ہوئی خوشامدی خواتین ایک دم سے چوٹ کر ایک دوسرے کو ہک دک دیکھنے لگیں۔

”تو پھر سناؤ کس قسم میں اور کیا چل رہا ہے؟ کوئی نیا اسکینڈل؟ نیا مسئلہ یا کوئی نئی افواہیں.....“ وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ ”لڑکیوں آنکھیں اور کان کھلے رکھا کرو ورنہ اپنے شوہروں سے اتھ دھو بیٹھو گی۔ یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔“ اس کی یہ بات سن کر سب کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کیونکہ اسکینڈل مزے لے کر بیان کرنا اور پھر اسے پھیلانا اس کے لیے ٹراکھولا زر سے کم نہیں تھا۔

اس کی زبان پر ہمیشہ دوسروں کے لیے ادب لحاظ سے سنانی باتیں ہوا کرتی تھیں اور اپنی ذات شریف کے لیے بے تحاشا پذیرائی اور بلندی و عالی شان من گھڑت انسانے ہوتے تھے۔ سب اس کی اس عادت کو بخوبی جاننے کے باوجود اسے جھوٹی گئی افواہیں سناتے اور اس سے خوب داد و وصول کیا کرتے تھے۔

”رانی صاحبہ ویسے آپ کا بھی جواب نہیں کیا عقل دیکھا اور دور اندیشی پائی ہے..... ہیں آپ ہر فن مولا.....“ ثریانے پُرستاش لہجے میں کہا تو وہ جھوم سی گئی۔ ”وہ کیسے یار؟“ رانیہ نے جان بوجھ کر پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔

”ہائیں آئی کیو لیول آپ کا لیڈر شپ کو ایلیز آپ میں موجود کنونٹنگ پاور میں آپ بے مثال اور پھر ریفارمر کے کردار میں آپ کا جواب نہیں سپر نیچرل شخصیت کسی سے ڈھکی چھپی بھی نہیں آپ کو یہاں کا ہر فرد بخوبی جانتا ہے اور بہت امپر لیس بھی ہے۔“ آمنہ نے پُرستاش لہجے میں لگاوٹ سے کہا۔

”بس یار! کچھ ایسا ہی ہے..... آج کل اپنا گھر ریویوٹ کر داری ہوں ذرا تم لوگ اس کو دیکھنا کہ اسے رانی کا محل نہ بنادیا تو نام رانی نہیں مہ رانی رکھ دیجیے گا۔“ وہ سرشارانہ لہجے میں بولی۔

”رانی صاحبہ! ایک بہت اہم خوبی بتانا بھول گئی۔“ آمنہ نے تنجیدگی سے نظریں جھکا کر کہا۔

”بولو.....“ رانیہ نے بے اختیار ہی میں کہا..... کیونکہ وہ اس محفل میں اپنی جھوٹی گئی تعریفیں ہی تو بٹورنے آیا کرتی تھی۔ ”حد درجے کی خود اعتمادی! ماشاء اللہ ذہانت و فطانت اور حسن اخلاق میں یکساں ہی تو ہیں آپ..... ہم نے ایسی خاتون آج تک نہیں دیکھی۔“ آمنہ نے پھر توصیف اور ستائش سے لوازہ۔

”رانی صاحبہ ہم نے تو آپ سے تمام سلیقہ و طریقہ سیکھا ہے..... اگر آپ ہماری زندگی میں شامل نہ ہوتیں تو ہمارے شوہر پر بھی پرفیشن چلیجنگ کو برداشت نہ کر پاتے اور ڈپلومیسی کے تمام کاموں میں وہ بھی ناکام ہی رہتے..... اب تو وہ اس تیز رفتار زمانے میں رہنے کا ڈھنگ بھی خوب سیکھ چکے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تو آپ کی باتوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ہماری ہر حرکت اور ہر بات پر آپ کی مثال دینا ہمیں بہت بھلا لگتا ہے۔ یہ بھی تو ہمارے لیے درس ہے ناں۔“

”شکریہ نوازش.....“ وہ کہہ کر بولی۔ ”یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ عزت کی بنیاد انسان کے اپنے سلوک و رویے پر ہوتی ہے۔ جیسے میں تم سب کی مربی و محسن بھی ہوں اور نامکن کو نامکن بنانے میں ماہر بھی ہوں۔ اب دیکھو ناں کتنا منہ کامیاں تو کب کا یہاں سے بے عزت ہو کر چاچکا ہوتا..... یہ میں ہی تو تھی کہ اسد کو سمجھا بھا کر ٹھنڈا کر دیا..... ورنہ مزاج کے وہ گرم تو مجھ سے دس ہاتھ آگے ہیں۔ شوہر کو قابو کرنے کا طریقہ بھی مجھ سے ہی سیکھ لو۔ زندگی بھر اسے انگوٹھے تلے دبا کر رکھو گی تو وہ اف تک نہیں کرے گا۔“

”رانی صاحبہ! ہم سب مجرم اور بھروسہ تو آپ پر ہی

کرتے ہیں کیونکہ آپ اس قابل سمجھی جاتی ہیں آپ کو ایک بے جا رویے کو پینڈل کرنا آتا ہے ناممکن تو ایک منطقی سوچ ہے ناں اور ممکن ایک مثبت سوچ رو یہ آپ کی سوچ بہت اعلیٰ ہے۔“ آمنہ بظاہر مرعوب ہوئی ہوئی نظر آئی تو سب نے اپنی ہنسی اپنے اندر ہی دبائے کی کوشش کی۔

”آمنہ چند دنوں بعد تمہیں ایک بہت اعلیٰ وارفع خبر سنانے والی ہوں۔“ وہ سامنے کھڑی لڑکی کی طرف غور سے دیکھنے لگی جس کی پشت اس کی طرف تھی۔ ”اور ذرا اس کم بخت نامراد کو بتا دینا کہ میں اسے نظر نہیں آئی کیسے میری طرف پیٹھ موڑے کھڑی ہے خود کو بہت کچھ سمجھنے لگی ہے کیا اسے سرخاب کا پر لگ گیا ہے جو اس قدر اکڑا گئی ہے۔ مجھے گردن سے سر ہانکنا بھی آتا ہے اور سرخاب کا پر کاٹنا کوئی مجھ سے سیکھ لے۔“

رانیہ تکبر و پندار بھرے لہجے میں بولی۔ ”منافع ہم سے وصول کرے اور دوستیاں لگائے میری دشمنوں سے جس گروپ میں کھڑی پیچھے لگا رہی ہے میں ان عورتوں کو قطعاً پسند نہیں کرتی۔ دو ٹکے کے ٹکے خاوند کو ہیوی ٹریولنگ الاؤنس دلوانے والی میں ہوں۔۔۔۔۔ اتنی قیمتی ڈیزائنز لمبوسات میکے سے لے کر نہیں آئیں۔ اپنی حیثیت بھول گئی ہیں بے فیض اور خود غرض لوگوں کا ہماری کمپنی میں کوئی مقام ہے نہ جگہ۔ اسے سمجھاؤ کہ میری بلی مجھے ہی میاؤں۔۔۔۔۔ مجھے جانتی نہیں ہے یہ کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا تو میرا نام رانی نہیں۔“ وہ نفرت آگئیں لہجے میں بولی تو سب نے حیرانی سے ماہ رخ کی طرف دیکھا وہ اپنے حسن جمال اور بلند کردار و اعلیٰ اخلاقیات کا شاہکار تھی اور رانی ہمیشہ اس کے خلاف گھنٹوں تک چینی کرتی خود کو تسکین پہنچایا کرتی تھی۔ اسے ہمیشہ ایسی خواتین سے اللہ واسلے کاہر تھا۔

”رانی صاحبہ۔۔۔۔۔ آپ اس کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔۔۔۔۔ یہ عورت ہی گھٹیا ہے۔۔۔۔۔ اسے اپنے حسن پر بہت مان ہے۔“ آمنہ نے لقمہ دیا۔ ”دس بیماریوں کی

شکار خاتون سے آپ کا کیا واسطہ اور لیٹا دیتا۔ جنونی اتنی کہ ہر وقت ہاتھ منہ صفائی دیتی ہے۔ اس کے گھر جانا کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ ہر کپڑے کو استری کر کے جراثیم کا قلع قمع کرنے کا عمل دن میں بیسیوں بار دہرایا جاتا ہے سر پھری اور پاؤں ہے یہ میس تو اس کے قریب ہی نہیں جاتی۔“

”یہ تم مجھ پر طعز کر رہی ہو کہ ماہ رخ کی بیماری کا ذکر کر رہی ہو۔“ رانیہ تنک کر بھنکوں چڑھا کر بولی۔

”رانی صاحبہ۔۔۔۔۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔“ آمنہ نے لرزیدہ لہجے میں کہا۔

اسے تو وہم کی بیماری بھی ہے ہر وقت ہر ایک کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے اور اپنے میاں کی ہر حرکت کو پرکھتی رہتی ہے کیا بادل وہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لے۔ اس کے گھر میں ہر وقت قیامت کا ساں رہتا ہے۔“

”کسی اور بیماری کا بتاؤ جو بتانا باقی رہ گئی ہو۔“ رانیہ نے معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

”نیندر نہ جانے کی بیماری کا تو ہر وقت رونا دھونا سنتا پڑتا ہے۔ ایسی عادات اور بیماریاں لاحق ہوں گی تو نیند کہاں سے آئے گی وہ تو روٹھ ہی گئی ہے اس سے کبھی کبھار اس پر بے تحاشا ترس و جرم بھی آنے لگتا ہے۔ لیکن کیا کریں۔۔۔۔۔“ آمنہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا اس کی زندگی ہی مسائل سے بھر پور ہے۔

”یعنی Insomnia (نیند نہ آنے) کی بیماری بھی اس پر عاشق ہو چکی ہے۔ وہ تو اس کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دے گی۔“ رانیہ نے رواں انگلیں میں کہا۔

”جی رانی صاحبہ یہی توجہ ہے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ غرور تکبر کی جان لیوا بیماری نے اس کو اپنے شکنجے میں لے لیا ہے، جتنی ہے کہ اس کا حسن ہی ہر جگہ دھاک جمائے گا۔“ آمنہ نے خود اعتمادی سے کہا۔ ”یہ خوب صورتی، سلیقہ و قرینہ سب دھڑے کا دھرا رہ جائے گا۔“

”آمنہ! بکواس بند کرو اور یہاں سے فوراً دفع

اپنی زندگی کے بچپن سالوں میں کسی بھی رشتے کو بھانا نہیں سیکھا تھا۔ وہ کمزور کے لیے ظالم اور طاقتور کے لیے نرم و ملائم بن جایا کرتی تھی۔ یہی اس کی سائیکسی تھی جو عمر کے ساتھ جسمانی اختیار کر رہی تھی تجربات و مشاہدات سے یہی دیکھنے میں آیا اور یہی سیکھا ہے کہ ہر عورت اس قدر گرم مزاج کی نہیں ہوتی، صبر و تحمل اور لحاظ داری اسے کھٹی میں ملتی ہے لیکن رانیہ تو اس کے بالکل برعکس تھی کہ جس نے صرف خود سے پیار کیا تھا دوسروں کی عزت کرنا اس کی فطرت کے منافی تھا یہی وجہ تھی اسکول اور کالج کے زمانے میں بھی اپنی گہری سہیلیوں سے معمولی سی بات کا جھگڑنا لیتی اور وہ اس سے فاصلہ قائم کر لیتیں۔

آخر اپنے اکیلے پن کو مٹانے اور مخالفین کلاس فیلوز پر حاوی ہونے کے لیے پھر ایک نیا گروپ بنانے کی تنگ و دو میں مصروف ہو جاتی تھی۔ بچپن کی وہی عادات عمر کے اس حصے میں اس قدر پختہ ہو چکی تھیں کہ وہ خوشامد ماحول میں ہی خوش رہتی اور اپنی خوبیوں کو بڑھ چڑھ کر بیان کرتی، جو دوسروں کے نظریات کے مطابق خامیاں بھی جانی تھیں آج وہ سب کی سانسے تک دک کھڑی تھی۔

”تم اونز ہو..... ہم سب اس کا اعتراف کرتی ہیں لیکن ہم بھی گمے گمے کر رہیں رانیہ یہ یاد رکھو کوئی بھی کمپنی ہمارے بغیر نہ تو ترقی کر سکتی ہے نہ ہی قائم و دائم رہ سکتی ہے اس کا بہت جلد جنازہ اٹھ جاتا ہے۔“ نانہ نے بھی دو بدو جواب دیا ہمیں ریزائن کرنے دو اور کمپنی کے لیے قبر کا انتظام ابھی سے شروع کر دو۔“ یہ کہہ کر تمام خواتین اپنی کرسیوں سے اٹھ کر اس کی طرف شعلہ بارنگاہوں سے دیکھتی ہوئی ایک خالی میز کی طرف چل دیں۔

”خواتین ذرا سوچے اور سبق سیکھیے کہ یہاں تک نوبت کیوں آئی۔ کیونکہ قصور ہم سب کا ہی ہے آج شکرانہ ادا کریں ہم سب کے قوت گفتار سے ہمسکار ہوئیں اور اس مردہ ضمیر کو بھی بیدار ہونے کا موقع ملا۔“

وقت بنی ٹیٹھی ہو..... ہر وقت ہمیں برا بھلا کہتی ہو ہمیں ناچیز اور حقیر سمجھ کر ہر ملاقات میں ہماری انسلٹ کرتی ہو تم کہاں سے ٹھہری ہماری مربی اور ہر دو تم کو ایک ظالم اور جاہل مالکین ہو اس کمپنی کی..... جس نے شوہر کو بھی ہانک رکھا ہے۔“ رانیہ منہ کو کھدک دیکھ رہی تھی کہ منہ جو خوشامدوں میں اپنی مثال آپ تھی آج اس کی زبان نے گفتگو کا رخ کیسے بدلا؟ کہ تمام لحاظ داری اور وضع داری اس کے لہجے سے روپوش ہو گئی تھی۔

”رانیہ..... مجھے بھی تم سے ایک حساب چکانا ہے تم جو ہر ملاقات پر مجھے ذلیل و خوار کرتی رہی ہو اسے میں نے شیر مادر سمجھ کر پی لیا تھا تم اپنے اندر کا زہر ہم میں اُبھیل کر شاداں و فرحان ہوتی ہونا..... ہم سب آج اپنے اندر کی شیرینی تم میں منتقل کرنے کی کبیرہ منگی کرنے کی خواہاں ہیں۔ ہمیں اس کی اجازت دے دو۔ شاید تمہارا مردہ ضمیر زندہ ہو سکے کہ رشتہ دینے والا رب ہے نعوذ باللہ تم ہرگز نہیں۔“ شامکہ نے بھی ہمت کو یکجا کرتے ہوئے کہا۔

”اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ رازقی تم ہو تو ہمارے شوہر کل ہی نوکری سے دستبردار ہو جائیں گے۔ وہ نوکری کمپنی کی کرتے ہیں تمہاری نہیں۔“ فرزانہ نے مشکل کہہ دیا..... وہ سوکھے پتے کی طرح لرزے لگی تھی۔

”اونز تم ہو کہ میں.....“ وہ جتنی تو شادی حال میں سب نے مڑ کر ان کی میز کی طرف متوجہ نظروں سے دیکھا کیونکہ رانیہ ایک انا پرست، حسد و عناد اور احساس کمتری کی شکار عورت تھی جس کی فطرت سے کمپنی کا ہر فرد بخوبی واقف تھا۔ جس نے صرف اور صرف دوسروں پر اپنے اٹیٹش کی وجہ سے حاوی ہونا ہی سیکھا تھا۔ جسے وہ اپنی بڑائی اور عظمت گردانا کرتی تھی، مرد اس کی ہر ناجائز و نامناسب بات کو اس لیے ٹال دیا کرتے تھے یہ سوچ کر کہ عورت کی اپنی بھی عزت و حریم ہوتی ہے اگر اسے اپنے مقام کا علم نہیں تو مرد کو ہی اس بات کا دھیان رکھ کر اس کی بیہودہ اور فضول باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ رانیہ نے

کا بہت اہم کردار ہے یہ مت بھولو۔۔۔۔۔ وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

”میاں ایک بات یاد رکھو کہ یہاں سے چھ کو رخصت کرو گے تو ان کی جگہ تمہیں بیسیوں ان سے بہتر لوگ ملیں گے، ایسے دو ٹکے کے بے عزت لوگوں کو میں قطعاً برداشت نہیں کر سکتی، تو انہیں رکھنے کا کیا فائدہ تمہاری اور میری چٹقلش و اسٹارٹ ہوگئی ناں۔“ وہ تیزی سے بولی۔

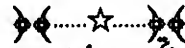
”تو پھر حترمہ..... ایسا کیجئے کہ گھر بیٹھے گھر داری اور چار دیواری تمہارا مقام ہے اس گھر میں مسکین تو کروں پر بعد میرے تمہاری اجارہ داری تو چل سکتی ہے لیکن وہاں کے ملازمین پر ہرگز نہیں..... میں تمہاری ان عادات کی وجہ سے پہلے ہی بے حد ذلیل و بدنام ہو چکا ہوں اب لوگ مجھے تمہاری وجہ سے پہچانتے ہیں۔“ وہ طنز بہ لہجے میں بولا رانیہ کے چہرے پر بخمندی کے سائے پھلی سی مسکراہٹ کے ہمراہ پھیل چکا تھا۔

”تمہیں اس میں فخر ہے، لیکن میرے لیے ندامت و تاسف کا مقام ہے تم میرے آس آنا چھوڑ دو، خواہ وہ لوگوں کی زندگی حرام کرنے کی بجائے جانی ہو اور تمام لوگ میرا تسخیر اڑاتے ہیں جب عورت شوہر کا پہناؤ پہن کر دیکھا ہی ایک کرتی ہے تو تم کیا سمجھتی ہو کہ اس عورت کو معاشرہ باعزت اور پرستاش نظروں سے دیکھتا ہے نا عاقبت اندیش عورت ایسے نہیں ہوتا ہم دونوں ہی کافی حد تک ذلیل ہو چکے ہیں تم جیسی انا پرست عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی..... ذرا ایک تو کمال کر دکھاؤ وہ تمہاری دوست مسز عثمان ہے ناں اور بھی اس مزاج کی کئی خواتین تمہاری سہیلیاں ہیں ذرا انہیں صرف ایک بار پانچ منٹ کے لیے اپنا مزاج دکھاؤ اور ایسی ہی زبان استعمال کرو جو تم اپنے انڈر کام کرنے والے حضرات کی بیویوں سے روار کھتی ہو اور ان کے شوہروں کو بیگمات کے خلاف آکاسی ہو ذرا ایسا ہی رویہ اپنی ان سہیلیوں پر آؤ کہ وہ کیوں جن کا تمہارے ادارے سے دور

”اب یہ بتاؤ کہ میاں کو کیا جواب دیں گے؟“ آمنہ نے نظر اٹھانے لہجے میں کہا۔

”آج تو کمال ہی ہو گیا“ نجمانے اتنی دلیری کہاں سے گئی تھی؟ ہم اسے دھمکی تو دینے میں کامیاب ہو گئی ہیں جو ہمارے بس کا روگ نہ تھا، اب آگے کیا ہوگا؟ آنے والے مشکل ترین وقت کا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو کیسے تیار کیا جائے؟“

”فی الحال اس انا کی چٹان کو ریزہ ریزہ تو کر ہی دیا ہے ناں..... کل آئے گا تو دیکھا جائے گا۔“ شائلہ نے لا پرواہی سے کہا تو سب مسکرا دیں۔



”میاں میں نے تمہیں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ ان چھ عدد ملازموں کو تو ہر صورت میں کل کی مبارک صبح فارغ کر دیا جائے ورنہ مجھے قدم اٹھانا پڑے گا.....“ رانیہ نے غصیل و غضب میں چیختے ہوئے کہا تو اسد بھی اسی تیز و الیم میں بولا۔

”یہ ناممکن ہے اور اگر تم نے آفس میں قدم رکھا تو سوچ لو اس کا انجام، مشکل سے پڑھے لکھے لڑکے اور لڑکیاں ڈھونڈ پاتا ہوں، تم انہیں فارغ کرنے میں ایک بل نہیں لگاتی، کچھ عقل کرو آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا یہ فیصلہ جتنی اور آخری سمجھنا۔“

”یہ تو میری بے عزتی ہے اور تم جانتے ہو کہ میں اپنی بے عزتی ہضم نہیں کر سکتی۔“ وہ برجستہ بولی۔ ”بیار پڑ گئی تو اسے کیا کر گئے، کیا دوسری لٹاؤ گے۔“

”تیکم دوسروں کو بھی اپنے پیمانے میں ڈال کر سوچو کہ ہر ایک کو اپنی عزت نفس بے حد عزیز ہوتی ہے تم اپنی زندگی میں تمام رشتہ دار، دوست احباب اور تمہارے ماتحت کام کرنے والے بے شمار لوگ جو تمہارا لحاظ بھی کرتے رہے تم نے انہی کو ہر قدم پر ذلیل و رسوا کیا..... اور آج کوئی کا بیڑا غرق کرنے پر تیار ہو تمہاری تمام عیش و عشرت اسی کی ترقی کی مرہون منت ہے اور اس کی ترقی میں انہی تجربہ کار پڑھے لکھے لوگوں

پار کا واسطہ نہیں۔ تمہارا کیا جشہ کرتی ہیں شریہ وہ تمہارا اس شہر میں جتنا حرام کر دیں گی یہ جو یہاں دندناتی پھرتی ہوئاں اور اترا تاتی ہوئی نظر آتی ہو سب پر پانی پھر جائے گا اور تم جیتے جی مر جاؤ گی۔“

”سب بکواس میاں تم سے بات کرنا ہی بیکار ہے۔ میں اپنا ہر مسئلہ حل کرنے کے لیے خود ہی کافی ہوں۔“ وہ تنک کر بولی۔

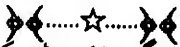
”خبردار جہاز کے بعد میرے کسی معاملے میں دخل اندازی کی۔ تم میرے آفس سے باہر کے تمام مسائل حل کر سکتی ہو مجھے قطعاً اعتراض نہیں..... خبردار جو تم نے میرے آفس کی طرف رخ بھی کیا۔ میں سب کے سامنے تمہارا وہ حال کروں گا کہ تم دوبارہ اس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکو گی۔“ وہ تھکنا لہجے میں بولا تو اس نے اپنا تکیہ اٹھایا اور بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

”دماغ پہلے ہی بہت خراب تھا اب تو حد ہی ہو گئی ہے کہ کسی کو اپنے جیسا سمجھتی ہی نہیں ہر ایک کو انگوٹھے تلے دبا کر رکھنے سے عزت بڑھتی نہیں گھٹتی ہے لیکن انفس کہ بھڑوں کے جھپٹے میں ہاتھ کون ڈالے ہر ایک اپنی عزت بچانے کے پکر میں ہے میری ہی قسمت پھوٹ گئی ہے مجھے اس سے تنگ کر دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہوئے ورنہ یہاں انہیں کسی چیز کی کمی تو نہ تھی۔ اسی کی وجہ سے غیروں کی نوکریاں کرنے پر مجبور ہے پیارے۔ میری عمر بھی ڈھل رہی ہے نہت اور وقت میں بھی زمین و آسمان کا فرق آ گیا ہے لیکن اس کی نہ جوانی ڈھل نہ ہی مزاج ٹھنڈا پڑا۔“ وہ خود کلامی کرتے ہوئے بستر سے اتر اور گاؤں کنڈھوں پر ڈال کر اس کی طرف چل پڑا۔

”گھر میں ہم دو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوش و غرم رہنے سے قاصر ہیں یقیناً قامت ایسی ہی ہوگی جھوڑو اسد یار اپنے جیون ساھی سے لڑنا جھگڑنا ناراضگی اور لعن طعن درست نہیں۔“ وہ بزمِ رُکی میں

گھرے سوچ رہا تھا۔

”اسد بار آ جاؤ خبردار جو اس کو منانے کی غلطی کی اس کو سیدھا راستہ دکھانے کی سبیل نکالنی چاہیے میری نرم مزاجی نے ہی تو اسے ہکا بکا کر رکھ دیا ہے اس نے جس سے تعلق اور ربط ختم کرنے کا حکم صادر کیا ہے وقوف اسد نے سر تسلیم خم کر لیا۔“ وہ یہ سوچ کر واپس پلٹا اور اپنے کمرے میں کچھ کر دوا زہ اندر سے لاک کر لیا..... میں تمہیں اپنا کمرہ اس وقت تک شیئر کرنے کی اجازت نہیں دوں گا جب تک تم ایک عورت کے عظیم مقام کو پہچان نہیں لیتی۔



جو اکڑ و غرور میں گھرا تو پھر وہ ٹوٹ کر پاش پاش ہو جاتا ہے جڑنا بھی چاہے اٹھنا بھی چاہے دوسروں کو گلے لگانا بھی چاہے لیکن ایسے ہونہیں پاتا دنیا اس کے اوپر سے گزر کر اسے مٹی میں ملا دیتی ہے کچھ ایسا حال تمہارا نہیہ کا۔

”کہاں گیا مذاق طنز و مزاح نہماشی باتیں دوسروں کو نیچا دکھانے والی حرکتیں تمہارا فلسفہ حیات کہاں چلا گیا..... کس آج بالکل تمہا ہو۔“ وہ کھڑکی میں کھڑی بیٹے ہوئے ماضی میں خود کو تلاش کرنے لگی اسے محسوس ہوا کہ وہ تو کل بھی تمہا ہی آج بھی اکیلا پن ہی اس کے ساتھ ہے۔ ”اس حسین دلنشین زندگی میں میں کہاں پر تھی؟ کہیں بھی تو نظر نہیں آتی خاوند بھی علیحدگی میں خوش رہنے لگا اور مجھے کسی دوست نے بھی منانے کی کوشش نہ کی یہ سوچ کر پرواز خیال بھی دھیمپا پڑنے لگا سر چکرانے لگا اور آنکھوں کے آگے اندھیرے کا دبیز پردہ کر کے رکھا گل کرنے لگا اور چند لمحوں بعد وہ ویں ڈھس گئی۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو ہسپتال میں پایا اور وہی اس کی چھ عدد تعلیم یافتہ خواتین جنہیں وہ اپنی رعایا میں سے سب سے بڑھ کر حقیر سمجھا کرتی تھی وہ اس کے بیڈ کے آس پاس بیٹھی سورہ یٰسین پڑھ رہی تھیں۔ سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے فوراً آنکھیں موند لیں دل

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زید کچن میں آتا ہے تو زہر ملی دوا دیکھ کر چونک جاتا ہے بوا کی زبانی اسے صوفیہ کی کچن میں آمد کا پتا چلتا ہے جب ہی وہ فوراً وہاں پہنچ کر ان کی خودی کی کوشش کا کام بناتا ہے صوفیہ بے اختیار تمام باتیں اسے بتا دیتی ہیں جس پر زید اپنی ماں کی جانب سے معذرت کرتا تمام حالات کو بہتر کرنے کا یقین دلاتا ہے دوسری طرف سودہ کے لیے بھی ماں کا رویہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اپنی ذلت اور رسوائی کے بعد وہ شدید پریشان کا شکار ہو کر برسوں کی بیمار نظر آتی ہے جس پر بوا اور دیگر گھر والے بے حد متشکر نظر آتے ہیں۔ لاریب اپنے ارادوں کو ناکام ہوتے دیکھ کر جہاں آرا کے پاس پہنچتا ہے اور اپنی گستاخی کی معافی طلب کرتا ہے وہ انشراح کو حاصل کرنے کے لیے بے چین نظر آتا ہے جس پر جہاں آرا بھی کسی سوچ کے تحت اس کی معذرت قبول کر لیتی ہیں۔ انشراح یوسف صاحب سے بدلہ لینا چاہتی ہے اور اس مقصد کے لیے اسے نفل کو بطور ہتھیار استعمال کرنا پڑتا ہے جب ہی وہ اس کے بدلے نئے رویوں پر خائف ہونے کے بجائے اس سے دوستی کر لیتی ہے تاکہ اپنی ذات کی تزیین کرنے والوں سے بھر پور بدلہ لے سکے جبکہ نفل اس کے تمام ارادوں سے بے خبر اپنے دلی جذبات سے مغلوب ہو کر اس دوستی پر بے حد خوش نظر آتا ہے۔ یوسف صاحب کو باہر رحمت کے ذریعے مکافاتِ عمل کا احساس ہوتا ہے انہیں لگتا ہے کہ ماسی میں ہونے والے گناہ آج بھی انہیں بے چین رکھتے ہیں اور وہ ان کا ازالہ کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ باہر کے والدین باہر چلے جاتے ہیں ایسے میں اس کا کھانا اپنی سرسالی آتی ہے تو انشراح کو بھی اپنے ہمراہ لانی ہے جہاں نفل اسے گھر ڈراپ کرنے کی آفر کرتا ہے انشراح بھی اسے اپنے جال میں پھنسانے کی خاطر ہامی بھر لیتی ہے واپسی پر کچھ افراد ان کی گاڑی روک لیتے ہیں نفل ان کے آگے ہار ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا لیکن وہ انشراح کو ڈھال بنا کر نفل کا ضبطہ آڑتا ہے ہیں ایسے میں نفل کے لیے یہ برداشت کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے انشراح کے ہونٹ سے خون بہتا دیکھ کر نفل پریشان ہو جاتا ہے۔

(ابا گے پڑھے)



بہتے خون کو محسوس کرتے وہ ہونٹوں کو چھونے والی تھی کہ نوبل نے ٹشو باکس سے کئی ٹشو رکھال کر فوراً اس کی طرف بڑھائے۔

”خون مکمل رہا ہے تمہارے منہ سے، ہمیں فوراً اسپتال جانا ہوگا۔“ وہ بری طرح پریشان ہوا۔
 ”اسپتال جانے کی ضرورت نہیں ہے ٹھیک ہو جائے گا انہی۔“ وہ اٹھو سے ہونٹوں کا زخمی حصہ دباتی ہوئی گویا ہوئی۔
 ”تمہارے فیس پر سوئنگنگ بھی ہے پین لازماً ہو رہا ہوگا میڈیکل ٹریٹمنٹ تمہیں فوری ضرورت ہے۔“ نوزل اس
 وقت ایک مکمل ہڈر بے حد حساسانہ محض نظر آ رہا تھا اس کے انداز میں نرمی و لہجہ دوستانہ تھا وہ شدت سے اس کی تکلیف
 محسوس کر رہا تھا۔

”میں اسپتال نہیں جاؤں گی مجھے کمر جانا ہے۔“
 ”لا حاصل بجٹ کرنا تمہاری پرانی عادت ہے۔ بت میں تمہیں اس طرح کمر نہیں چھوڑوں گا انڈر سٹینڈ۔“ اس کی نہ
 نی کی کمر مارنے نے نفل کو سخت لہجہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا اس کی نگاہیں گاہے بگاہے انشراح کے ہاتھ میں دبے نشو و
 انڈر ہی نہیں جو سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

”اسٹوپڈ گرل یہ وقت اکڑ دکھانے کا نہیں ہے تمہارے اندر جلتی بدلے کی آگ کو سرد کرنے والا یعنی تمہارے انتقام کا شکار بننے والا پہلا اور اہم ہر بھی شخص ہے تو خود بالی کے ساتھ مل کر اس بندے کو موم کرنے کی ننگ ٹانگ کرتی

راتی ہے اور اب جبکہ وقت کی مہرانی تم پر نچھاور ہو رہی ہے تو ٹوٹا تھا آبی بازی کو خود مات دے رہی ہے۔“ اس کی جھلاہٹ پر وہ کوئی کرارہ سا جواب دینے والی تھی کہ اس کے اندر سے کئی نے سرگوشی کی۔
 ”یہ وقت کی مہرانی ہی ہے ناں کہ کل تک تیری پر جھانپیں سے بھی دور رہنے والا شخص اس وقت کیسا موم بنا ہوا ہے تیری خیر خواہی میں لگا ہوا ہے کل اس کے کو وقت بدل جائے اور یہ پھر پھر بن جائے مجھے مشکل سے کام لینا ہوگا۔“



جنید جس دروازے کو بلا جھجک عبور کر کے آگے بڑھ جایا کرتا تھا آج وہاں پاؤں رکھتے ہوئے بھی اسے جھجک و گھبراہٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا عجیب موڑ دیا تھا زندگی میں..... کل تک وہ دوست کی حیثیت سے آتا رہا تھا کوئی ایسا مسئلہ درپیش نہیں تھا اور اب جبکہ اس سے بہت خاص دوستی درشتے داری کا بندن پندہ چکا تھا تو قربت کی جگہ فاصلے اور بے تکلفی اجتناب میں بدل گئی تھی۔ رشتہ ہونے کے بعد روبرو ان کی پہلی ملاقات بھی زید کے انداز میں سرد مہری و کھر دردا پن تھا مصافحہ بھی بے جان ہاتھوں سے کیا تھا۔ جنید کو اس سے اسی رویے کی توقع تھی۔ وہ جانتا تھا اس کا رویہ اسی طرح سخت و اجنبیت بھرا ہوگا مگر پھر بھی دوستی کی ڈھنسی کشتی کے ساتھ ساتھ آہر کا دل بھی ڈوبنے لگا تھا کہ زید کی بے رنجی و بے گمانی اسے کسی طور گوارہ نہ تھی۔

”کیا لوگے جائے کافی یا کولڈ ڈرنک۔“ وہ دونوں آٹنے سانسے پر اجماع تھے درمیان میں تمام لوازمات سے بھی میز تھی وہ معاملے کے بعد لیپ ٹاپ میں الجھ گیا تھا یا راز فرار حاصل کی تھی پھر طویل توقف کے بعد وہ گویا ہوا وہ بھی اسی طرح لیپ ٹاپ پر لگا ہیں جمائے ہوئے سرسری لہجے میں۔

”وہ ہی بی بیوں کا جو تم بیٹا چاہو گے۔“ مسکراتے ہوئے اس نے لہجے میں بے تکلفی پیدا کی۔
 ”ہاں! دادے میرا کچھ بننے کا سوڈ نہیں۔“ تجزی سے متحرک انگلیاں لہجے بھر کر کہیں نگاہ پل بھر کو اس کی طرف اٹھی وہ شا کڈرہ گیا لہجے سے زیادہ آنکھوں میں کات بھی بوجھل سرخ آنکھوں سے عیاں تھا وہ کئی راتوں سے سکون سے سویا نہیں مضطرب انتشار مضطرب اس کی روشنی آنکھوں میں چمک رہا تھا جنید پہلو بدل کر رہ گیا۔

”کوئی بات نہیں..... موڈ میرا بھی نہیں ہے آٹس سے جوں کی کر ہی چلا تھا۔“
 ”ہوں کوئی کا تم؟“ وہ لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کرتا ہوا اسی لہجے میں اس سے مخاطب ہوا جو جنید کو پریشان کر رہا تھا۔
 ”میرا مطلب..... یہاں آٹنے کا مقصد کیا ہے؟“

”مجھے معلوم تھا تمہارا رویہ یہی ہوگا میرے ساتھ..... معاف کرو میں نے تمہارا اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔“
 ”معافی کس بات کی؟ تم نے وہ ہی کہا جو تمہیں کرنا چاہیے تھا غلطی میری ہے حق بن مجھ سے سرزد ہوا آستین میں ساپ پال کر تو قلعہ کر بیٹھا تھا کہ نصے ڈسائیں جائے گا لیکن.....“

”زید پلیز..... جتنے جو تے مارنے ہیں مار لو جو سزا دینی ہے وہے دو میں اف نہیں کروں گا مگر اتنی اجنبیت دے بے گمانی مت برتو۔“ جنید کی آواز جذبات کی شدت سے بھر گئی تھی۔

”افسوس ہے میرے سامنے تمہارے یہ ڈرامے فلاب ہیں میں ایسی باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ آدنی کتابہ کر دارو ادبش ہو مگر اخلاقی طور پر دوستوں کی بہنوں کو اپنی بہنوں کی مانند ہی عزت دیتا ہے مگر تم تو اخلاقی طور پر بھی اس قدر سخی ذہنیت کے حامل نکلے کہ..... میں یہ سوچ کر شرمندہ ہوں کہ کیا میری دوستی کا معیار اتنا گھٹیا ہے۔“ وہ سر جھکائے سن رہا تھا یہ اس کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھا زندگی لڑکیوں سے فلرٹ کرتے ہی گزری تھی اور حد یہ تھی کہ اس کے ہر فلرٹ کا گواہ وہ شخص ہی تھا قسمت سے جس سے اتنا اہم رشتہ جڑ گیا تھا زید نے قدم قدم پر اس کی رہنمائی کرنی چاہی تھی لیکن وہ بڑی کا

”حیرت ہے..... بہت زیادہ حیرت.....“ رات کا سیاہ آنچل ابھی تک قائم و دائم تھا سرک پر ٹریفک برائے نام تھی کار درمیانے انداز میں رفاں دواں تھی۔

”کیسی حیرت ہو رہی ہے جو بہت زیادہ ہو رہی ہے۔“ اسٹیرنگ گھماتے ہوئے وہ اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولا مگر اس کے رخسار کی وجہ و نیلاہٹ نے اس کے لبوں سے مسکراہٹ ایک دم غائب کر دی تھی اس نے گہری سانس لیتے ہوئے ونڈ مسکرین پر نگاہ جمادی دل بڑھ مردہ ہو گیا تھا۔ اس کی اس حالت کا ذمہ دار اسے اس درد میں مبتلا کرنے والا وہ خود تھا کیوں اس نے ان لٹیروں کو ڈھیل دی کہ اسے نکلنے ہی درگت کیوں نہ بنا ڈالی اس کی سیٹھی کے خیال سے ہی ان پر وار نہ کیا تھا مگر چوٹ اسے پھر بھی لگ گئی تھی۔

”آپ کے متعلق پوری جامعہ میں یہی مشہور ہے کہ آپ پتھر دل ہیں، کسی لڑکی کو دیکھنا اپنی انسٹلٹ فیل کرتے ہیں لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔“ وہ اس کی سوچوں سے بے خبر تکلیف کے باوجود کہہ گئی تھی۔

”نفرت کرتا ہوں، لڑکیوں سے بات کرنا بھی تو بہن سمجھتا ہوں ان لڑکیوں سے جو رشتوں کے تقدس کا قتل کرتی ہیں اعتماد و وفا کو تماشہ بنا دیتی ہیں اور ایسی لڑکیوں کو میں عزت نہیں دیتا۔“ اس کے چہرے پر مخصوص سنجیدگی کی چھائی تھی۔

”ہر لڑکی ایسی نہیں ہوتی، ہر تالاب میں کچھ پھلیاں گندی ہوتی ہیں پھر سب کو گندہ کہنا کہاں کا انصاف ہے، ایسے ہی کچھ مرد دے وفادارے رحم ہوتے ہیں بظاہر بہت نیک و پارسا پولا سنٹ، ہر کسی کی دادرسی کے لیے تیار ہر ایک کے دکھ و درد میں کام آتا جن کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے باہر سے روشنی کا مینار دکھائی دینے والے ایسے لوگ باطن کو سیاہ رکھتے ہیں وہاں اتنا اندھیرا ہوتا ہے کہ اگر وہ لوگوں کی نگاہوں میں آجائے تو ساری شخصیت مسخ ہو کر رہ جائے۔“ وہ اپنی رو میں بہتی چلی گئی۔

”مجھے پتا ہے..... دنیا میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں یہ ہم پر منحصر کرتا ہے ہم کس سے کیا حاصل کرتے ہیں؟ ہر عمل کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔



شاہ زیب نے باپ کی طبیعت کے پیش نظر یو کی زبانی سنی تمام حقیقت بیان نہ کی تھی سب چھپا گیا تھا جانتا تھا کہ وہ سودہ کو سگی بیٹی سے بھی زیادہ چاہتے ہیں بہت ہی محبت بھرا رشتہ تھا اس سے اگر اس واقعے کی معمولی سی بھٹک بھی ان کو مل گئی تو ان کی طبیعت مزید بگڑنے کی سوز گڑے گی وہ بڑی مہاکاوی طبع سبق بھی سکھادیں گے اور بڑی مہاکاوی مزاج کی ہندی و ترشی سے بھی وہ خوب واقف تھا جواباً وہ خاموش بیٹھنے والی نہ تھی گھر میں شدید ہنگامی ماحول پیدا ہو جاتا سودہ کی شامت پہلے سے زیادہ بڑائی جاتی..... صوفیہ پھوپھو کو مزید طعنے سننے کو ملنے اور سب سے زیادہ کھجائی یو کی ہو جاتی جو خوف سے پہلے ہی کچھ بتانے کو راضی نہیں ان سے وعدہ خلائی کا مرتکب بھی نہیں ہو سکتا تھا کی قبائیں تھیں درحقیقت کئی مشکلات راستہ رو کے گھر کی تھیں وہ اس کڑوی چٹائی کو پی گیا تھا۔

مگر مدثر صاحب کو اندر ہی اندر بے نام سی بے چینی لگ گئی تھی صوفیہ کے تانا تانا سودہ کی مشکینی و شادی کرنے کے فیصلے نے ان کو بے سکون کر دیا تھا ایک ہفتے تو وہ بستر سے گھرے اور ہمت پاتے ہی وہ سیدھے گھر آئے منور زمرہ اور صوفیان کو لاؤنچ میں ہی مل گئی تھیں سلام و دعا کے بعد وہ سیدھے اپنے مدعا مانے۔

”تمہیں یہ پھیلی یہ سروسوں جمانے کا شوق پیدا کیوں ہوا صوفیہ اپنی جلدی کوئی گڑیا گڈے کی شادی کرنے میں بھی نہیں کرتا، جتنی جلدی تم سودہ کی شادی کرنے کا فیصلہ کر رہی ہو۔“

”بھائی جان وقت دیکھ رہے ہیں آپ کتنا نازک چل رہا ہے عزتیں سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے نت نئی خبریں سننے کو

واجب بین کے گیٹ واکر نے اور اس کے اندر جا کر غائب ہونے تک وہ رکا رہا اس کی نگاہیں اوٹھل ہونے تک اس کا پیچھا کرتی رہی تھیں پھر زن سے وہ کار لے لڑا۔

حسب معمول بالی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی اس پر نگاہ پڑے ہی وہ گھبرا گئی اس نے مختصر جھوٹا ہاتھ دیا ایک تو تکلیف کی شدت زیادہ تھی جس کو وہ نفل کی موجودگی میں ضبط کرنی آئی تھی کسی بھی حال میں وہ اس کے گھر کو نہ پڑنا نہیں چاہتی تھی پھر گھر آتے ہوئے انکجشن نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ بالی سے گفتگو کے دوران ہی وہ مدھوس ہوئی تھی صبح بیدار ہوئی تو درد میں بھی خاص آرام آ گیا تھا اور چہرے کی وجوہن بھی غائب ہو گئی تھی ہونٹوں کے پاس معمولی سا زخم رہ گیا تھا وہ فریٹس ہو کر آئی تو نالی ناشتے پر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”ارے یہ کیا ہوا ہونٹوں کے قریب یہ زخم کیسا ہے اور تمہارا چہرہ بھی کچھ سوجھا ہوا لگ رہا ہے۔“ وہ عینک درست کرتی ہوئی ہنسنے لگا۔

”ہیر پورٹ پر سب ہو گئی تھی نا تو معمولی سی چوٹ لگی ہے آپ فکر نہیں کریں میں ٹھیک ہوں۔“ وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی مسکرا کر ان کو تسلی دینے لگی۔

”وہ لڑکی عاکفہ کوئی بدروس لگتی ہے جو ہر وقت تمہیں اپنے بس میں رکھنا چاہتی ہے کوئی بھی بات ہو کوئی بھی کام ہو تمہیں اس طرح ساتھ رکھتی ہے گویا تم اس کی زرخید غلام ہو ایک آنکھ نہیں بھائی مجھے اس حراؤ لڑکی سے تمہاری دوستی۔“

”نالو جان پلیز عاکفہ کو گالی مت دیں۔“

”کیسے ندوں! اگر میرا بس چلے تو اس لڑکی کو گالی نہیں گولی مار دوں! سسرال والے اس کے جارہے ہیں اور ساتھ تمہیں لے گئی تم بھی اس کی کوئی بات نالستی کب ہو۔“ وہ انڈے پر انڈے کا دسکی ناشتہ کرتے ہوئے غصہ کر رہی تھیں۔

”اچی نے بہت انکار کیا تھا ساسی لیکن وہ مانی ہی نہیں۔“ بالی اس کے لیے چائے لاتے ہوئے بولی۔

”عاکفہ کے بہت احسان ہیں مجھ پر پھر وہ بہت محبت کرتی ہے نا تو اس جیسے دوستوں کے لیے جان بھی دینی پڑ جائے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گی میں تو عمر رہی تھی زندگی سے نفرت ہو گئی تھی ہر سانس آزار بن کر رہے گی اگراکفہ اور اس کے ممدو پاپہ غلوں سہارا نہ دیتے تو میں نا معلوم کہاں ہوتی آج..... قبر کے بے رحم اندھیروں میں یا کسی پاگل خانے میں۔“

”تمہیں ان لوگوں نے کوئی تعویذ ملا دیا ہے جو ہر وقت ان کی شان میں قصیدہ گاتی کرتی رہتی ہو..... اور پھر تم صبح ہی صبح خالی چائے پینے پیٹھ پٹی ہزار بار سنا کر کیا ہے مگر.....“ اسے چائے پیتے دیکھ کر وہ موضوع بدلتی ہوئی گویا ہوئی۔

”صبح صبح کہاں بھوک لگتی ہے نالی جان۔“



”ماندہ..... ماندہ بات سنو۔“ وہ تیز تیز اس کی طرف آ رہا تھا اور ماندہ روٹی ہوئی پارنگ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

”ایم سوری یازدیری سوری میں شاید بہت روڈ ہو گیا تھا۔“ وہ اس کا بازو پکڑ کر خجالت آمیز لہجے میں گویا ہوا۔

”چھوڑیں! مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی بہت خراب لڑکی ہوں جو آپ کے پیچھے آئی اور خود ہی محبت کا اقرار بھی کر لیا! عجیب و دوغلا سٹم ہے ہمارے معاشرے کا بھی مرد خواہ ہزاروں لڑکیوں سے جھوٹی محبت کی چٹکیں لڑاتا رہے اسے کچھ نہیں کہا جاتا اور لڑکی غلطی سے اپنی جی محبت کا اظہار بھی کر دے تو اسے طعنہ پارا جاتا ہے کہ ”تم خود پیچھے آئی تھیں۔“ وہ اس کی مضبوط گرفت سے بازو نہ چھڑا پائی مگر زبانی وار برابر کرتی رہی تھی جیند نے زبردستی اسے کار میں بیٹھایا۔

کی کتاب واکر کے بیٹھ گئے تھے۔ دافف، جہاں خاندانی رئیس تھے پیراں کی لوہڑی تھی عیش و عشرت میں وہ لپٹے آئے تھے دولت گھر کی باغی و ہواور ساتھ ہی جاہلانہ ظالمانہ حاکمیت بھرے حزان ہوں تو لحاظ سروت و خلوص چھوکر بھی نہیں گزرتے پھر سامنے کوئی چٹا نہیں ہے اپنا نقد ہی سب سے بلند دکھائی دیتا ہے دافف، جہاں بھی خود سے کٹر لوگوں کو کیڑے مکوڑوں سے تشبیہ دیتے تھے اپنی دولت و منصب سے ان کو بے حد پارتھا یہی وجہ تھی کہ مرحوم بھائی کی بیٹی جو ان کے بیٹے یوسف سے عمر میں اٹھارہ سال بڑی تھی گھر کی دولت گھر میں ہی رہنے کی نیت سے کم عمر بیٹے سے اس کی مرضی کے برخلاف شادی کر دی گئی۔

”بابا جان آپ نے زبردستی اپنی من مانی تو کر لی مگر میں کبھی بھی اسے اس کا حق نہیں دے پاؤں گا پھر آپ مجھ سے کوئی شکایت نہ کرنا وہ مجھ سے بہت بڑی ہے بہت بڑی۔“ نوجوانی کا ابتدائی دور تھا وہ ستاروں پر کند ڈالنا چاہتا تھا پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرنے کی شوریدہ سری اس کے اندر پھل پر پائے ہوئے تھے اسی لگ رہا تھا وہ ایسا چمکی ہے اڑان سے نکل ہی جس کے پر کاٹ دیے گئے ہوں۔

”یہ میری پہلی اور آخری زبردستی تھی بیٹا آپ پر میں اب کسی بات کے لیے آپ کو فورس نہیں کروں گا زرقا سے شادی کرنے کا مقصد یہ تھا کہ گھر کی عزت گھر میں ہی رہے باہر نہ جائے۔“ مجاہد عروسی میں لیکن اس کی منتظر تھی اور وہ گلے میں ڈالے گئے پھولوں کے ہاروں کو مار کر پاؤں تلے روندتے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔

”عزت نہیں بابا دولت کہیں دولت گھر سے باہر نہ جائے۔“ وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوا تھا وہ تہقیر لگا کر ہنستے چلے گئے تھے۔ اس زبردستی کی شادی نے اس کے اندر شدید ترین سرکشی اور بغاوت پیدا کر دی تھی گھر میں پہلے ہی ناظم کم گزارا تھا اب تو گھر سے بھاگنے لگا تھا زرقا کے وجود سے اسے وحشت ہونے لگی تھی وہ خاموش و کم سمی لڑکی جس نے کوئی شکوہ و شکایت اپنے لبوں پر نہ جایا تھا وہ ہر جھکائے سوچوں میں گم رہتی تھی۔

”سما زرقا کی خاموشی مجھے ڈسٹر ب کرنے لگی ہے اس کا کوئی حل نکال لیے ناں آپ۔“ وہ مونے مونے طلائی کنگن سے کھیلتی ہوئی بھاری بھر کم ہاں سے ایک دن موقع پا کر راز داری سے بولا۔

”کیوں ڈسٹر ب ہوتے ہوتے تنہا اور بے سہارا لڑکی کیا کرے گی۔“

”میں اسے ڈائریس دیتا ہوں آپ اس کی کہیں اور شادی کر دیں کیوں اس کی عمر خراب کرتی ہیں۔“

”دماغ ٹھکانے پر ہے؟ اچھا آئی سو نے کی چڑیا کون اڑاتا ہے پڑا رہنے دو اسے ایک کونے میں ہاتھ آئی سو نے کی چڑیا میں اڑا سکتی ہوں ناں آپ کے بابا تمہیں دو تین چار جتنی شادیاں کرنی ہیں کریں کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“ وہ شادی تو پھر کرنے کے موڈ میں نہیں تھا کہ ایک کر کے ہی سکون نہیں مل پارتا تھا پھر وہ پڑھائی کے بہانے امریکا چلا آیا اور وہاں پھر سال پر سال گزرتے چلے گئے تھے۔ دولت کی فراوانی و بے خوف زندگی آزادی کی تمام حدود کو اس کرکٹی چلی گئیں تعلیم مکمل کر کے ملک واپس آئے تو باپ کے ساتھ سیاسی اکھاڑے میں قدم جمانے میں کچھ وقت گزارا اور انکسٹن میں بھاری اکثریت سے ووٹ حاصل کر کے منسٹر کی کرسی پر براہِ جان ہو گئے کردار تو داغ دار تھا مگر لوگوں کی حالت زار نے ان کی مفلسی اور غربت بے بسی ولا چاری کے دکھ نے ان کے اندر کے انسان کو بیدار کر دیا تھا وہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتے چلے گئے۔ بہت کم عمر سے میں وہ لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے لگے تھے لوگ ان پر جان دینے کو تیار تھے اس دوران انہوں نے بڑی دھوم دھام سے دوسری شادی کی اور وہ اس شادی سے بہت خوش تھے۔



زیادہ گھرا یا تو سب سے پہلے سامنا ہوا سے ہوا اور حسبِ عادت انہوں نے مڈر صاحب کی طبیعت خرابی کی خبر اس

English

Beautify
your skin,
naturally

English

Neem
Soap Bar

100%
Natural



facebook.com/snscares

کے گوش گزار کی وہ بریف کیس وہیں رکھتا ہوا منور صاحب کے پاس چلا آیا۔
 ”معمولی سا درد تھا ڈاکٹر نے چیک اپ کیا میڈیسن دی آدھے گھنٹے میں ہی مدثر کی طبیعت سنبھل گئی تھی تم پریشان نہیں ہووے ٹھیک تھا کار خود را بنور کر کے گیا ہے اور گھر جا کر خیریت سے پہنچنے کی کال بھی کر دی ہے۔“ منور اس کے پریشان چہرے کو دیکھ کر تسلی دینے لگے زمر نے بھی باپ سے اس کی محبت محسوس کر لی تھی۔
 ”آپ نے ان کو جانے کیوں دیا سارے میں بھی ان کی طبیعت خراب ہو سکتی تھی شاہ زیب کہہ رہا تھا خاصے عرصے سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ پار چیک اپ بھی نہیں کر رہے۔“ اس کے لہجے میں تشویش موجود تھی۔
 ”ہم سب نے ہی بہت اصرار کیا کہ رک جاؤ مگر وہ ر کے ہی نہیں ان کی عادت ہے ایک بات پڑوٹ جانے کی۔“
 زمر دیکھنے نے بھی کنگو میں حصہ لیا۔

”طبیعت کیوں خراب ہوئی کیا ہوا تھا؟“ اسے خوف تھا کہ عمر اندالی حرکت ان کو معلوم نہ ہو گئی ہو۔
 ”کمزور وہ پہلے سے ہو رہا ہے سودہ سے ملنے اس کے روم میں گیا تھا وہاں جا کر کچھ دیر بعد ہی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔“

”سودہ نے کچھ بتایا تھا یا ما کو؟“

”نہیں..... وہ ایسا نہیں کر سکتی۔“

”آپ نے پوچھا ہے اس سے؟“

”پوچھنے کی بات ہی نہیں تھی سودہ کا حراج ہی نہیں ہے کہ اپنے لاپرواہیوں کی دواستان کی کوٹھائی۔“

”پاپا اس کے پاس گئے اور ان کی طبیعت بگڑی۔“

دل تو اس کا بھی گھائی دے رہا تھا کہ وہ ایسی اوجھی حرکت نہیں کر سکتی لیکن اس کے پاس جا کر ان کی طبیعت خراب ہونے کا مقصد تھا کیا یا منور کچھ ہوا ہے جو وہ ضبط نہ کر سکے تھے۔

”اس کی لاڈلی بہت جلد برائی ہونے والی ہے مگر میں آتے ہی اس کی نگاہیں سودہ کو دیکھنے کی عادی ہیں اب وہ رخصت ہو جائے گی اور یہی خیال اسے سنجیدہ کر گیا تھا۔“

”لاڈلی وہ، ہم سب کی ہے میں ابھی سے یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ سودہ کے جانے کے بعد ہم کیسے اس کے بغیر رہ سکیں گے کون ہمارا خیال رکھے گا؟ گھر بالکل ہی سونا ہو جائے گا۔“ زمر دیکھ کر گھوٹا آواز میں گویا ہوئیں

اور وہ پریشان کھڑا رہا۔

”بیٹیاں گھر کی روشنی ہوتی ہیں آنکھوں کی صفحہ ان کو دیکھ کر ہی ملتی ہے لیکن رب کائنات کے حکم پر ان کو رخصت کرنا ہی ہوتا ہے یہ ریت صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔“ وہ خود بھی آبدیدہ ہو گئے تھے انہیں سمجھاتے ہوئے زمر دروئے لگیں۔

”مائی جان وہ ابھی تو رخصت نہیں ہو رہی ناں۔“ وہ ان کے آنسو صاف کرتا ہوا اور کچھ دیر وہ اپنے کمرے میں جانے کے لیے بیڑھیاں چڑھا رہا تھا تو دم بوم گھل ہو گئے تھے۔

خلاف معمول عمرانہ کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا وہاں کے پاس چلا آیا جو ڈالی کرائے گئے بالوں میں برش کر رہی تھیں اس کے سلام کا جواب انہوں نے بڑی خوش دلی سے دیا اور ساتھ ہی بال سمیٹ کر جوڑا بنایا۔

”کیا بات ہے بہت پریشان لگ رہے ہیں۔“ وہ گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”آپ کو معلوم ہے آج پاپا یہاں آئے تو ان کی طبیعت بگڑ گئی تھی؟“

”میں مائدہ کے ساتھ شاپک پرگنی ہوئی تھی پھر وہاں سے رضوانہ بیچا کے گھر چلی گئی اور بیچا کی عادت تو آپ کو معلوم ہی ہے کھانا کھلانے بنا کہاں آئے دیتی ہیں وہاں سے گھر آئی تو یوں نے بتایا تھا۔“ وہ بے متاثر لہجے میں بولیں۔

”پاپا میں دیکھیں بڑھتی جا رہی ہے بہت تیار رہنے لگے ہیں۔“
 ”اے یہ کیا سن رہی ہوں ہاں..... آپ اس آدمی کے لیے فکر مند ہو رہے ہیں جس نے کبھی ہماری فکر نہیں کی زندہ ہوتے ہوئے تھی ہمارے لیے زندہ نہیں ہے میں اور مائدہ گھر میں آئے تو وہ یہیں تھا۔ لیکن اس کی عبادت کو نہ میں گئی نہ مائدہ کیوں جائیں بھلا؟ اس کی بیوی موجود ہے چاہنے والی بیٹا ہے کبیر کرنے والا۔“ ان کا لہجہ بدگمانی و نفرت سے بھرا ہوا تھا زید کے لہجے میں باپ کے لیے محبت و تکرر دیکھ کر ان کو برا محسوس ہوا تھا۔

”آف کورس مہماں ہمارا بھی ان سے وہ ہی تعلق ہے پھر اب طویل عرصہ گزر گیا ہے اس سارے قصے کو تو قریب پر

ہوئے جو ہوا سو ہوا پلیز معاف کر دیں پاپا کو وہ.....“
 ”شٹ اپ..... شٹ اپ، یہ معلوم بھی ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں میں اور اس ہرجائی آدمی کو معاف کر دوں دوبارہ سے اس کا ساتھ مانگ لوں۔ یہ ممکن ہی نہیں..... جس طرح زمین و آسمان مل نہیں سکتے اسی طرح مدثر اور میرا ملن بھی نا ممکن ہے۔“ وہ شدید ترین غم و غصے میں مبتلا ہونے لگیں۔

”معاف کرنا اچھی بات ہے درگزر کرنا زندگی کو بڑھ سکون کرتا ہے آپ ایک بار ان کو معاف کر کے تو دیکھیں مہما۔“ اس کے بھاری لہجے میں التجا تھی جب سے منور صاحب کی زبانی باپ کی مظلومیت کا پتا چلا تھا تب سے ہی دل میں بھرا ان کے خلاف غصہ، عناد و شکوہ دیر سے دیر سے کم ہونے لگے تھے۔

”اسے معاف کر دوں..... اس کے لیے دوبارہ تعلق جوڑ لوں؟“
 ”آپ کا ان سے تعلق جڑا ہوا ہے آپ ان کی شریک حیات ہیں۔“

”یہ تعلق محض کاغذوں میں جڑا ہوا ہے دل سے سالوں پہلے ٹوٹ چکا ہے اور یہ تعلق بھی آپ کی اور مائدہ کی وجہ سے قائم ہے تاکہ کوئی آپ دونوں کی طرف انگلی نہ اٹھائے کوئی یہ نہیں کہے کہ ان بچوں کی ماں طلاق پانچ رہے۔“

”مائدہ کہاں ہے؟“ ماں کو پتھر کی طرح اٹک دیکھ کر اس نے موضوع بدل لیا، بہتر جانا اور زنان کی خطی کا بھی اندیشہ تھا۔
 ”اپنے روم میں سونے چلی گئی ہے۔“
 ”اتنی جلدی ابھی تو ڈنکا ٹام گئی نہیں ہوا۔“
 ”مر میں درد ہو رہا تھا ٹھیکٹ کھا کر لیٹی ہوگی۔“



دل مچلنے کے اسباب ہوا کرتے ہیں
 بعض چہرے بڑے نایاب ہوا کرتے ہیں
 نیند سے جن کی غمی رہتی ہے ہر شب یارو
 ان کی جھولی میں کئی خواب ہوا کرتے ہیں

رات اسے دیر سے نیند آئی تھی ذہن کی اسکرین پر بار بار وہی مناظر رواں تھے لڑکوں کا کار کو روکنا اس سے تکرار کرنا انشراح کا کار سے لکھنا اور لڑکے کا اس کی کپڑی پر پستول رکھنا ساری رات یہی سب ذہن میں چلتا رہا تھا خاص طور پر اس کے چہرے کی سوچن اور ہونٹوں سے نکلنے خون کے قطرے ذہن پر فریز ہو کر رہ گئے تھے۔ باہر کو رات ہی ساری بات بتا دی تھی۔

”تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی ناں؟“ اس نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔
 ”نہیں۔۔۔ وہ خاصی انجڑ ہو گئی ہے میں نے اسے کبھی ہاتھ مارے نہیں لکھنا وہ بھر بھی نکل آئی تھی۔“
 ”لڑکیاں جب ڈرتی ہیں تو بلا سوجے کچھ فیصلے کرتی ہیں جن میں سراسر نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے اپنی دے تم
 انشراح کو کمر تک چھوڑ کر آئے تھو آئی من گھر کے اندر گئے تھے؟“
 ”نہیں میں نے اسے گیٹ کے پاس ہی ڈراپ کر دیا تھا۔“

”اگر وہ اپنی مائی کی بچہ کی نہیں ہے تو ان کو نہیں بتائے گی۔“ باہر سے بات ہونے کے بعد بھی کئی گھنٹوں تک وہ جاگتا رہا اور بہت جلد ہی بیدار ہو گیا تھا۔ کچھ کھلتے ہی خیال آیا کہ وہ کیسی ہوگی؟ اس نے کال کرنے کے لیے فون سائیڈ ٹیبل سے اٹھا یا تھا تاہم دیکھا تو ہلکی ہلکی صبح نمودار ہو رہی تھی اس نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا۔

ماحول پر بخشی اندھیرے کا راج تھا دور سے اذان کی گونج اور وائز آ رہی تھیں اور وہ بے خود سا سنتا چلا گیا، سکون ہی سکون تھا وہ جب نماز کے لیے بیٹھا یا تو پہلے سے موجود رحمت بابا اور یوسف صاحب سے دعائیں سمیٹیں اور ایک طرف بند آگھنٹوں کو کھولنے کی سعی میں جتلا رہا یہ گود دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

”آگھنٹیں کھول کر چلو گر جاؤ گے۔“ وہ قریب آ کر گویا ہوا۔

مسجد قریب ہی تھی بابا رحمت پیدل جانے ہی کو ترجیح دیتے تھے ان کی بیروی ان سب کو ہی کرنی پڑی تھی کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا سوائے لارے رب کے وہ ان سے کئی بار درخواست کر چکا تھا کہ وہ کار میں چلیں مگر وہ ہر بار بڑی شفقت سے انکار کر دیا کرتے تھے ساتھ ہی صبح سویرے پیدل چلنے کے فوائد گناتے تھے لارے رب نماز ادا کرتے ہی روف چکر ہو گیا تھا وہ اشراق کی نماز کی ادائیگی تک ان کے ساتھ موجود ہوا اور جلدی سے دن نکلنے کی دعا کرتا رہا تھا۔

رضوانہ نے جہنم کے ساتھ مل کر سودہ کے خلاف عمرانہ کے کان خوب بھر دیے تھے وہ جانتی تھیں عمرانہ ہر جھوٹ کو بیچ مانے لگی اور وہ ہر تحقیق کے نہ صرف سودہ کی درگت بننا ڈالے بلکہ زید کو بھی آڑے ہاتھوں لے لگی اور پھر سب تو قح کے مطابق ہوا تھا عمرانہ نے سودہ کی ایسی مار لگائی تھی کہ وہ کئی ہفتوں تک بستر سے نہ اٹھ سکی تھی اور زید کو بھی خوب سنائی تھیں۔ اس قصے کو بھی گزرے دو ماہ گزر گئے تھے سودہ کی منگنی پیارے میاں سے کل ہی ہوئی تھی بڑی سادی سادہ سی تقریب تھی

”یہ بات درست ہے کیا بوانے چائے نہیں پکا کی ابھی تک۔“ وہ وال کلاک دیکھتی ہوئی حیرانی سے گویا ہوئیں۔
 ”اباں پندرہ منٹ ہوئے ہیں آئے ہوئے اور آپ کو چائے کی طلب بھی محسوس ہونے لگی۔“ پیارے میاں باں کی
 اس بے تکلفی سے پریشان ہوئے۔
 ”بوانیبل لگاتے ہی گئی تھیں میں دیکھتی ہوں جا کر۔“ سودہ جو سب کی موجودگی پیارے میاں کی والہانہ نظروں اور
 سرگوشیوں سے حواس باختہ ہو رہی تھی، متوجع ہوتے ہی ہوا کی مانند وہاں سے نکل گئی۔
 ”ارے کیسی باتیں کرتے ہو میاں! اچھی آپ شروع سے کھانے پینے کی شوقین ہیں یہ گھر ان کا اپنا ہے منہ سے مانگ
 کر کھانا ان کا حق ہے۔“ منور صاحب نے کہا۔



سمندر کے سینے پر رواں دواں ایک شب پر اس نے عاکفہ یا پر اور اسی کوڈنر پارٹی دی تھی اسے یقین نہ تھا کہ وہ آئے
 گی لیکن اس کے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے وہ آگئی تھی گرین کلر کی لائٹنگ کبیر دار فراک پر سنہری موتیوں اور
 کنڈن کا کام ہوا تھا ساتھ ہم رنگ دوپٹے پر بھی ایسا ہی سنہری کام تھا جوڑی دار پا جامہ شاہانہ چسپ دکھا رہا تھا کمرے
 نیچے جاتے سرخی مائل گولڈن بالوں کی آبشار اس کی پشت پر گری ہوئی تھی چہرہ میک اپ سے مبرا ہو کر بھی چاند کو شرمایا
 تھا۔ اس نے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ حسن سادگی بے نیازی کیا کچھ نہ تھا انداز میں نامعلوم میسی جادوگری تھی کہاں
 کافسوں تھا کہ وہ اپنی حالت سمجھ بھی نہیں پارا تھا خود کو سنبھالنے کی سعی میں بڑھ چلا ہوا جا رہا تھا۔
 کھانا پر تکلف انداز میں کھایا گیا اندر سے جو اس کی حالت بھی وہ ہی جانتا تھا لیکن باہر سے اس نے خود کو سنبھالا ہوا
 تھا عاکفہ اور بابر کو بھی پہلی بار ہی تنہا کی ملی تھی اور کچھ ماحول کی رومانیت کا بھی اثر تھا وہ ان سے بے نیاز ایک دوسرے
 میں کھوئے ہوئے تھے شب پر بنے چھوٹے سے میز میں پو پٹ شوہر ہوا تھا عاکفہ اور بابر وہ دیکھنے چلے گئے ان دونوں
 نے جانے سے منع کر دیا تھا۔

وہ میز پر چلی آئی آسمان صاف تھا قمری تاریکی میں چاند عاقب تھا سمندر پر جوش تھا اور سمندر کے سینے پر رواں
 دواں خوب صورت روشنیوں سے جگمگا تا وہ شب ایک چھوٹے سے شہر کا نقشہ پیش کر رہا تھا دواں ہر سو پانی ہی پانی تھا اور
 اندر سے میں تیرتا وہ روشنیوں سے جگمگا تا شہر روشنی و اندھیرے کا حکم فسون خیز تھا۔
 ”آپ کو کھانے کی تمنا ہے یا نہیں؟“ وہ اس کے قریب آ کر کہتا ہوا۔
 ”ہم خود کھانے کی ہیں اپنا تماشا کیا دیکھنا ہائی واوے آپ مجھے آپ نہ کہا کریں تم کہہ کر ہی مخاطب کیا کریں۔“ وہ اس
 کی طرف ہنسی ہوئی مسکرا کر گویا ہوئی۔
 ”تم کہہ کر مخاطب کروں اور بدترین کہلاؤں.....“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا ہوا۔
 ”بدترین تو آپ ہیں اس میں کیا شک؟“

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

(الحمد لله مسلسل اشاعت کے چالیس سال مکمل)



زندگی بھی داغدار کر گئی۔ ”بڑی سفاکی کے ساتھ وہ بیٹیوں کی عزت کے تانے بانے اور جڑنے میں مصروف تھیں۔“ چلیں جو ہوا اللہ ایسے دن کسی کو نہ دکھائے آپ چائے پینے آپاٹھنڈی ہو رہی ہے ورنہ سردی میں حرائیں دے گی۔“ ان کا حریان اس موضوع سے ہٹا نا چاہا۔ ”اے تم تو ایسے شخص بیٹھی چائے کے مزے لوٹنا چاہ رہی ہو گویا کچھ ناشی نہ ہو حالانکہ خود تین بیٹیوں کی ماں ہو ذرا بھی دل نہیں کانپا اس واقعے سے تمہارا۔“ انہوں نے ٹھوڑی پکڑی روشنائے کا دل ایک دم سے بے زار ہوا۔ دل چاہ رہا تھا کسی طرح وہ اس کے گھر سے چلی جائیں اور وہ بتایا بیٹیوں کی عزتوں کو داغدار ہونے سے بچالے۔ ”کاش اللہ انہیں بھی ایک بیٹی عطا کرتا۔“ دل سے آؤنگل۔

”تب پتہ چلتا کہ کس طرح بیٹیوں کی آبرو کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔“

”سب انگلیاں برابر نہیں ہوتی آپا جس خاندان کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے اللہ صبر دے اور عزت میں اضافہ کرے۔ بے شک اولاد بڑی آزمائش ہے میں اپنی بیٹیوں کی قدم قدم پر نگہبانی کرتی ہوں وہ تینوں خود بھی کچھ دار اور سبھی ہوتی ہیں اللہ نہ کرے کسی کے ساتھ بھی کوئی مسئلہ پیش آئے آپ بھی دعا کیا کریں۔“ (خرپے اور گلے سے علاوہ) اس نے دل میں سوچا۔

”نگہبانی بھی گھر بیٹھ کر نہیں کی جاتی ساتھ لگنا پڑتا ہے بی بی بیٹیوں کے ساتھ سائے کی طرح ورنہ ایک بار آج آجائے تو بس سمجھو عزت کے ساتھ ساتھ انسان بھی گیا اب اسی لڑکی کو ہی لے لو اے عاشق کے جس دوست کے ساتھ بائیک پر اس سے ملنے جا رہی تھی اس نے خود اس کام کے لیے کس قسم کا مطالبہ کیا ہو گا؟“ وہ کان کے قریب ہوئیں اس کا دماغ جھنجھٹا اٹھا۔

”آپا..... بہت سے کام ہیں۔ آج آپ کے بھائی نے اپنے دوست کی فیملی کو ڈنر پر مدعو کیا ہے۔ ان کے لیے کچھا ہتمام کرنا ہے آ رہی ہوں بزمی اور پیاز لے کر ساتھ

ساتھ کالوں کی۔“ بڑی مشکل سے خود ضبط کیا۔

”آئے شیر کی کدورت کچھ یاد ہی نہیں آنے لگے تمہارے گھر یہ لڑکا شروع سے ہی دوست احباب کے جھرمٹ میں رہنے والا ہے کبھی ٹھٹھول تو اس کی فطرت کا خاصہ ہے اس لیے تمہیں بھی پریشان کرنا رہتا ہے پہلے کی بات کچھ اور بھی پر اب تو اسے اندر کچھ تبدیلی لائے تین بچیوں کا باپ ہے آخروقت کی غفلتیں سجانے کے بجائے کچھ جمع کرے تاکہ ان کی شادیوں کے وقت پریشانی نہ ہو۔“ وہ گھوم پھر پھر ”بی بی نامہ“ پڑھیں۔

کیوں نہ آتیں وہ خود پانچ بیٹیوں کی ماں جو تیس بیٹی کی ماں ہونے کا شرف اللہ نے نہیں بخشا تھا جس کا بہت زعم تھا انہیں جیسے بیٹے پیدا کرنے میں سارا عمل دخل ان کا ہو (نعوذ باللہ) اور لڑکوں کو دودھ سے دھلا بھرتیں ہر سب سے پاک اس لیے بیٹیوں کو حقارت سے دیکھتیں کوئی دس بیٹیوں کی ماں بھی ایسا نہیں سوچتی ہوگی جیسا وہ گمان کرتی تھیں ایسے فقر و غرور میں جلتا تھیں جس کا کوئی حل نہ تھا اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کے نصیب میں بیٹے ہی آئے گردن اور اوپھی ہوتی چلی گئی اور روشنائے تین بیٹیوں کے بعد کسی وحید کی کے باعث ماں بننے کے قابل ہی نہ رہی جس پر اسے پاشیراز کو کوئی غم نہ تھا تینوں بیٹیاں شکل و صورت میں ایسی تھیں کہ جو بھی دیکھتا ماشاء اللہ کھٹا تپا اس کی ساس نما نند کو اس بات کا بڑا قلق تھا۔

”ایک بیٹا بھی اللہ نے دے دیا ہوتا تو میرے بھائی کی نسل آگے بڑھتی کون سہا رہے گا بڑھاپے میں اس کا شیرے کے نام کو کون آگے بڑھائے گا اور تو اور قصہ ہی ختم ہو گیا اور نایک آس تو ہوتی کہ کبھی نہ کبھی اللہ اس نعمت کا حق دار بنادے گا۔“ چھوٹی سی گلابی گڑیا کو گود میں لیے اسے ہمیشہ کی طرح ان کی باتوں سے سہ خاش محسوس ہوتی۔

”جو اللہ کی مرضی آپا اس میں انسان کا کیا عمل دخل جب مجھے کوئی پریشانی نہیں تو دنیا والوں کو کبھی کسی بات کی ٹینشن نہیں ہونی چاہیے۔“

”تم اور بولو گی کیا جب بیٹا ہی پیدا نہ کر سکی۔ بیٹیاں

دروازہ کھولا تو سامنے مٹی کی چپیاں کھڑی نظر آئیں جو شاید ان کی ہاتوں کے طوفان کی زد میں آچکی تھیں اور اب گھبرا کر ایک دوسرے سے سر جوڑے کھڑی تھیں نگاہیں تو فرش سے جا لگی تھیں۔

”نہاں تو قیلولہ فرمائیں گی اب مغرب تلک اپنی اپنی نیندیں پوری کریں گی لڑکیوں کو لگام ڈالے تو کون بس اپنے آرام سے غرض ہوگا ایسے نہیں بالشت بالشت کی لڑکیں اغوا ہو جاتی ہیں اور مائیں بعد میں ایسا دواویلا عیانی ہیں کہ میڈیا تک گھر آ جاتا ہے۔“

”اللہ کی پناہ زبان ہے کہ چھری کی دھار“ اس نے تاسف سے معصوم بچپوں کو دیکھا جو ان کے غمیض و غضب کا نشانہ بنی ہوئی تھیں۔

”گلی میں اس قدر شور مچا رہی ہیں کہ مردے بھی قبر سے اٹھ کھڑے ہوں پر ماؤں کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگ رہی کہ جوانی کی دہلیز پر کھڑی لڑکیوں کو اندر کریں پتہ بھی ہے کیسی کیسی نظروں والے لوٹے لپاڑے پھرتے رہتے ہیں کہ اندر تک تاؤ لیں پر ماؤں کو اپنے آرام سے غرض ہے صرف بھلے سے کچھ بھی ہو جائے خیر ماؤں نے بھی جان بوجھ کر چھوٹ دے رکھی ہوئی ہے کہ کھیلتے کھیلتے اپنے لیے بر بھی تاڑ لیں گی اچھے رشتے کے لیے جوتیاں نہیں گھسانا پڑے گی۔“

”آہا.....“ اس نے مجبوری میں انہیں پکارا کہ کچھ ان کی زبان کو پر یک لگ جائے۔ ”عاطف کو ذرا مغرب کے بعد بھیجے گا بجلی کا کچھ کام کرانا ہے بڑی مہربانی ہوگی شیراز تو صبح گئے گئے رات کو لوٹتے ہیں زائد کام کرنے کی فرصت ہی نہیں آئیں۔“

”کیا کام کرانا ہے؟“ انہوں نے وہیں سے تفتیش کی۔

”ذرا اچھے اور سوچ کا کام ہے سنا سے کام آتا ہے ذرا دیکھ لے گا تم لوگ جاؤ بچپوں شام ہونے کو ہے ذرا کم لکھا کرو باہر۔“ اس نے ان کا دھیان ہٹا دیکھتے ہی ان لوگوں کو اشارہ کیا وہ فوراً نو دو گیارہ ہو گئیں گلناز بھابی نے گھروں

کے اندر جاتا دیکھ کر بھی انہیں تاڑا۔

”اللہ کا غضب ایسے اچھل اچھل کر کھیل رہی تھیں کہ کیا بتاؤں اور وہ شہلا کی بیٹی تو ایسے تھل تھل کرتے وجود کی مالکہ ہے کہ کھلتے ہوئے دھڑکی دال جائے اور تو اور.....“

”آپا چو لے بے دال چڑھی ہے جلنے کی بو آ رہی ہے آپ عاطف کو ضرور بھیج دیجئے گا۔“ اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بول کر دھڑ سے گیٹ بند کر لیا کوئی خاص کام اسے نہیں تھا بس بچپوں کی جان خلا سی کرانی تھی پر یہ حکمت عملی اسے ہی بھاری پڑ گئی مغرب کے بعد عاطف صاحب ہی تشریف نہیں لائے بلکہ ساتھ وہ بھی تھیں ہاتھ میں کھیر کا ڈونگا لیے اس کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا۔

”لو..... رکھو شیر کی کو کھیر بہت پسند ہے فرق میں ٹھنڈی کر لو چلو بھئی عاطف جلدی جلدی کام بنناؤ ابھی تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔“ ان کا انداز عجیب سا تنبیہ لیے ہوئے تھا اسے کچھ اچھا محسوس نہ ہوا اس تیس بائیس سالہ لڑکے سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔

”کھانا نہیں کھا کر آئے بیٹا تم پہلے کھانا کھا لیتے پھر آ جاتے چلو ایسا کرو میں کھانا نکال کر لاتی ہوں تم کھا لو کام تو ہوتے رہیں گے جب تک میں آپا کو اپنے کاشن کے نئے سوٹ دکھانی ہوں۔“

”نہیں..... نہیں اس نے آج کڑھی پکوائی ہے ابھی جا کر کھالے گا تم جلدی جلدی کام کراؤ کہیں لایٹ ہی نہ چلی جائے۔“ عجیب ہی انداز تھا ان کا۔

”اور یہ تمہاری منال کہاں ہے نظر نہیں آ رہی؟“ انہوں نے ددوں کمرہ میں تاڑا تو وہ کچھ کچھ سمجھتی۔

”وہ کوچنگ گئی ہے بس آئی ہی ہوگی اصل میں سر دیوں کی ٹائمنگ ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اندھیرا جلد چھا جاتا ہے۔“ اس کا دل چاہا ایک کھٹنے بعد جانے والی لایٹ ابھی چلی جائے تاکہ ان کے بیٹے سے جان چھوٹے۔

”آئے..... کیلی آئے گی تم ہی چلی جاتی اسے لینے لیکن تم کہاں پر دے میں رہنے والی عورت بیٹی بھلے سے بے پردہ بے تحفظ ہوتی ہو۔“

”اس کی اکیڑی میں محلے کی لڑکیوں کا ایک پورا گروپ جاتا ہے بچیاں گپ شپ کرتی پیدل ہی فاصلہ طے کرتی ہیں اس لیے بھی چھوڑ دیتی ہوں کہ اعتماد بحال رہے ورنہ ایسی بات نہیں کہ میں نظر نہیں رکھتی۔“

”یہ بھی خوب کہی آج کل یہ گروپ کی لڑکیاں ہی تو بگاڑتی ہیں سیدھی سادی لڑکیوں کو جس کے بارے میں سنو لڑکے کے ساتھ ایک نیا فیئر چلاتی ہیں اب ان کے رفیقین اور جٹ بٹے قصے سن کر دوسری لڑکیوں کے دل میں بھی تو ہمک جاٹے گی ناں کہ کوئی ہمیں بھی چاہے کوئی ہمیں بھی پسند کرے۔“ اس نے انہیں دعوت دے کر اپنے پاؤں پر خود ہی کھابڑی ماری بھی عاطف کے سامنے اتنی بے باک گفتگو سن کر اس کی ہتھیلیوں میں پسینا گیا تھا۔

”ساری بچیاں اچھے اور سلجھے ہوئے خاندان کی ہیں۔ اللہ نہ کرے کسی معصوم بچی کے قدم بہکیں ہمیں اللہ سے بھلے کی امید رکھنی چاہیے اور بچپن کی عفت و حیا و دعا مانگنی چاہیے اتنی تشویش میں جھلا نہ ہوا کریں خیر سے آپ کے گھر بھی پانچ بھویں آئیں گی وہ بھی کسی نہ کسی کی بچیاں ہی ہوں گی۔“ اس کا لہجہ خود بخود زور شت ہو گیا۔

”ایسے نہیں آکھ بند کر کے میں بھویں بیاد لاؤں گی؟“

خوب جھان پچک کے حسب نسب دیکھ کر لاؤں گی جس کو میلی ہوا بھی چمک کر نہ گزری ہو۔“

”آج کل ایسی لڑکیاں ملنی مشکل ہیں آپا سب کی سب تعلیم و ملازمت کے سلسلے میں باہر نکلتی ہیں۔ قدم قدم پر مرد و خور و فسر اس سے واسطہ پڑتا ہے وہ سب کی سب بگڑی ہوئی تھوڑی ہوتی ہیں سب ہی عزت دار گھرانے کی بچیاں ہوتی ہیں۔“ اس نے دو دوک بات کی موڑ تو بگڑی چکا تھا کیا خاک اپنا کوئی کام کرواتی، گھناڑا پا آکر طبیعت گدھر کر دیتی تھیں۔

”بھئی تھہرے لہجے میں نئے دور کا فخر بول رہا ہے میں ایسے خیال کی نہیں اللہ نہ کرے اس ملازمت کی ماری اور تعلیم کے چکر میں درد کی ٹھوک کھائی لڑکی کو بیاہوں کون سا میں نے ملازمت کرنا ہے بس عزت دار اور شرم و حیا والی ہو

”بھئی تھہرے لہجے میں نئے دور کا فخر بول رہا ہے میں ایسے خیال کی نہیں اللہ نہ کرے اس ملازمت کی ماری اور تعلیم کے چکر میں درد کی ٹھوک کھائی لڑکی کو بیاہوں کون سا میں نے ملازمت کرنا ہے بس عزت دار اور شرم و حیا والی ہو

وہ بھی ہر اسماں ہوگئی پر انہوں نے تسلی دی کہ شادی دو تین سالوں بعد ہوگی جب تک زید بھی انجیئرنگ مکمل کر لے۔
 ”یہ تو صرف منال کی بات ہے کاش میرے تین بیٹے ہوتے تو میں تمہاری تینوں بچیوں کو اسے آگن میں اتار لیتی۔“ اللہ کے حضور تشکر سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں یوں منال کی بات کی ہوگئی نازک کی ہم عمر بچی اب جھینپی جھینپی پھرنے لگی اللہ کی مہربانی پر یقین اور کامل ہو گیا کہ بیٹیاں عطا کرنے والا ان کا منتظر بھی ہے۔

پراہمک دن عجیب سا واقعہ ہو گیا کھلی میں شور کی آواز پر اس نے بھی گیٹ کھول کر جھانکا تو گاہوں پہ یقین نہیں آیا گلناز آ پا کے دروازے پہ پولیس کھڑی تھی وہ ہلک دھڑکی سوچا شاید محلے میں کسی کی پوچھ گچھ کے لیے کھڑی ہو پر انہوں نے تو ان کے دوسرے بھروسے بیٹے ہمشر کو گرفت میں لیا ہوا تھا وہ جلدی سے گیٹ بند کر کے پاس آئی گلناز آ رہا دوسری تھیں گفتگو سے پہ چلا جوڑکی اپنے آشنا سے ملنے کسی کے ساتھ جارہی تھی کوئی اور نہیں ہمشر تھا سوال یہ اٹھ رہا تھا اس نے اپنے دوست کے ذریعے اس کم عقل لڑکی کو کیوں بلوایا تھا جس میں دونوں کی ذمہ داری ہوگئی۔

جس بدنامی کے قصے کو انہوں نے خوب چٹھا رہا لے کر سب کے سامنے بیان کیا تھا اسی قصے کا مرکزی کردار ہمشر تھا ان کے چہرے سے تو کسی نے جیسے ایک ایک قطرہ خون کا نچوڑ لیا تھا ان کا فخر و غرور مٹی میں مل رہا تھا۔ پولیس تحقیقات کے لیے لے جا رہی تھی یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ اس نے لڑکی کو بلیک میل کرنے کے لیے زہر دیا اور نقدی بھی بھروسے تھے اور اب کس مقصد کے لیے ساحل سمندر بلایا تھا نہیں پتا تھا۔

اس وقت کوئی اس رعیت میں جھلا عورت کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھتا تو تکبر کا نتیجہ حرف بہ حرف سمجھ لیتا پورا خاندان سناٹے میں آگیا تھا سکندر بھائی (سندوئی) کے کاندر سے جبکہ گئے تھے گلناز آ پا تو کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہی تھیں جیسے انہیں سکتہ ہو گیا ہو کچھ کہنے کی پوزیشن میں تھیں نہ کچھ سننے کی بس دروازے کو ٹٹکی

ٹٹک نہیں تھی تو کیا ہم رشتہ دار یوں اور تعلق سے محروم تھے یا بڑھے لکھے نہیں تھے اس دور کے مطابق بڑھکھ بھی لیا آج کل تو موبائل اور کمپیوٹر پہ ساری پڑھائیاں ہوتی ہیں۔ یہی کہہ دو کہ بی بی آج بیس ہندوں کا کھانا تیار کر دو تو شکل پہ اوس پڑ جاتی ہے اللہ کی پناہ آج مردوں نے کچن بھی سنبھال لیا۔“ وہ سب جتا کر بھی ٹھنڈی نہیں پڑیں۔
 ”اب شادی ہال کا کھانا لڑکیاں پکانے سے تو رہیں۔“
 بسمہ نے جل کر جواب دیا۔

”اے بی بی اپنے کچن کو سنبھالتے تو آج تک نہیں دیکھا جب دیکھو تمہاری ماں کھڑی رہتی ہے آج بسمہ کے لیے زنگر برگر بننے ہیں تو منال کے لیے چکن میکرونی تیار کرنی ہے۔ فلز کو فریج فرائز بہت پسند ہیں لاڈلیوں اور دلار یوں کو آلو کے تیلے لٹا ابھی تک نہیں سکھایا شادی ہال کا کھانا کیا پکاؤ گی۔“

”بسمہ تم سے چپ نہیں رہا جاتا۔“ روشانے کو کھانا بد مزہ سا لگنے لگا تھا۔ آس پاس کی بڑوں عورتیں بھی ان کی زبان کی کارکردگی دیکھ رہی تھیں۔

”مما..... پھوپھو ہمیشہ کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہیں کبھی آج تک ہم سے پیار سے بات نہیں کی۔“ وہ منمنائی سب کے سامنے کچھ سکی سی بھی محسوس ہوتی تھی۔

”کوئی بات نہیں بڑی ہیں تم تو گویں کی بھلائی کے لیے ہی بولتی ہیں۔“ اسے ہی سمجھا یا کہ بات نہ بھگڑے۔

”اگرے چھوڑو تم کھاؤ چکن تھک اور ریڈی کھیر مزے لے لے کر اور تعریفوں کے بل باندھو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے تمہیں ہدایت دینے کی اللہ بچائے آج کل کی لڑکیوں کی گزر بھرزبان سے۔“

بات آئی گئی ہوئی لیکن روشانے کا دل ان سے بری طرح کھٹا ہو چکا تھا لیکن ان کا ذخیرہ نہ بدلا بس وہی زبان کے نیچے دودھاری تلوار اپنا کمال دکھائی رہی۔ روشانے کے صبر اور اچھی تربیت کا صلیا اسلام کہ جن استثنائی صاحبہ سے وہ بچیوں کو قرآن کی تعلیم دلوا رہی تھی انہوں نے اپنے دین دار بیٹے کا رشتہ منال کے لیے بھیج دیا کتنے کم عمری کے شہرے پر

باندھے دیکھے جارہی تھیں یہ خبر بڑے بیٹے تک انگینڈ بھی
 گئی کہ شاید وہ کسی مدد کو آئے ہر اسی وقت یہ چلا اس نے
 وہاں کسی افریقین سے شادی کر رکھی ہے پیشانی کے چکر
 میں اور اب اس کے حکم کا غلام ہے وہ اسے آنے نہیں دے
 رہی۔ جھنگلوں کا سلسلہ ہے درے اعصاب کو جھنجھوڑ رہا تھا
 تکبر تو رہی برابر بھی قابل معافی نہیں۔ انہوں نے تو خود
 پسندی کا پہاڑ کھڑا کر لیا تھا۔ ایک ساتھ کئی گنا ہوں میں
 طوط ہو گئی تھیں وہ۔ ادھر ادھر کی ٹوہ لینے کی عادت، عیب
 جوئی کرنا، تن باتوں سے جھگڑ چلی کرنا، بیٹی ذات کو دو کوڑی کا
 سمجھنا ایک کارا زود سے کے آگے اگنا اپنے آپ کو اعلیٰ
 وارفع ہستی سمجھنا۔ یہ سارے گناہ تھے جو انہوں نے تکبر
 میں اپنے شانوں پر تنھے کی طرح سجانے چاہے تھے مگر یہ
 گناہوں کی پوٹ کی طرح ان کے سر پر سوار ہو گئے تھے۔
 اس دن روشانے ناشتہ لے کر آئی تو وہ ہاتھ جوڑ کر اس
 سے معافی مانگنے لگیں۔

”روشانے دونوں بیٹوں نے کہیں منہ دکھانے کے
 قابل نہیں چھوڑا محلے والے لڑھٹے دار سب حقارت کی نگاہ
 سے دیکھ رہے ہیں کوئی بھی غم ہانسنے کو نہیں آیا اور اگر کوئی
 بھولے سے بھی گیا تو ان کے اعزاز اور باتیں علی الاعلان
 تھے کہ جیسے مذاق اڑانے آئے ہوں، کرید کرید کر تفتیش
 کر رہے ہیں۔“ ان کی آنکھوں سے آنسو اسی روانی سے
 بہہ رہے تھے جس شان سے کبھی وہ دوسروں کے ذمہ کرید
 کرتی تھیں۔ یہ مکافات عمل تھا ایسے شکستہ لمحے میں وہ
 انہیں کیا احساس دلاتی کہ محلے والے اور رشتے دار ضرور ان
 کے غم میں برابر کے شریک ہوتے اگر وہ اپنے تعلقات
 سب سے اچھی بنیادوں پر استوار رکھتیں۔ وہ تو دوسروں کو
 بے نقاب کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہ کرتی تھیں آج
 اللہ نے ان کا عیب زمانے بھر کی نگاہ میں افشا کر دیا تھا وہ
 کیا زخم ادھیڑی کیا نہیں جانتی تھی کہ اس وقت پولس بشر کی
 کیا درگت بنارہی ہے۔ ایسے میں وہ نمکسار بن کر ان کی
 پشت پر بھی اچھیاں جنھیں حقارت سے وہ دیکھا کرتی تھیں
 ان کے گھر کے کام کاج منسار ہی تھیں۔

”آپا..... بیٹا بیٹی پیدا کرنا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ
 آپ ان کی تربیت کیسی کر رہے ہیں۔ عیب دار اولاد
 والدین کے لیے موجب بدنامی ہیں خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی
 اس لیے دونوں کی اچھی تربیت بہت ضروری ہے لڑکے
 شرافت کی سند لے کر پیدا نہیں ہوتے نہ لڑکیاں ذلالت کا
 باعث بنتی ہیں۔“

”صحیح کہہ رہی ہو۔“ ان کا رعونت بھرا لہجہ عداوت میں
 ڈھل چکا تھا۔

”آپ کا خیال تھا بیٹوں کو گھمبائی یا گمرانی کی ضرورت
 نہیں اسی خوش گمانی میں آپ کو اپنے ہی آئین میں اگی
 زہریلی جڑی بوٹیاں نظر نہیں آئیں ویسے بھی انسان کو
 دوسروں پر کڑی نظر رکھنے کے بجائے اپنے اعمال کو بہتر
 بنانے کی سعی کرنی چاہیے۔ اللہ مبشر کو اس ذلت سے
 چھٹکارا دے اور کاشف کو راہ راست پر آنے کی توفیق
 دے۔ باقی بچوں کو بھی آپ کے تحفظ اور گمرانی کی ضرورت
 ہے ان کے ہر قدم پر کڑی نگاہ رکھیں اور ادھر ادھر جانے
 کے بجائے ان کی سامگی اور ہمدردی میں تاکہ وہ اپنی راہ سے
 جھکنیں نہیں۔“ اس نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا یہ
 کڑوی گولی ان کے لیے ضروری تھی ورنہ انہوں نے اپنے
 ہاتھوں اپنے ہی وجود میں ماسور کے پینے میں کوئی کٹر نہیں
 چھوڑی تھی ادھر ادھر کی ٹوہ لینے کی عادت نے اپنی ہی
 خامیوں کی پردہ پوشی کر دی تھی۔

وہ بہت افسردہ سی سرانبات میں ہلا رہی تھیں۔ وقت
 نے اور ان کے طرز عمل نے بہت گہرا سبق انہیں سکھنے پہ
 مجبور کر دیا تھا اور دوسروں سے سبق نہیں سیکھتے وقت انہیں
 ٹھوکر لگا کر ہی بہت کچھ سکھانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

(الحمد لله مسلسل اشاعت کہ
 چالیس سال مکمل)



”یہ کیا کردی، پولیو انہیں کہاں لے کر جا رہی ہو؟“ وہ چپیل کی مانند اس کی جانب چلا گیا۔
 ”وہ چھوٹی لڑکی ہے..... شکم صاحبہ نے کہا تھا کہ کمرے کی صفائی کر دوں اور پرانی کتابیں اور سامان وغیرہ اسٹور روم میں رکھ دوں تو پورے لے کر چلی جاتی ہے۔“
 ”یہ تمہیں روٹی کی سی ہے باقی ہو گئی ہو کیا؟ یہ کتابیں بڑے پل جو تمہیں روٹی لگ رہی ہے ہاں تم کیا جانو میرے لیے کسی جتنی ہیں۔ متاع حیات ہیں یہ میرے لیے اس کمرے میں رہی ہر جتنی چیز سے بڑھ کر جتنی ہیں۔ خیر دانا سندھ بھول کر بھی انہیں ہاتھ مت لگانا تو میرے لیے محض راہ ہیں۔ میں نیوکر انہیں روٹی کر کے اسٹور روم میں چھینک دوں۔“ وہ بڑے پیار سے اپنی کتابوں کو اور اپنے پیارے آئل کو دوبارہ سے ریک میں سیٹ کر کے لڑکی کے ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑاتی رہی۔ ملازمہ حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

”ہائی..... تمہیں ہو کیا گیا ہے یاد؟“ نئی سست ہوتی جا رہی ہو۔ دو گھنٹے قبل میں نے تمہیں تیار ہونے کو کہا تھا اور تم ہمیشگی طرح اسے ان بورنگ سے رسالوں میں گھری بھیجی ہو۔“ جیسا جسبہر معمول آدمی طوفان کی طرح اس کے سر پر آن گھڑی ہوئی ہو گی قدرتا کلاہیت سے گویا ہوئی گی۔

”میں آپ سے مخاطب ہوں محترمہ مہرین صاحبہ۔“ اسے یونہی رسالے میں منہک و کچھڑا استعمال کیا ہے۔

”میں سن رہی ہوں۔“ بناس کی جانب دیکھے آرام سے

جواب دیا۔
 "ہاں، اس نے گویا کچھ یاد دلایا۔
 "کس کی؟"

”کیوں..... محترمہ اگر آپ کو یاد ہو تو دیکھئے قتل میں
نے کمال کر کے آپ کو بتایا تھا کہ ہم کوئی سکے ہاں جارہے ہیں
کیٹ کو گولہ نہ کچھ آیا یا آپ کو؟“ اس نے کسی اندر حیرت کو سب سے
پہلی سی دیکھتے ہوئے یاد دلایا وہ دلکھت بخیر ہوئی۔
”مجھے نہیں جانا۔“

”دل نہیں چاہ رہا۔“ اندازہ ہنوز بے پروا سا تھا۔
 ”دل نہیں چاہ رہا۔! دل نہیں چاہ رہا یہ تم کہہ رہی ہو
 ای!۔۔۔! تم؟“ اسے اذہ حیرانی ہوئی۔ ”کیا ہو گیا ہے
 ار۔۔۔۔۔۔ یہ تم نے خود پر کون سی حد مقرر کر لی ہے کہ جس کو پار کرنا گویا
 گناہ ہو گیا ہے۔“
 ”تم نہیں سمجھو گی اس لیے چھوڑ دو۔ تم جاؤ۔“
 ”تمہارے بغیر کیسے چلی جاؤں؟“ اس نے منہ چلایا۔
 ”تو مت جاؤ۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے لوی..... میں..... میں بالکل کو سب کچھ بتا دوں گی کہ تم لوگوں کو سب کر کے ان کی عزت کو تار تار کرتے ہو تم مجھے لے کر گھر لے گئے ہو انی غلیظ نیت سے میں سب کچھ بتاؤں گی بالکل کو سنا تم نے“ میں حواس باختہ سی ہوئی آواز میں بے تکے جیسے یوں شروع ہوئی تھی تاکہ بالکل تک میری آواز سانی پہنچ جائے۔

”بتانے کے قابل رہو تو بتاؤ گی ناں میری جان..... جو حال میں تمہارا کریں گا ناں وہ تمہاری زبان خود بخود بند کر دے گا کچھ دیر ہوئی تو ہوئیں۔“ میری جانب بڑھتے ہوئے اس نے کمینگی سے کھینچ لی گی۔

”پلیز لوی! ہمیں اللہ کا واسطہ مجھے جانے دو دوست ہوں میں تمہاری پلیز کچھ تو خیال کرو۔“ اب کہ میں نے ہاتھ بائدھ کر اسے اللہ کا واسطہ دیا تھا۔

”میری ہر دوست بالکل ایسے ہی واسطہ دیتی ہے پھر کچھ ہی دیر بعد اپنی عزت کے لئے کام کرتے ہوں کلوچی ہوئی اپنے گھر سردار جانی ہے ہمیشہ کے لیے اسے اب ہے اور پھر..... اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتا اس کا موبائل بنگ اٹھا وہ ایک دم چونکا اور تیزی سے پلٹ کر اپنا موبائل اٹھایا اس دوران میری رسی ہوئی سائیس، جمال ہوئی تھیں۔

”وہ اپنا اس وقت پایا کا فون.....“ موبائل ہاتھ میں لیے وہ بڑبڑایا صدمہ شکر کہ مجھ پر اسے ایک فیصد بھی شک نہیں ہوا تھا۔ کال اٹھینے پر اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔ فون بند کر کے ہی وہ ملازم کی جانب متوجہ ہوا۔ ”رضیہ اسے فوراً دوسرے کپٹ سے باہر نکالو پایا ہا پر کپٹ پر کپڑے ہیں اور تم.....“ اب وہ فوراً میری جانب آیا تھا۔ ”آگرم تم نے کسی سے میرے بارے میں کچھ کہا تو درختنا مجھ سے برا کوئی کٹس ہوگا۔“

”کوئی کٹس تم..... میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔“ میں نے ہٹکاتے ہوئے کہا اور دل میں دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا اپنی عزت کے بچ جانے پر۔ اس ملازمہ سے پہلے میں تیزی سے باہر کی جانب بھاگی تھی کیونکہ اتنا تو جانتی تھی میں کہ بالکل اتنی جلدی پھر نہیں آسکتی یہ صرف مجھے اس گھر سے نکالنے کی ایک ترکیب تھی۔ میں نے دس منٹ کا قافا صلوں کی سیڑھی میں طے کیا۔ اس سے قبل کہ لوی کپٹ کھولتا اور بالکل کونہ پا کر وہ پارہ سے مجھے اسے قہقہہ کا نشانہ بناتا تھا وہاں سے نکل جانا چاہی تھی اس روز اللہ کی میرے ساتھ تھا کہ میں اس کے چکل سے نکل آئی گی۔ میں کٹس جانی تھی کیسے گھر تک پہنچی مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنی عزت بچا کر اس ٹھکانا اور ہوس کے مارے انسان سے بچ گئی گی۔

آج کل کی بڑھی ہوئی ایک اسٹوری نے اس ایک لمحے میں مجھے رسک لینے کی ہمت دی اور میری عزت بچ گئی۔ سب پلیز تم بھی لوی کا پیچھا چھوڑ دو لڑکے اور لڑکیوں میں دوستی کا کوئی رشتہ

نہیں ہوتا اس کو سختی جلدی کچھ لو اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“ یہی سب سننے کے لیے تو میں نے اسے جتن کیے ہیں مختصر..... ورنہ لوی لوی اور کھیل کا لوی۔“ اس کی باتوں سے جواب میں وہ کسی قدر سر پرانز تک انداز میں گویا ہوئی۔

”کیا مطلب؟“ میں نے زنجب سے دیکھا۔ ”مطلب.....“ یہ تمہارے اس روز کے رسک نے باقی بہت سی لڑکیوں کی زندگی بھلی ہے اس روز بالکل کو فون کر کے ایک طرح سے تم نے انعام دیا تھا اور اسی انعام میں کا رول چھوڑ کر بالکل نے اسے گھر سے نکل کر کے اس ملک سے باہر بیج دیا اور وہ جو ٹھکانا عورت ان کی ملازمہ تھی اس کو بھی نکال دیا تھا تم نے اور تمہارے آج کل نے اور تمہاری اس دوست عائشہ نے واقعی بہت سی دوسری زندگیوں کو بچایا ہے.....“

”تو پھر جو لوی کی اسٹ لگائے رکھی تھی وہ سب کیا تھا؟“ وہ ابھی بھی حیران تھا۔ ”وہ سب صرف تمہیں اس کے لیے تھا ورنہ مجھے لڑکوں سے کیا سروکار۔“ اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے اور میں آسودگی سے مسکرائی۔

”شبابی.....“ اب اچھے بھلی کی طرح اٹھو اور میرا کہنا مانو ایک کاغذ اور قلم لے کر آؤ۔“ گھر اس اس خارج کرتے ہوئے میں ہی قند رشور ہوئی۔

”وہ کیوں؟“

”کیونکہ میرے پیارے آج کل کی سالگرہ ہے مجھے دس بھی کرنا ہے اور آج کل کا کچھ میرے بھی تو لود کرنا ہے۔“

”ہاں.....! ان ڈائننگس کی بھی سالگرہ ہوتی ہے کیا؟“ وہ استغناء سے مسکرائی۔

”بالکل اور ہونی بھی چاہیے خراں کے اجڑا سے ہی تو ہم جیسے لڑکیوں کی زندگی سنو رہی ہے ہمیں تو سچ معنوں میں انہیں ہی سکھ رہے کہ کتنا چاہیے کیا خیال ہے؟“

”اچھا پھر کچھ مجھے ہی دو میں کسی تو پھر جوں آ خراں میں ایسا کیا ہے۔“ اور ہاں میری طرف سے بھی دس کرو تیا۔“ اس کے ہاتھ سے آج کل جھینٹے ہوئے وہ گویا ہوئی اور وہ سب سے صوفے پر بیٹھ کر جبکہ وہ تین اور کاغذ سنبھالے ”آج کل“ کے نام شکر کیا خط لکھنے لگی گی۔

(الحمد لله مسلسل اشاعت کہ چالیس سال مکمل)



تہذیب و تمدن

نازیہ کنول نازی

نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سلازہ نمبر سلازہ نمبر سلازہ نمبر

اک پل میں اک صدی کا مزہ ہم سے پوچھیے
 دو دن کی زندگی کا مزہ ہم سے پوچھیے
 بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں مدتوں میں ہم
 قسطوں میں خود کشی کا مزہ ہم سے پوچھیے

[illegible]

سازمان اسناد و کتابخانه ملی جمهوری اسلامی ایران



کہ ہتھاب سردراتوں کی دستوں سے نکالنے ہیں
بتا کر جاؤ

کہ چاند رات میں وقت کیسے گزارنا ہے
خاموش لہجوں میں تم کو کتنا پکارنا ہے

بتا کے جاؤ
کہ کتنے موسم اک ایک کر کے جدائیوں میں گزارنے ہیں
بتا کے جاؤ

کہ بچھڑیوں نے اکیلے پن کا سبب جو پوچھا
کہ بچھڑے موسم میں سائے سائے جوا جیسی تھا
کہاں گیا ہے
تو کیا کہوں گا؟

بتا کے جاؤ
میں کس سے تیرا گلہ کروں گا
بچھڑ کے تجھ سے میں جب کسی سے ملا کروں گا
بتا کے جاؤ

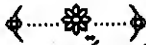
کہ آنکھ برسی تو کون موتی چتا کرے گا؟
اداس لہجوں میں دل کی دھڑکن سنا کرے گا
بتا کے جاؤ کہ موسموں کو پیغام دینے ہیں یا نہیں
بتا کے جاؤ کہ کس پہ ہے اعتبار کرنا
کہ کس کی باتوں پہ ہے بے نیازی کے سلسلے اختیار کرنا
بتا کے جاؤ کہ اب رویوں کی چال کیا ہو
جواب کیا ہو سوال کیا ہو؟

عروج کیا ہو زوال کیا ہو
نگاہ رخسار زلف چہرہ
نڈھال کیا ہو بتا کے جاؤ
کہ میری حالت پہ چاندنی ٹھکھلا پڑی تو میں کیا کروں گا؟
بتا کے جاؤ

کہ میری صورت پہ تیرگی مسکرا پڑی تو میں کیا کروں گا
بتا کے جاؤ کہ کتنا تم کو پکارنا ہے
بچھڑ کے تجھ سے یہ وقت کیسے گزارنا ہے اجاڑنا ہے
بتا کے جاؤ

نکھارنا ہے بدن کو کیسے سنوارنا ہے

چلے جو ہو تو بتا کے جاؤ
کہ کوئی نا بھی ہے یا.....؟؟



”سارا منیر کا انتقال ہو گیا ہے۔“ وہ ناشتہ کر رہی تھی جب سنجیدہ سے زادیار نے ناشتے کی میز پر سب کو چونکا دیا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں بھائی؟“ درمکون نے سب سے پہلے سوال کیا۔ باقی سب خاموشی سے اس کا منہ دیکھتے رہے۔

”سچ کہہ رہا ہوں، پچھلے ہفتے اچانک ڈنچہ ہو گئی ان کی۔“ اس کی آنکھیں بے حد سرخ اور نم تھیں جبکہ لہجہ از حد بوجھل۔

مریہ نے اپنا چائے کا کپ وہیں ٹیبل پر چھوڑ دیا۔
”کبھی کس نے خبر دی؟“

”پریمان نے، جس کی وجہ سے پاپا نے مجبوراً اس بد نصیب عورت کو اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔“

”میں یہ کہانی پہلے سے جانتی ہوں زئی، بہتر ہے تم پردہ رہنے دو۔“

”آپ کچھ نہیں جانتی ماما، اگر آپ سب سچ جانتی ہوتیں تو شاید آپ کے اور پاپا کے درمیان کبھی اتنی دوری نہ آتی۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو تمہاری ماں غلط ہے۔“

”نہیں ماما، میں آپ کو غلط نہیں کہہ رہا، میں ان حقائق کو غلط کہہ رہا ہوں جن کی وجہ سے آپ کبھی حقیقت جان ہی نہیں سکیں۔“ وہ بہت شکستہ لہجے میں بولا۔ مریہ خاموشی سے سختی رہی۔

”آپ صرف یہ جانتی ہیں ماما کہ پاپا کے بزنس پارٹنر منیر احمد صاحب نے وقت مرگ اپنی بیٹی کا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے زبردستی پاپا سے اس کا نکاح کر دیا تھا یا پھر پاپا نے ایک مرتے ہوئے شخص کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے اس کی جوان بیٹی کو آپ سے پوچھ بھاننا نام دے دیا اور پھر اسی عورت کے بطن سے ان کی بیٹی پیدا ہوئی

یا پھر وہ عورت پہلے سے ہی بد کردار تھی، مگر یہ سچ نہیں ماما، سچ یہ ہے کہ سارا منیر حسین اپنے تایا زاد کزن کے نکاح میں تھی مگر اس کزن نے اپنی عیاشی کی وجہ سے ایک معمولی سی شخص کی بیٹا پر ان کی عزت برباد کر کے ان سے اپنا نام چھین لیا، بات اگر یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھا مگر جس وقت وہ حاملہ ہوئیں تب ان کے لیے مسائل پیدا ہوئے

ان کا اپنے والد منیر احمد صاحب کے سوا کوئی نہیں تھا لہذا جب یہ بات کھلی تو منیر حسین صاحب نے پاپا کی شرافت اور اچھے اخلاق کے سبب اپنا یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا، ایک بوڑھے مجبور باپ کی عزت بچانے کے لیے

پاپا نے مختلف ڈاکٹرز سے رابطہ کر کے ابارش کے ذریعے یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی، حالات اتنے گمبیر ہو چکے تھے کہ منیر حسین صاحب بستر سے لگ کر رہ گئے۔ وہ ایک شریف اور قابل انسان

تھے مگر بیٹی کے ساتھ ہوئے ظلم نے انہیں مٹی کر دیا..... ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے مجبوراً پاپا نے ان کی التجاء پر ان کی بیٹی سے شادی کر لی مگر یہ شادی صرف پیپر میرج تھی انہیں اپنی بیوی مریہ رحمان کے سوا اور کسی عورت سے

کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ صرف ان کی ضرورت زندگی کے لیے پاپا نے انہیں اپنا نام دیا، اس کے علاوہ ان کا کوئی تعلق سارا منیر سے نہیں تھا چونکہ ان کو اور کوئی ایسا قابل شخص نہ ملا جو سارا منیر حسین کو ان کی بیٹی کے ساتھ قبول کرتا اور

خوش رکھنا لہذا اللہ کے خوف سے مجبوراً وہ ان کے حقوق کا خیال رکھنے لگے، سارا منیر حسین کب ان کے اچھے اخلاق اور کردار سے متاثر ہو کر ان سے محبت کرنے لگیں انہیں مطلقاً خبر نہ ہوئی ان سے محبت کی انتہاء ہی وہ واحد وجہ تھی جس نے انہیں آپ کا دل اجاڑنے پر مجبور کیا۔۔۔۔۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ باپا آپ کی وجہ سے انہیں اپنی زندگی سے بے دخل کریں لہذا انہوں نے عورت کا روایتی پن دکھاتے ہوئے چال چلی اور آپ کو ان کی زندگی سے بے دخل کر دیا۔“ زوار کا لہجہ بے حد عمیق تھا۔

مری یہ سن کر شہزادہ بھی رنجی رہیں۔ ان کی نظریں زراویا پر ٹھہر گئی تھیں۔
 ”کتنی عجیب بات ہے ناں مہاراجا! میں نے آپ کو آپ کے شوہر کے گھر سے بے دخل ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا مگر قدرت نے انہیں ان کے شوہر کے دل سے ساری عمر بے دخل رکھا اپنی بڑا خدشتوں اور ریاستوں کے باوجود وہ بھی پاپا کے دل میں اپنی جگہ نہ بنا سکیں یہاں تک کہ ایک روز خود ان کی اپنی سگی بیٹی انہیں گناہگار سمجھ کر چھوڑ گئی۔“ ایک لمحے کے لیے وہ سانس لینے کو رکا۔ مریہ بے دم بیٹھی اس کے لبوں کی جنتیں کو دیکھتی رہی۔
 ”آپ کے گھر سے بے دخلی کے بعد وہ بھی پاپا کے کمرے میں ان کے ساتھ نہ سوسکیں، ایک ہی گھر میں ان کے ساتھ رہ کر بھی پاپا صرف آپ کے رہے مہاراجا! یہاں تک کہ وہ اپنی ہی جلائی ہوئی آگ میں لحوہ بے لحوہ سلگ گئیں۔
 ایک وقت ایسا بھی آیا کہ گھر کے دروازے پر انہیں کاٹ کھانے لگے، وہ پانگوں کی طرح در بدر خواہاں کی تلاش کرتی رہیں تا کہ آپ سے معافی مانگ سکیں، مگر آپ نہیں ملیں تبھی ایک روز اپنے اندر کے انتشار سے تنگ آ کر انہوں نے بابا کو وہ سب سچ بتا دیا جو صرف آپ جانتی تھیں مگر پاپا نہیں۔“ دھیمے لہجے میں بولتا وہ اسے ایک ایسی کہانی سنا رہا تھا جس سے وہ آج تک کسرِ لاعلم رہی تھیں۔ عائدہ اور دو رکعتوں کے لیے بھی یہ کہانی کسی دلچسپی سے کم نہیں تھی۔
 لہذا وہ بھی خاموشی سے سنتی رہیں۔

”سارا منیر حسین نے پاپائی محبت میں چادر اور چادر دیواری کے لیے آپ کو دنیا میں در بدر کیا“ اللہ نے کسی سزا دی انہیں کہ پاپا نے وہی گھر ان کے نام پہ گفت کر کے ان سے ہمیشہ کے لیے اپنا نام چھین لیا۔ زندگی کی شطرنج پہ سوائے خسارے کے کچھ حاصل نہیں ہوا انہیں وہ خالی دل خالی دامن لیے اس دنیا سے چپ چاپ چلی گئیں۔

زادیاں رو نہیں رہا تھا گھر جیسے اس کے ہر لفظ سے لہو ٹپک رہا تھا۔ مر رہی کی آنکھیں بھرا آئیں۔

”تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟“ اس نے پوچھا۔ زادیاں نے لب پہنچ لیے۔

”سارا منیر حسین نے اپنی بیٹی اور پاپا کے سامنے خود اعتراف جرم کیا تھا“ میں نے چھپ کر سن لیا اور سننے کے بعد جتنی تکلیف آپ کو دی اس سے کہیں بڑھ کر اس عورت کو دی جو میری ماں نہیں تھی مگر جس نے ماں سے بڑھ کر لاڈ پیار سے مجھے پالا تھا۔“ وہ ضبط کے کڑے مراصل سے گزر رہا تھا۔

”گنتی عجیب بات ہے ناں ماما، وہ عورت آپ کی دشمن تھی، گناہ کا رشتی مجھے اس سے نفرت کرنی چاہیے، مگر میں اس سے چاہنے کے باوجود کبھی نفرت نہیں کر سکا“ پتہ نہیں کیوں جب سے میں نے اس کی موت کی خبر سنی ہے، میرے اندر ایک بھانجڑ سا جل رہا ہے، یہاں ادھر دل کے اندر ایک عجیب سی تکلیف سا ٹھہرا رہی ہے، میں رونا نہیں چاہتا مگر..... میرا دل پھٹ رہا ہے..... میں بہت برا ہوں ماما، میں نے اپنی دونوں ماؤں کو جیتے جی بارڈالا میں بہت برا ہوں۔“ ضبط کے کڑے پل ٹوٹ گئے۔ مریرہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ گنتی ہی دیروہ اس کے سینے سے لگا، بچوں کی طرح بلک بلک کر رو تا رہا پھر سنبھل گیا۔

”وہ بھی کیا سوچتی ہوں گی ماما اچھا بے مروت بیٹا نکلا ساری عمر جس کے ناز اٹھائے، جس سے پیار لٹایا، اس نے ایک ہی لمبے میں سارے احسان بھلا دیئے بالکل بے آسرا کر دیا، وہ آپ کی اور پاپا کی گناہ گار تھیں مگر میری تو صرف ماں تھیں آپ کا حق تھا آپ انہیں سزا دیتے، میرا حق نہیں تھا ماما..... پھر بھی میں نے انہیں سزا دی، کیا سوچتی ہوں گی وہ درخصت میرے بارے میں۔“ اسے اب اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو رہا تھا۔

مریہ ہنسنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔
 ”اللہ اس کی مغفرت فرمائے زوا یا، اس کے اگلے مراحل آسان فرمائے آمین۔“
 ”ختم آمین۔“

”بیٹی کہاں ہے اس کی۔“
 ”وہیں لندن میں۔“
 ”کس کے پاس رہتی ہے اب؟“
 ”فی الحال تو تنہا ہے۔“
 ”اور تمہارے پاپا؟“

”اللہ کے رستے کے مسافر بن گئے ہیں ماما، مختلف ممالک کے دوروں پر رہتے ہیں آج کل، تبلیغی جماعت کے ساتھ۔“

”وہ.....“ ایک عرصے کے بعد دل کا آئینہ صاف ہوا تھا تو انہیں خود اپنا ہی عکس دھندلا دکھائی دینے لگا۔ ان کی زندگی خطرے میں تھی مگر سارا امیر حسین بالکل تندرست تھی۔ اللہ نے اسے زندگی لوٹائی مگر سارا امیر حسین کا کردار ختم کر دیا، وہ فاتح ٹھہری تھیں اللہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ مصید حسین کے لیے وہی بنی تھیں سارا امیر حسین نہیں، اس عورت نے تو صرف اپنی بیٹی اور اپنی عزت دار خوش حال زندگی کے لیے جو اکھیلا تھا اور اس جوئے میں وہ ہار گئی تھی۔ کچھ لمبے یونہی خاموشی کی نظر ہو گئے جب وہ بولی۔

”تم جا رہے ہو لندن؟“
 ”ہوں، کل رات تین بجے فلائٹ ہے میری اور عائکہ کی۔“
 ”عائکہ کی؟“

”جی ماما عائکہ بھی میرے ساتھ جائے گی، بہت اچھی دوست ہے یہ پری کی۔“
 ”چلو ٹھیک ہے لیکن اسے ساتھ لے کر آنا کہنا مابلای ہی ہیں۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ زوا یا کے ساتھ ساتھ درمکن اور عائکہ نے بھی بے حد تعجب سے اس کی طرف دیکھا پھر مسکرا دیئے۔ زندگی واقعی اپنا رنگ بدل رہی تھی۔



وہ کمرے میں آیا تو عائکہ بھی پیچھے ہی چلی آئی۔
 ”آپ نے پھوپھو سے کیوں کہا کہ میں آپ کے ساتھ لندن جا رہی ہوں؟“ زوا یا رشاور لیے جا رہا تھا اس کے سوال پر وارڈ روب کے سامنے کھڑا رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔
 ”کیوں کہ آپ لندن جا رہی ہیں اس لیے۔“
 ”میں کہیں نہیں جا رہی۔“

”کیوں؟“ وہ حیران ہوا، عالمکے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”جس رشتے کو ختم ہوتا ہے اس میں کامرید تلاش نہیں بنانا چاہتی۔“ اس کے اندر کی الجھن باہر نکل آئی۔
 زاویا پر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ کپڑے واپس الماری میں رکھ کر اس نے دونوں ہنڈ کئے، پھر بیڈ پر عالمکے
 کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی ابھی بھی باقی تھی۔ وہ بولا تو اس کا لہجہ بھی بے حد پوچھو۔
 ”دیکھو عالمکے میں مانتا ہوں ہمارا رشتہ زبردستی کا تھا، ہمارے درمیان انڈر اسٹینڈنگ بھی نہیں، شاید ہم خوش بھی
 نہیں ہیں ایک دوسرے کے ساتھ، اسی لیے میں چاہتا تھا کہ ہم اپنی اپنی راہ الگ کر لیں، مگر میری ماں میرے اس
 فیصلے پر راضی نہیں، سچ پوچھو تو میں خود بھی اب اس رشتے کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔“
 ”کیوں؟“ اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں اپنی ماں کو ناراض نہیں کر سکتا۔“

”اور جو آپ کی محبت ہے وہ؟“

”وہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہے۔“ اس کا دکھ بھی عالمکے سے الگ نہیں تھا۔ وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔
 ”ہم خوش نہیں ہیں لیکن ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی کوشش کر سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی
 اور دوسرا راستہ نہیں ہے۔“ اس نے کہا تو عالمکے نے اثبات میں سر ہلادیا، واقعی اس کے پاس کوئی اور راستہ تھا نہ
 ٹھکانا اسے اپنے نصیب کے لکھے پر مبرا اور مجبوت کرنا تھا۔ زندگی کی تنگ اندھیری راہوں سے نئی روشن راہیں نکالنا
 تھیں، زاویا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تو اس نے اپنا سر زاویا کے کندھے پر رکھ دیا۔
 زندگی میں کبھی کبھی مجبوت بہت ضروری ہوتا ہے اس نے بھی سمجھوتے کی ہنڈی پر قدم رکھ دیا تھا۔



شام ڈھل رہی تھی۔ وہ خالی آنکھوں کے ساتھ بظفل ٹاور کے سامنے گھاس پر بیٹھی تنکے لوچ رہی تھی جب اس
 کے ساتھ بیٹھے ساویز نے کہا۔

”تم کب تک اس حال میں رہو گی پرئی اپنا چہرہ دیکھو کیسا بے رنگ ہو رہا ہے، آنکھوں کے گرد حلقے بڑ گئے
 ہیں، صحت بھی گرتی جا رہی ہے، یہ سب ٹھیک نہیں ہے، دیکھو میں تمہارا درد سمجھتا ہوں میں نے بھی اپنی ماں کو کھویا
 ہے، ماں کی جدائی کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے میں اس سے نا آشنا نہیں، مگر تمہیں صبر کرنا ہوگا، اللہ کی رضا میں راضی
 رہنا ہوگا، مگر نہ خود تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“ وہ اسے سمجھا رہا تھا، مگر وہ پھر کا مجسمہ بنی ساکت سی
 بیٹھی تھی کبھی وہ پھر بولا۔

”ہماری شادی میں بہت کم دن رہ گئے ہیں، ایسا کس طرح چلے گا۔“

”میں ٹھیک ہوں، تم پریشان مت ہو۔“

”کیسے پریشان نہ ہوں، کتنے دنوں سے ہم نے ایک ساتھ ہو ٹلنگ نہیں کی، ہم کہیں گھومنے پھرنے نہیں گئے،
 ہم نے دیر تک فون پر بات نہیں کی، آج بھی پتہ نہیں کیسے زبردستی کھینچ کر لایا ہوں تمہیں۔“ اس نے گلہ کیا۔
 پر ہیان کے لبوں پر بے جا بے سکرابٹ کھڑ گئی۔

”میرا دل نہیں چاہتا ساویز، میرا دل مر گیا ہے۔“

”کیا میرا ساتھ کبھی تمہیں زندگی کی طرف واپس نہیں لاسکتا پرئی؟“ اس نے بہت آس سے پوچھا۔ پر ہیان

نے نظر جھکا لیا۔

”آجائے گا ہم ابھی تھوڑی دیر میں پہنچ رہے ہیں ایڈریس بتاؤ اپنا۔“

”بھائی یہاں رات بہت برقرار رہی ہوئی ہے۔“

”کوئی مسئلہ نہیں۔“ زاویار کا لہجہ بوجھل مگر محبت سے بھر پور تھا۔ پرہیان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اگلے چالیس منٹ کے بعد وہ دونوں اس کے اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ پرہیان زاویار کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ دل کے سارے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔

عالمگم آٹھوں کے ساتھ اسے حوصلہ دیتی رہی۔ سارا منیر حسین کی موت خود اس کے لیے بھی بے حد تکلیف کا سبب تھی کیونکہ ان کی ذات کے ساتھ اس کی اپنی بہت حسین یادیں تھیں۔ زاویار نے ہنسنے پر ہی کوچ کر دیا۔ ”مما کی اچانک ڈک-جھ خودنیرے لیے بہت تکلیف دہ ہے پر کئی مگر ہم بے بس ہیں اللہ رب العزت کی رضا کے سامنے سوائے صبر کے ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔“ وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔ پرہیان نے اپنا سر اس کے بازو پر ٹکا دیا۔

”میں نے ممّا کے ساتھ اچھا نہیں کیا بھائی، انہوں نے میرے لیے سب غلط کیا، صرف میرے مستقبل اور خوشیوں کے لیے مر رہے ممّا کا دل اجاڑا، پاپا کو تکلیف دی ساری زندگی خود افسانہ کی سولی پر لٹکی رہیں سب کی باتیں سنیں ذلت اٹھائی اور میں..... میں بجائے ان کی اذیت کم کرنے کے انہیں وہاں اس مقبرے میں اکیلا چھوڑ آئی، انہیں میری ضرورت تھی اپنی سگی بیٹی کی، جس کے لیے انہوں نے سب غلط کچھ کیا، مگر میں بھی سب کے ساتھ انہیں تنہائی کی سولی پر لٹکا کر پہاں دیا، غیر مگر خاک چھاننے چلی آئی، معافی تک نہیں مانگ سکی میں ان سے۔“ اس کا گلہ مسلسل رونے سے زخمی ہو گیا تھا۔

زاویار لب بھیجتا اس کا سر تھپتا تا رہا، اس کی فیلنگز بھی پرہیان سے الگ نہیں تھیں۔ اس کا بھی وہی بچھتاوا تھا جو پرہیان کا تھا۔ شام اب گہری ہو رہی تھی۔ عالمگم نے اٹھ کر آتش دان میں لکڑیاں ڈال دیں۔

”تم نے آگے کیا سوچا ہے پر اپنی زندگی کے بارے میں؟“ عالمگم نے ہی پوچھا تب وہ بولی۔

”فی الحال تو کچھ نہیں اگلے کچھ روز میں ہو سکتا ہے ساویز سے شادی کر لوں کیونکہ ممّا جانے سے پہلے میری خواہش پر ہماری شادی کی ڈیٹ فکس کر کے گئی تھیں۔“

”ٹھیک ہے مگر یہ شادی اب لندن میں نہیں پاکستان میں ہوگی۔“

”وہ کیسے؟“

”مر رہے چھو پوچھا ہتی ہیں تم ان کے پاس رہو پاکستان میں تمہاری شادی بھی وہی اپنے ہاتھ سے کریں گی۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو.....!“

”وہی جو سچ ہے۔“

”مگر میں اس قابل نہیں ہوں عالمگم۔“

”کیوں؟“ زاویار نے اعتراض کیا، پرہیان نے سر جھکا لیا۔

”میری ماں نے انہیں بہت تکلیف دی..... میں ان کا سامنا کیسے کروں گی؟“

”تکلیف تو میں نے بھی بہت دی ہے انہیں، مگر وہ ماں ہیں اور مائیں معاف کرتی دیتی ہیں پر ہی چاہے جتنی

بھی ناراض ہوں ویسے بھی اب سارا ممّا کی ڈک-جھ ہو چکی ہے، تم ان کے کسی بھی عمل میں قصور وار نہیں ہو۔“

”مگر.....“

”کوئی اگر مگر نہیں جلدی سے سامان باندھوا ہوا، ہمیں پاکستان واپس جانا ہے، ممانے خود بلایا ہے تمہیں۔“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔“

”مجھے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”ریٹلی ممانے مجھے معاف کرو یا؟“

”یارت تم کیسی باتیں کر رہی ہو، ماما تم سے ناراض ہی نہیں تھیں تو معافی کا کیا سوال؟“

”اور کیا؟“

”یاپا بھٹی فی الحال ملک سے باہر ہیں نمبر بھی بند ہے ان کا۔“

”ہوں“ میں ساویز سے بات کروں گی کہ وہ پاکستان میں ہی شادی کا رنج کر لے۔“

”ٹھیک ہے اب چلو اٹھو کوئی کھانے پینے کا بندوبست کرو میری بیوی تھکی ہوئی ہے اور ہم دونوں کو بھوک بھی لگ رہی ہے۔“ وہ اس کے پیڑ پر پاؤں پار کر لیٹ گیا۔ پرہیان کی آنکھوں میں آنسو چمک اٹھے۔

”اور ہاں عالمکہ اب تمہاری اکلوتی بھابی کے عہدے پر فائز ہے عالمکہ کے ساتھ بھابی لفظ بھی جوڑ لو تو مہربانی ہوگی جناب کی۔“ اس نے مزاح کے موڈ میں کہا، پر بیان کے لیوں پر بہت دلوں کے بعد مسکراہٹ بکھر گئی۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ عالمکہ کے گلے لگی۔

اثبات میں سرہلاتے ہوئے وہ عالمکہ کے گلے لگی۔

رات کھانا کھانے کے بعد زواہر سو گیا تو پرہیز خان عالم کو لے کر باہر لاؤنج میں آ بیٹھی۔

”تم بھائی کے ساتھ خوش ہوناں عالمکہ؟“

”ہوئی پہلے خوش نہیں تھی اب خوش رہنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

”میں بھی نہیں۔“

”تم سمجھو گی بھی نہیں۔“ پر ہیان کی الجھن پر مسکراتی ہوئی وہ رخ پھیر گئی۔

”ہم دونوں نے ابھی اپنا رشتہ شروع کیا ہے پری اس سے پہلے ہم صرف سمجھوتے کی زندگی بسر کر رہے تھے۔“

”اوہ‘ سد مد کا کہا پنا؟“

”کچھ نہیں ایک مشن میں یادداشت چلی گئی اس کی بعد میں اس نے ایک کشمیری مجاہدہ کے ساتھ شادی کر لی“

”یہ تو بہت افسوس ناک بات ہے عائکہ۔“

”کیا کیا جاسکتا ہے۔“ عائلہ کے لبوں پر پھلکی سی مسکان بکھر کر دم توڑ گئی، تبھی پری بولی۔

”ہم عورتوں کے ساتھ محبت کا تماشا بھی عجیب ہے پری محبت ہمارے بس کا روک بھی نہیں ہے اب مجھے ہی دیکھ لو جب سادی نے قطع تعلق کیا، میں اندر سے ٹوٹ کر رہ گئی، مجھے لگا جیسے دنیا میں کچھ بھی میرے لیے نہیں ہے مگر اب جبکہ ہمارے درمیان سب ٹھیک ہو چکا ہے، میں اب بھی پرسکون نہیں ہوں، میرا دل عجیب سی دشت کا شکار ہے، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا مجھے۔“

’ایسا کیوں؟‘

’یتہ نہیں پار‘ میں خود بھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔“

چلو کوئی نہیں ہو سکتا ہے سارا آنٹی کی ڈی تھ کی وجہ سے دل و دماغ متاثر ہوئے ہوں آہستہ آہستہ سب ٹھیک

”ہو جائے گا۔“
 ”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ سر عاتکہ کی گود میں رکھتے ہوئے اس کے لیوں نے جنبش کی۔
 عاتکہ دیر تک اپنی گود میں اس کا سر رکھے اس کے بال سہلائی رہی تھی۔

﴿.....﴾
 عاتکہ کچن میں تھی جبکہ زادیار سو رہا تھا۔ پر ہیان نے فریش ہو کر ساویز کا نمبر ملا لیا، تیسری بیل پر کال پک ہو گئی تھی۔

”السلام علیکم۔“
 ”وعلیکم السلام! کیسی ہو تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ وہ اس کے لیے بے حد فکر مند تھا، پر ہیان نے
 نیکی کے ساتھ سر نکال لیا۔

”ہوں مجھے کیا ہونا ہے؟“

”نمبر کیوں بند کیا تھا؟“

”بس دیے ہی تم کہاں ہو؟“

”آفس میں۔“

”کیا ابلی بھی آیا ہے آج؟“ بے ساختگی میں اس کے لیوں سے پھسلا ساویز کا نمبر بن گیا۔

”وہ تو روز آتا ہے۔“

”کل نہیں آیا تھا۔“

”ہاں کل اس کی نیو گرل فرینڈ کی پارٹی تھی اسی کے ساتھ معروف تھا، تم اس کے ساتھ اپنا رشتہ ختم کر چکی ہو
 پری، اس نے احتجاج بھی نہیں کیا کیونکہ اسے تم میں دلچسپی نہیں ہے، بہتر ہے تم بھی اسے سوچنا، اس کے ساتھ
 رابطہ میں رہنا، گھومنا پھرنا چھوڑ دو مجھے پسند نہیں ہے تم اس کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق رکھو۔“
 ”وہ میرا دوست ہے ساویز اور میرا محسن بھی۔“

”کچھ بھی ہو جب مجھے پسند نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ رکھو تو تمہیں بھی پسند نہیں

ہونا چاہیے۔“

”اوکے مجھے کچھ اور بھی کہنا تھا تم سے۔“

”ہوں کہو۔“

”زادیار بھائی آئے ہوئے ہیں لندن، مجھے اپنے ساتھ پاکستان لے جانا چاہتے ہیں ہم شادی

پاکستان میں کریں۔“

”کیوں؟“ ساویز کو اس کی بات نہایت ناگوار گزری۔

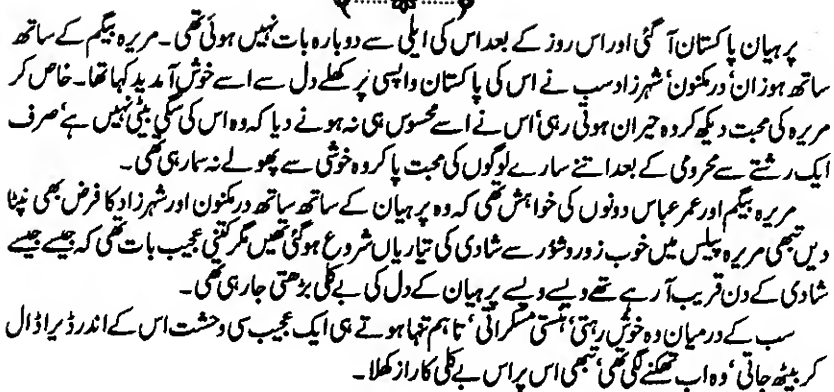
”کیونکہ ماما ایسا چاہتی ہیں۔“

”تمہاری ماں اب اس دنیا میں نہیں کسی اور کی ماں کی خواہش پر ہم اپنا سارا پروگرام تو ڈسٹرب نہیں کر سکتے

ناں۔“ وہ خود ڈسٹرب ہو گیا، پر ہیان کو بے حد برا لگا۔

”ڈسٹربنس کی کیا بات ہے اس میں وہ میری ماں ہیں ان کا حکم اور خواہش میرے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں

اور پھر تمہیں کیا مسئلہ ہے شادی یہاں ہو یا وہاں۔“



خواب بہت ضدی ہوتے ہیں.....!

جلتی بجھتی پلکوں کی دلیز اتر کر آ جاتے ہیں
دل مٹھی میں وہ دم دھڑکتے رہتے ہیں
زیر ز میں انہونی کے اندازے بہتہ رہتے ہیں
نیند کے ہر پھیرے میں آ نکھیں
پھول بنول کے آتش رنگ
زمانے سوچ کے ڈر جاتے ہیں
رات کے بھاری دروازے کو
کھول کے باہر آ جاتے کی خواہش میں
جاکتی رہتی ہیں
بھر بھی دروازے پر پہرہ دینے والی
تنہائی سے آنکھ بچا کر
دھیان کے چو باروں سے
پلکوں کی دلیز اتر کر آ جاتے ہیں
انہونی کے تھر کی زد میں رہتے ہیں
خواب بہت ضدی ہوتے ہیں.....!!

وہ پاکستان آگئی مگر اسے ایلی جو مان کی یاد شدو سے آنے لگی تھی۔ لندن کی سڑکیں اور گلیاں یاد آ رہی تھیں۔ وہ جسے چھوڑ آئی تھی اب نگاہیں اسی شخص کا چہرہ دیکھنے کو بہ قرار ہو رہی تھیں۔ اس کا دل ایلی جو مان کے نام کی بیج کر رہا تھا۔

کیسی بغاوت تھی؟

کیسا انکشاف تھا؟

جب تک بے خبر تھی قدرے سکون تھا مگر اب تو جیسے چاروں طرف آگ بجڑک اٹھی تھی اور اس کا وجود اس

آگ میں جل رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ اسے سوچتی رہی تھی اس کے اندر عجب سی ویرانی بکھرتی جا رہی تھی، کمر بند کر کے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد باندھتے ہوئے وہ نیچے زمین پر بیٹھی کتنی ہی دیر تک روتی رہی تھی۔
یہ کیا ہو گیا تھا ایسے تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

وہ کسے چھوڑ آئی تھی؟ ابلی جی وہاں کو؟
نہیں بلکہ وہ اپنا آپ پیچھے چھوڑ آئی تھی اپنا سکہ چین اپنا قرار اپنی ہر خوشی..... کتنی بڑی واردات ہو گئی تھی دل مسند کے اندر اور اسے خبر تک نہیں ہو سکی تھی۔ اس رات پوری شب وہ روتی رہی اگلی صبح اس نے ٹھنڈے پانی کے چھپا کے مار کر خود کو مارل کر لیا تھا۔

مریہ ہر چیز اس کی پسند سے خرید رہی تھیں..... وہ ان کی خوشی کے لیے خود کو خوش ظاہر کر رہی تھی.....
مہندی والی رات شہر زاد اور عاکلہ نے مل کر اسے اور درمکون کو خوب تنگ کیا..... درمکون کو ابھی تک خبر نہیں تھی کہ اس کی شادی کس کے ساتھ اس کی ماں نے اپنی پسند سے طے کر دی ہے وہ بس اپنی ماں کی خوشی میں خوش تھی۔
اپنے دل اور دل کی خوشی کو بغیر کوئی اہمیت دیئے۔

مہندی کا فنکشن بے حد شاندار رہا تھا، مریہ کو ہر لمحہ صمد حسن کی کمی بے حد محسوس ہوئی تھی۔ اس نے زاویار سے کہا کہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کے نکاح سے پہلے صمد کے طور پر ایک سو غریبوں کو کھانا کھلائے گی۔ زاویار نے اس کا حکم پورا کرتے ہوئے کھانے کا انتظام کر دیا تھا۔

مریہ اپنے ہاتھ سے سب کو کھانا دے رہی تھی..... سب سے آخر میں اس نے جس شخص کی پلیٹ بھری اس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ پلیٹ پکڑاتے ہوئے اس کی نظریں جیسے ہی اس شخص کے ہاتھوں پر پڑیں وہ گویا ساکت رہ گئی۔ اس کے سامنے کھڑا وہ شخص جس کا چہرہ رومال سے چھپا تھا کوئی فقیر نہیں تھا، وہ تو قیس تھا۔
”لیا“ کے عشق میں بے حال قیس.....!

وہ پلیٹ تھامے کھڑی رہی اور وہ ہاتھ بڑھائے کھڑا رہا۔ نہ اس نے پلیٹ اس کے سپرد کی نہ اس نے ہاتھ پیچھے کیے..... زاویار کو مجبوراً قریب آنا پڑا۔

”کیا ہوا ماما؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟“ مگر مریہ کو اس کے الفاظ سنائی ہی نہیں دیئے، اس کی نظریں تو سامنے کھڑے شخص پر جمی تھیں۔ زاویار نے اس کی نگاہوں کی تقلید میں آگے بڑھ کر سامنے کھڑے شخص کے چہرے سے رومال ہٹایا تو وہ بھی ششدر رہ گیا۔

”پاپا آپ؟“ اس کے لبوں نے بجا واز جنبش کی۔ مریہ جیسے مٹی ہو گئی۔
سامنے کھڑے صمد حسن کو دیکھتے ہوئے وہ نیچے زمین پر پڑ پڑی چلی گئی جب کہ صمد نے اسے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

”وقت جتنا بھی ظالم ہو جائے میرا اتنا ظالم کبھی نہیں ہو سکا کہ تم میرے دل سے نکل کر قدموں میں آ بیٹھو۔“
اس کی محبت آج بھی وہی تھی، مریہ رو پڑی۔

اللہ نے کتابا و احسان کیا تھا اس پر صمد حسن کو بالکل صحیح وقت پر بھیج کر وہ جتنا بھی اپنے خالق کا شکر ادا کرتی کم تھا۔ صمد نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔
زاویار کو لگا جیسے اس کا دل خوشی سے پھٹ جائے گا..... اگلے کچھ ہی لمحوں میں مریہ پلس حقیقی خوشیوں میں نہا گیا تھا۔

بیٹی
بیٹی بن کر آئی ہیں ماں باپ کے چوں میں
بیر ہوگا کل ہمارا کسی اور کے آگن میں
کیا سوچ کر یہ ریت خدا نے بنائی ہوگی
کہتے ہیں آج نہیں تو کل کو بیٹی پرانی ہوگی
دے کر جنم پال کر ہم کو بڑا کیا
وقت آنے پر انہی ہاتھوں سے ہم کو وداع کیا
کیوں رشتہ ہمارا اتنا عجیب ہوتا ہے
کیا بس یہی ہم بیٹیوں کا نصیب ہوتا ہے
منزہ ثناء طارق..... چنیوٹ

وہ تینوں پارلر سے تیار ہو کر آئیں تو ہر طرف گہما گہما تھی۔
عبدالہادی کا نکاح سب نے پہلے ہوا تھا پھر صیام کا ساویز کا نکاح ابھی شروع ہوا تھا جب مولوی صاحب
نے پوچھا۔
”آپ احمد آفندی صاحب کے صاحبزادے ہیں ناں؟“ ساویز کے لیے یہ سوال بے حد حیران کن تھا تبھی
اس نے حیرانی سے پوچھا۔
”جی ہاں کیوں؟“
”میرے بہت اچھے دوست ہیں احمد آفندی صاحب ابھی کچھ روز پہلے میں نے ہی آپ کا نکاح پڑھا تھا
جلیل صاحب کی پوتی کے ساتھ۔“ مولوی صاحب کی اطلاع صرف ساویز کے لیے ہی نہیں وہاں موجود ہر شخص
کے لیے کسی ہم سے کم نہیں تھی۔ زادیار نے نکاح وہیں روک دیا۔
”تم پہلے سے شادی شدہ ہو ساویز؟“
بھانڈالوں میں چوراہے پر پھونٹے گا ساویز کے گمان تک نہیں تھا۔ وہ تو اپنی طرف سے تمام حفاظتی بند باندھ
کر آتا تھا اسے کیا پتہ تھا کہ نکاح پڑھانے والا مولوی صاحب ہی آشنا نکل آئے گے؟
”ہوں مگر وہ شادی میری رضا سے نہیں ہوئی۔“
”پری کو پتہ ہے؟“
”نہیں۔“

”تو پھر یہ نکاح نہیں ہو سکتا ایم سوری۔“ وہ تو پہلے ہی اسے پسند نہیں کرتا تھا اب تو بات ہی اور تھی۔ اگلے چند
لحوظ میں وہاں اچھی خاصی کھلبلی مچ گئی تھی۔
پر بیان کو پتہ چلا تو اس کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ ٹوٹ کر گرے تھے۔ ساویز اتنا بڑا فراڈ ہوگا اس
نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ کتنا بڑا دھوکہ تھا وہ شخص کہ جملہ حقوق کسی اور کے نام سے محفوظ کروا کر کبھی اس کی
زندگی کے ساتھ کیلئے چلا تھا۔ وہ رو دی۔ مریدہ کو ساویز پر غصہ تو بہت آیا مگر وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اسے
محفل سے کام لینا پڑا۔

غزل

زمین بدل گئی آسمان بدل گیا
تم کیا ملے زیت کا عنوان بدل گیا

دیکھ راہ پار کی کرشمہ سازیاں
کہ سنگ میل منزلوں کے نشان بدل گیا

جھٹ تو پرائی تھی ہی ہوئے در و دیوار اجنبی
گھر کی تلاش میں پھر مکان بدل گیا

تمہیں پایا تو محبت کے سب اسرار کھلے
نصرت سوز عشق کا بیان بدل گیا

جس کی طاقت پر اتاری کشتی دریا میں
ہوا بدلنے سے پہلے وہ بادبان بدل گیا

اپنی ذات سے نکلے تو تیرے قرب میں محصور ہوئے
میری قبر نہیں بدلی زعاں بدل گیا

فانزہ بھٹی..... چوکی

کے خیال سے گھر چلا آیا۔ مگر وہ اب کمرے میں نہیں تھی، صرف کمرے میں کیا وہ تو کہیں بھی نہیں تھی۔ اپنے چلنے
سکھنے وجود کے ساتھ اللہ جانے وہ کہاں چلی گئی تھی اس نے گھر کا کوٹنا چھان مارا، مگر وہ نہ ملی۔ ہر چیز جوں کی
توں موجود تھی صرف ایک وہی نہیں تھی۔ اس کا دل جیسے تڑپ اٹھا۔ بھاگ کر ٹھیک پر آیا تو چونک کر مستحکم کھڑا ہوا۔
”خان بابا، ہوزان بی بی کہیں بتا کر گئی ہیں کہ کہاں جا رہی ہیں؟“ اسے بدحواس دیکھ کر چونک کر پوچھا کہ

”نہیں، بیٹا، بتا کر تو نہیں گئیں، ہاں البتہ وہ مجھ سے ریلوے اسٹیشن کا ضرور پوچھ رہی تھیں کہ کتنی دور ہے۔“

”ٹھیک ہے شکریہ۔“ تیزی سے کہہ کر وہ پلٹا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

اگلے تیس منٹ کے بعد وہ ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا۔ روشن دن طلوع ہونے کو بے قرار تھا، وہ مضطرب سا
چلتا اسے ادھر ادھر دیکھتا رہا، کبھی اس کی نگاہ دور ایک بیچ پر بیٹھے بیوے پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی اس کے
قدموں کی چال میں مزید تیزی آ گئی۔ وہ ہوزان ہی تھی۔

کسی لئے ہوئے مسافر کی طرح تنہا بیٹھی وہ کسی گہری سوچ کے سمندر میں غرق تھی۔ عمر عباس کا دل جیسے
قرار پا گیا۔ چپکے سے اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے پہلی بار اس نے اپنی زندگی میں اس کی الگ حیثیت اور
اہمیت کو تسلیم کیا تھا۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے آہستہ سے پوچھا تو وہ چونک کر پھر عمر عباس پر نگاہ
پڑے ہی اس کی آنکھیں پھر سے نم ہو گئیں۔

”کہیں نہیں..... میری کوئی منزل نہیں، اپنی ساری کشتیاں جلا بیٹھی ہوں میں۔“ اس کے لہجے میں صدیوں کی
تھکن تھی۔ عمر کا دل جیسے کسی نے ٹھکی میں لے لیا۔

”بس اتنا ہی صبر اور حوصلہ تھا تمہارے اندر ہوزان۔“ وہ اس کی برداشت اور محبت کا امتحان لے رہا تھا ہوزان کے لبوں پر بے جان سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”ہاری نہیں ہوں شک گئی ہوں۔“

”فرار کسی مسئلہ کا حل نہیں ہوتا ہوزان۔“

”میں اب کسی سے نہیں اپنے آپ سے بھاگ رہی ہوں۔“

”کیوں؟“

”پتہ نہیں۔“ اب وہ رو رہی تھی، عمر عباس نے اپنا بازو اس کے کندھوں کے گرد لپیٹ لیا۔

”اپنے آپ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گی؟“

”جہاں میری تقدیر لے جائے۔“

ضبط اور دروکی انتہا پر کھڑی وہ لڑکی اس کے سالوں سے سوائے احساسات جگا گئی تھی ابھی اس نے اسے اپنے

ساتھ لگا لیا۔

”نہیں اب کہیں نہیں بھاگ کر جاسکتی تم کیونکہ اب عمر عباس کا دل تمہارہ عادی ہو گیا ہے۔“ اس نے

اقرار کیا۔

ہوزان کے آنسوؤں میں شدت آگئی، تبھی وہ پھر بولا۔

”یہ سچ ہے کہ میری زندگی میں مرہ کے سوا کوئی دوسری لڑکی نہیں آئی، مگر میری زندگی میں اب تم دوسری لڑکی

ہو ہوزان میں تمہارے ساتھ کا عادی ہو گیا ہوں آج تک تم نے بھی مجھے اپنے وجود کی اہمیت کا احساس نہیں

ہونے دیا، مگر آج صرف چند لمحوں کے لیے تمہیں وہاں گھر میں موجود نہ پا کر مجھے لگا جیسے تم وہاں نہیں ہو تو وہ گھر

گھر نہیں ٹھنڈا اور دیرانہ ہے۔ ایم سوری ہوزان..... میں اپنی ہر خطا کی مجبانی مانگنے کے لیے تیار ہوں، مگر پلیز

مجھے کبھی اکیلا چھوڑ کر مت جانا پلیز.....“

وہ اس پر کھل گیا تھا۔ وہ بھی سب تو سنا چاہتی تھی مگر کتنی تاخیر ہو گئی تھی، تاہم دیر آید درست آید کے مصدق عمر

عباس کی شکست پر اس نے اپنا سر اس کے مضبوط کندھے پر ٹکا دیا۔ عمر عباس نے اس کے سنگ اپنی زندگی میں

خوشیوں کا دروازہ کھول دیا تھا۔



ایلی چوہان پر ہیان کے سامنے بیڈ پر بیٹھا تھا اور وہ بنا موقع کی نزاکت کو سمجھے اس کے بازو پر کے برسا

رہی تھی۔

”پوچھو بے ایمان بے حس بے وفا، جب تمہیں پتہ تھا کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو پھر بتایا کیوں نہیں؟“

”کیسے بتاتا تم تو دل و جان سے ساویز حسن پر فدا تھیں میں نے ایک بار رد ہونے کا درد سہا تھا دوبارہ وہی درد

برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی ویسے بھی جب تک مجھے خود اس واردات کا پتہ چلا بہت لیٹ ہو گیا تھا میں۔“

”اور اگر ساویز سے میری شادی ہو جاتی پھر؟“

”میرے جذباتوں میں کھوٹ نہیں تھا پھر کیسے ہو جاتی اس کے ساتھ تمہاری شادی۔“

”تم واقعی بہت برے ہو ایلی بالکل بھی اچھے انسان نہیں ہو تم۔“

”میری بھی یہی رائے ہے تمہارے بارے میں۔“ وہ اب اس کے بال کھینچ رہا تھا، پر ہیان نے تکیہ دے مارا

نزل
 گوئی ہوئی آج کچھ زبان کہتے کہتے
 ہچکچایا میں خود کو مسلمان کہتے کہتے
 یہ بات نہیں مجھ کو رب پر یقین نہیں
 بس ڈر گیا میں خود صاحب ایمان کہتے کہتے
 کسی کافر نے پوچھا جو کیا ہے مہینہ
 ہاتھ سے پانی کا گلاس مگر گیا رمضان کہتے کہتے
 میری الماری میں گرد سے کتاب کا جو پوچھا
 میں زمین میں گڑھ گیا قرآن کہتے کہتے
 مہک علوی..... میاں کوئل

جسے اس نے آرام سے بچ کر لیا۔
 ”ایک سر پرانز اور بھی ہے تمہارے لیے۔“ اپنا سر مزے سے پرہیان کی گود میں رکھ کر وہ لیٹ گیا۔
 پرہیان اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔
 ”کیسا سر پرانز؟“
 ”لندن کس مقصد کے لیے آئی تھیں تم؟“
 ”یتیم اور بے سہارا بچوں کی کفالت کے لیے ایک ٹرسٹ بنانے کا عزم لے کر۔“
 ”ہوں تمہارا یہ خواب بھی پورا کر دیا ہے میں نے۔“
 ”وہ کیسے؟“

”میرا ایک دوست پاکستان میں پانچ کنال زمین کا مالک ہے چھ ماہ پہلے اسے کسی مسئلے کی وجہ سے اس نے اپنی زمین مجھے فروخت کر دی تھی میں نے وہ زمین خریدنے کے بعد وہاں عمارت کی تعمیر شروع کر دی پانچ کنال اراضی پر میں نے چھوٹے چھوٹے گھر تعمیر کروادیے ہیں جن میں اپنی ناخلف اولاد کے ہاتھوں ستائے بوڑھوں کے ساتھ دودھت کی روٹی کوترستے چھوٹے معصوم بچے اور خواتین رہیں گی بعد میں ہم ان خواتین کی شادیاں کروا کر انہیں وہیں ایک فیملی کی طرح رہنے کی اجازت دیں گے یوں بچوں اور خواتین کے ساتھ ساتھ بوڑھوں کو بھی گھر جیسا ماحول مل جائے گا۔“

جو سچی محبت کرتے ہیں وہ اپنے محبوب کی ہر خوشی اور خواہش کو اہمیت دیتے ہیں اہلی چوہان نے بھی قدم قدم پر یہی کیا تھا مگر پرہیان اس کی نوازشات کو سمجھ نہیں سکی تھی۔ اس وقت بھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اہلی کا چہرہ لیتے ہوئے وہ رو پڑی۔

”جزاک اللہ مجھے فخر ہے کہ اللہ رب العزت نے ایک بہترین فیض کو میرا ہمسفر بنایا میں دن رات بھی اللہ رب العزت کے اس احسان کے لیے اس کے حضور سجدہ ریز رہوں تو بھی کم ہے۔“ اہلی مسکرایا اور اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر چوم لیے۔

زندگی اچھے برے دنوں کا سنگم ہے پرہیان عزیر کی زندگی سے بھی برے دنوں کا قافلہ گزر چکا تھا اب اچھے

دنوں کا سورج طلوع ہو رہا تھا اس نے مسکرا کر اپنے دل کے سارے بند دروازے وا کر دیئے۔ سندھیا جہاں سے آئی تھی ایلی چوہان کی پرہیزگار عین سے بے انتہا محبت دیکھ کر واپس وہیں چلی گئی۔ نئے روشن دنوں کی سرزمین پر اب اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔



وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی زیور اتار رہی تھی جب میام نے کمرے میں قدم رکھا..... سامنے کا منظر اس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ جلدی سے کمرالاک کر کے وہ اس کے قریب چلا آیا۔
 ”اتنا دزدنی زیور تو نہیں ہے کہ آپ میرے آنے کا انتظار بھی نہ کر سکیں ڈیئر درمکنون میم۔“ وہ سنجیدہ ہوا۔
 درمکنون اپنے کام میں لگی رہی جیسے اس نے سنا ہی نہیں، ابھی مجبوراً میام کو اس کا بازو پکڑنا پڑا۔
 ”میں کچھ کہہ رہا ہوں آپ سے۔“
 ”مجھے اچھن ہو رہی ہے سونا ہے۔“
 ”کیوں؟“
 ”مجھے نہیں پتہ۔“

”مگر مجھے پتہ ہے۔“ درمکنون کے گال پر ہلکی سی چٹکی کاٹتے ہوئے اس نے اس کی لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹ لیا۔

”ادھر آئیں، دل صاف کروں میں آپ کا میڈم صاحبہ۔“ کہنے کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے بیڈ پر لے آیا۔ درمکنون لا تعلق سی اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔
 ”میں نے سوچا تھا جب میں کمرے میں جاؤں گا تو سب سے پہلے شکرانے کے دو نفل پڑھوں گا کہ میرے مالک نے بغیر کسی مشکل یا آزمائش کے اتنی بڑی خوشی میری جھولی میں ڈال دی، مگر آپ نے.....“ وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔ درمکنون ہنوز بے نیاز بنی بیٹھی رہی۔

”میں جانتا ہوں آپ کے دل میں کیا چل رہا ہے، یہی کہ میں کسی اور کا نصیب تھا، آپ نے کسی اور سے مجھے چھین لیا وغیرہ وغیرہ، مگر حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں، کیونکہ بچپن کی مٹکنی صرف ابو کی خواہش پر یک طرفہ ہوتی تھی، میری بابائی گھروالوں کی رضامندی شامل نہیں تھی اس میں اسی لیے وہ ختم کر دی، میں نے اگر اپنی زندگی میں کسی لڑکی کو دن رات شدت سے چاہا اور سوچا ہے تو بس وہ صرف آپ ہیں۔ اسی لیے میرے سوہنے رب نے میرے نصیب کا حصہ بنادیا تمہیں۔“ وہ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔ درمکنون کو اپنی خاموشی کا نفل توڑنا پڑا۔
 ہوں اور جو وعدے سجان کے ساتھ شادی کی پلاننگ کر رہے تھے وہ؟“ اس نے کچھ ایسے حملہ آور انداز میں کہا کہ میام بے ساختہ ٹھٹھکا کر بس دیا۔

”ادھو چل، یہ انوہ ضرور میرے کسی دشمن نے اڑائی ہے، سچائی صرف اتنی ہے کہ عدینہ کو کہیں سے معلوم ہو گیا کہ میں تم میں انٹرسٹ تھا اور تمہارے دل میں بھی شاید کوئی جذبہ تھا میرے لیے، بس اسی بات پر صرف تمہیں تکلیف دینے کے لیے اس نے مجھے پر پوز کر دیا تھا۔“
 ”اور تم نے وہ پر پوز قبول کر لیا، ہے ناں؟“ وہ آتش فشاں بنی ہوئی تھی میام پھر مسکرا دیا۔
 ”یہ تو بھی عدینہ نے لے لی تو اسی سے پوچھنا۔“

”جو چیز نظر آ رہی ہو وہ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔“

”چلو وقت بتائے گا۔“ وہ اٹھا درمکنون جل گئی۔

”تم جاب چھوڑ کیوں نہیں دیتے اس کی؟“

”بہترین پیلری بیچ ہے کیسے چھوڑ دوں؟“ اب وہ بھی وارڈروب سے کپڑے نکال رہا تھا وہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”مجھے پسند نہیں ہے تم اس کے ساتھ جاب کرو۔“

”تو؟“ بھنویں اچکا کر سکرا ہٹ روکتے ہوئے اس نے اس کا مضبوط آزما یا۔ درمکنون نے آگے بڑھ کر اپنا سر اس کے سینے پر لگا دیا۔

”تو جو چیز مجھے پسند نہیں ہے وہ چھوڑ دو ہمارا اللہ مالک ہے۔“ اس بار اس کے انداز میں عاجزی تھی۔ صیام نے وارڈروب چھوڑ کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

”اتنی جیسی؟“

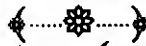
”جیسی نہیں میرا حق ہے اب۔“ اس نے دھونس جھائی صیام کے اندر خوشی کے جلت رنگ نکالے۔

”ٹھیک ہے جناب سوچتے ہیں کچھ ایک دوست دینی کا ویزہ آفر کر رہا ہے شاید میں باہر چلا جاؤں۔“ اسے بانہوں کے حلقے میں لے کر وہ پھر سے بیڈ پر آ بیٹھا۔ درمکنون مسکرا دی۔

”اب نقل پڑھ لیں؟ باتوں میں لگ گئے تو عمر گزر جائے گی۔“

”ہوں۔“ وہ مطمئن ہوئی تھی۔ صیام نے اس کی پیشانی چوم لی۔

دلوں سے رنگ اتر جائے تو زندگی خوب صورت ہو جاتی ہے درمکنون صمید حسن کی زندگی سے بھی سارے رنگ اتر گئے تھے اور اب وہاں صرف خوشیوں کا بسیرا تھا۔



صمید حسن نے مریرہ کو نیا گھر گفٹ کیا تھا۔ وہ آج بھی بیس سال پہلے کی طرح بے حد حسین اور شگفتہ تھی..... پریشان اور درمکنون کی رخصتی پر وہ اور صمید دونوں بیرونی گیٹ پر کھڑے دیر تک انہیں دیکھتے رہے تھے۔ مریرہ کی آنکھیں صمید نے اپنی انگلیوں سے صاف کی تھیں۔

اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر سست روی سے چلتا وہ گھر کے اندر لے آیا۔ ساری الجھنیں ساری آزمائشیں ختم ہو گئی تھیں۔

اب باقی کا سفر انہیں ایک دوسرے کی ہمرانی میں خوشی اور سکون کے ساتھ بسر کرنا تھا۔ شب ہجر کی تمام بارشوں کے بعد اب مطلع صاف ہو گیا تھا۔

(اختتام بخیر الحمد للہ)

(الحمد لله مسلسل اشاعت کہ چالیس سال مکمل)



نے جبران کو کال بھی کرنے کی کوشش کی تھی کہ جلدی لوٹ آئے لیکن اس کا میل بھی آف تھا۔

تسکین بیگم نے بیڈ کی پشت سے سر نکالیا اور آنکھیں بند کر کے ماضی کے دھندلوں میں اترتی چلی گئیں۔ بند آنکھوں میں گزشتہ ماہ و سال پر ت پر ت کھلتے چلے گئے۔

”اماں..... اماں.....“ وہ تقریباً چینی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر گزشتہ کئی دن کی نامیدی، ٹھکن اور کوفت کی جگہ امید، شکر اہٹ اور تازگی نمایاں تھی۔ اس کی آواز پر اماں کمرے سے باہر نکلیں۔

”اماں شکر اللہ پاک کا مجھے جاب مل گئی اور تنخواہ بھی مناسب ہے۔ ان شاء اللہ جلدی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی ہماری۔“ وہ اماں سے لپٹ کر بولی اماں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، بھی سوچا بھی نہ تھا کہ یوں بیٹی کو نوکری کی خاطر دھکے کھانے پڑیں گے۔ اچانک سے حالات ہی ایسے ہو گئے تھے کہ مجبوراً تسکین کو یہی گھر سے باہر نکلنا پڑا تھا۔

ہاشم صاحب دفتر میں جاب کرتے تھے دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بیٹیاں تسکین اور مہرین اور بیٹے چھوٹے اظفر اور اشعر تھے۔ معمولی سی جاب بھی پھر بھی سفید پوشی برقرار رکھی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی بچوں کو پڑھا رہے تھے۔ تسکین بی بی اے کر رہی تھی جب کہ مہرین فرسٹ ایئر اظفر اور اشعر ساتویں اور چھٹی کلاس میں تھے۔ تسکین کا رشتہ طے تھا اور اس کی شادی گرجویشن کے بعد ہوئی تھی۔ تسکین کا رشتہ اس کی اور زیم کی پسند سے طے ہوا تھا۔ زیم اس کا ماموں زاد تھا۔ ماموں شروع سے ہی دینی میں تھے۔ زیم اکلوتا بیٹا ہونے کے ساتھ لاڈلا بھی تھا۔ پیسے کی کمی نہ تھی۔ ممانی قد سیدہ بیگم توڑی تک چڑھی تھیں مگر پھر بھی بیٹی کی پسند کو نہ چاہتے ہوئے بھی پسند کر کے رشتہ طے کر چکی تھیں۔ ہاشم صاحب روایات کے پابند تھے۔ اس لیے رشتہ طے ہو جانے کے بعد کو زیم اور تسکین کو بات چیت کرنے یا ملنے جلنے پر اعتراض نہ کیا مگر گھومنا پھرننا سیر و تفریح کی

وہ جب سے آئی تھیں۔ عجیب سی بے چینی اور اضطراب کا شکار تھیں۔ برسوں گزر جانے کے بعد آج پھر ایک بار پرانے رزم ہرے ہو گئے تھے۔ دکھ اور بے وقفی کا احساس، ٹھکرائے جانے کا کرب ایک بار پھر پوری سرائت کے ساتھ رگ و پے میں اترنا محسوس ہوا تھا۔ وہ دکھ جو انہوں نے ٹھپک ٹھپک کر سلا دیئے تھے۔ تنخیاں اپنے اندر مار کر زندگی کو نارمل انداز میں گزارتے ہوئے اس مقام تک آئیں تھیں لیکن آج ان کے بیٹے نے ان کو تیس سال پیچھے لا کھڑا کیا تھا۔

انسان اپنے دکھ و درد و محرومیوں ازیت کو جب ٹھپک کر سلا دیتا ہے اور اپنے طور سے مطمئن بھی ہو جاتا ہے کہ وہ ماضی کی تنخیاں کو بھول چکا ہے۔ حال میں مگن ہو کر محض خود کو جھوٹی تسلی دیتا ہے۔ بظاہر ہنستا بولتا انسان اپنے اندر نہ جانے کیسے کیسے شوریدہ طوفان چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور کسی بھی یاد کا اندھا سا کنکر کسی کی سوچ کا معمولی سا اثر اور کسی کے ساتھ کا ایک لمحہ اسے پھر سے اسی مقام پر لا کھڑا کرتا ہے کہ جس سے منہ چھٹا کر اور دامن بجا کر وہ ساری زندگی گزار دیتا ہے۔ یہی حال تسکین بیگم کا تھا۔ وہ جن یادوں کو گزشتہ کئی برسوں سے بھولنے کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکی تھیں کہ..... آج پھر ایک بار انہی یادوں کے بھنور میں پھنس کر بے چینی اور اضطراب کی کیفیت سے دو چار تھیں۔ وہ تنخیاں ایک بار پھر سنان کے حواسوں پر اس طرح سے قابض ہونے لگیں تھیں کہ ان کا حلق تک ٹکڑوا ہو گیا تھا۔ خولہ دو بار انہیں دیکھ کر خاموشی سے دروازے سے لوٹ گئی تھی۔ کافی دن بعد اس نے ماما کو اس حالت میں دیکھا تھا۔ اس نے ماما کو مخاطب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ جانتی تھی کہ ماما کیسی حالت میں تنہا چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ مگر وہ اس کیفیت سے پریشان ضروری تھی۔ جبران بھی گھر نہ تھا۔ حالانکہ شام تک ممانتی خوش تھیں۔ خوشی خوشی روزینہ کے گھر گئی تھیں۔ ان کو جبران کی پسند پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ تو ساری زندگی بچوں کی خوشی میں خوش رہنے والی خاتون تھیں مگر آج ان کا یہ رویہ خولہ

اجازت نہیں دی تھی۔ زعم آتا تو سب کے ساتھ ہی بیٹھتا۔ اسے بھی بچو یا کی اس بات سے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ویسے بھی کچھ دن کی بات تھی پھر تو شادی ہو جائی تھی۔
قدس بیگم نے اس بات پر دوا دیا کیا تھا۔

”بھائی صاحب آپ کس دنیا میں رہتے ہیں؟ بھلا آج کے دور میں ایسی پابندیاں بچے کہاں برداشت کریں گے؟ پھر جب ان لوگوں کو ساری زندگی ساتھ گزارنی ہے تو..... زمانے کی سوچ بدل گئی ہے بھائی صاحب۔ اس لیے اپنی سوچ بھی بدلیں۔“ قدسیہ بیگم کی بات پر ہاشم صاحب زرب لب مسکرائے۔

”قدسیہ بھابی..... سوچ بنانے والے ہم خود ہیں۔
 معاشرے کو سنوارنے اور بگاڑنے والے بھی ہم ہی ہیں۔
 ہم زمانے کی آڑ لے کر اپنے دل کی خواہشات کی بھڑاس
 نکالتے ہیں۔ اچھی سوچ اچھے معاشرے کی عکاسی کرتی
 ہے۔ مثبت انداز میں سوچنے والی بات کو زمانے اور سوسائٹی
 کے انداز سے پرکھیں مگر تو مطمئن نہیں ہو سکتے اور پھر
 ساری زندگی ان کو ساتھ گزارنی ہے تو پھر کچھ دنوں کی
 پابندی گراں نہیں گزرے گی۔ کم از کم مجھے اپنی بچی پر مکمل
 یقین ہے کہ وہ میری اس بات کو مثبت انداز میں سوچے
 گی۔“ ہام صاحب کی بات سن کر قدسیہ بیگم نے زعمیم کی
 طرف دیکھا۔ زعمیم کے چہرے پر اطمینان نظر آیا تو قدسیہ
 بیگم ہلے گھور کر رہ گئیں۔

”سچ میں شہناز..... بھائی صاحب کی منفق میری سمجھ سے باہر ہے۔ زمانہ کہاں سے کہاں جا رہا ہے اور یہ آج تک زمانہ قدیم میں جی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ کم لوگوں کو کبھی اسی طرز پر جینے کے لیے مجبور کر رہے ہیں۔“ انہوں نے زندہ کے سامنے پھپھولے پھوڑے۔

”ہمیں بھائی..... ایسی بات نہیں ہے تحسین کے والد مذہبی اور روایات کے پابند ہیں اور اگر وہ ہمیں پروے کی تاکید کرتے ہیں۔ غیر محرم سے بات نہیں کرنے دیتے یا اجنبی روایات کی پاسداری کرتے ہیں تو ہمیں یہ گراں نہیں گزرتا۔“ نندکا مات بھی ان کو بری لگی تھی۔ وہ ویسے بھی

ذاتی طور پر تسکین کو خاص پسند نہیں کرتی تھیں کیونکہ اکلوتے بیٹے کے لیے امیر لڑکی کا تصور لیے بیٹھی تھیں مگر شوہر اور پھر زعم کی خند کتا گئے بے بس تھیں۔

اچانک ہی ایک رات ہاشم صاحب کو فالج کا ایک ہولہ وہ لوگ ڈاکٹر کے پاس لے کر بھاگے اور ہر طرح کی کوشش کی پر ایک بہت شدید تھا اور وہ مفلوج ہو کر رہ گئے۔ یہ سنا خان سب کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ گھر کے مسائل ایک دم سے سر پر آ گئے تھے بیٹے ابھی چھوٹے تھے جبکہ مہرین کی تعلیم اور دیگر اخراجات کے ساتھ تسکین کی شادی بھی سر پر تھی۔ جاب سرکاری تھی تو ذرا آسرن ہو گیا تھا۔ ہاشم صاحب بالکل چپ ہو کر رہ گئے تھے۔ بچوں کے لیے دیکھے سارے خواب چٹکانا چور ہو گئے تھے۔ ان کے سامنے گھر اور بچوں کی ذمہ داریاں تھیں۔ وہ سوچ کر ہی بے جان ہو جاتے۔ ایسے میں شہناز بیگم ان کو تسلی دیتیں۔ قدسیہ بیگم نے مالی امداد کرنا چاہی مگر ایک تو ہاشم صاحب نے ساری زندگی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا یا تھا دوسرے یہ کہ اب قدسیہ بیگم سہ ماہی تھیں اور بیٹی کے ہونے والے سسرال کے سامنے وہ شرمندہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔ جمع پونجی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ ہاشم صاحب کی دوائیں اور گھر کے اخراجات چلانا بے حد مشکل ہو گیا تھا۔ زعیم نے اپنے طور سے مدد کرنی چاہی مگر تسکین نے منع کر دیا۔ زعیم حالات جانتا تھا وہ کوشش کرتا اور کبھی پھل فروٹ اور کبھی کسی اور صورت میں درپردہ مدد کرتا۔ شہناز بیگم پریشان رہیں۔ اسی دوران تسکین کا رزلٹ بھی آ گیا اور تسکین نے گریجویشن اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ ہاشم صاحب بے بسی سے اسے سینے سے لگائے آنسو بہاتے رہے۔ انہوں نے کیا سوچا تھا اور ہو کیا گیا تھا۔ وہ خود کو ناکارہ سمجھ کر مزید اذیت کا شکار ہو جاتے۔ تسکین سے ماں باپ کی حالت اور بہن بھائیوں کی بے بسی دیکھی نہ جاتی۔ وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ تو شکر تھا کہ زعیم کی طرف سے شادی براہِ راز نہ تھا۔

ہے۔ پلیز آپ منع مت کیجیے گا۔“ اس کے لہجہ میں عاجزی تھی۔

”نہیں بیٹی..... ہرگز نہیں۔ تم اپنے اماں کو نہیں جانتیں۔ وہ کسی صورت بھی یہ اجازت نہیں دیں گے۔“ شہناز بیگم نے کہا۔

”اماں..... حالات بدل چکے ہیں۔ آپ خود دیکھ رہی ہیں کہ ہم کن حالات کا شکار ہیں۔ آگے چل کر مزید حالات خراب ہوں گے۔ کھانا پینا دوائیاں اور پھر ادائیگیاں وغیرہ یہ سب کیسے ہو پائے گا؟ مجھے بذات خود بھی یہ سب پسند نہیں اماں مگر اب مجبوری ہے۔ اگر میں نہیں تو کون سوچے گا؟ اماں نے ہمیں پڑھایا۔ اسی پڑھائی کو لے کر وہ کہتے خوش تھے۔ میں نے تو خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ کبھی میں جاب کے بارے میں بھی سوچوں گی مگر اب یہ مجبوری ہے اور ضرورت بھی..... پلیز

آپ اجازت دے دیں۔“ وہ عاجزی سے ہاتھ تھام کر التجا کر رہی تھی۔ شہناز بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ واقعی زندگی میں بھی ایسا مقام بھی آئے گا یہ تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مہرین نے بھی کہہ دیا تھا کہ وہ بھی شام کے وقت گھر پر بچوں کو ٹیوشن دیا کرے گی سب کو مل کر ہی اس بڑے وقت کو گزارنا تھا۔ شہناز بیگم بھی مجبور تھیں۔

ہاشم صاحب بے بسی کی تصویر بنے رہے۔ وہ سب کچھ دیکھا اور سمجھ رہے تھے مگر کس قدر مجبور ہوئے بس اور لاچار تھے کہ سوائے آنسو بہانے کے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ شہناز بیگم کی طرف سے اجازت ملی تو دونوں بہنوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ تسکین نے اپنی دوست رباب کو کال کی اور مہرین نے انظر کی مدد سے ٹیوشن سینٹر کا پورہ لگوا دیا۔ شام تک محلے سے چار پانچ بچوں کی اماں ٹیوشن کی بات کرنے بھی آئیں۔ اور تسکین اپنے ڈائونٹنکس سمیٹ کر فائل بنارہی تھی کہ زعیما آ گیا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ مہرین انظر اور اشعر بھی وہیں بیٹھے تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ زعیما نے پھیلے ہوئے کاغذات دیکھ کر سوال کیا۔

اس روز رات کے کھانے کے بعد ہاشم صاحب حسب معمول دوا لے کر سو چکے تھے۔ شہناز بیگم کمرے کی لائٹ آف کر کے برآمدے میں آئیں اور کپڑے تہہ کرنے لگیں۔ انظر، اشعر اور مہرین پڑھائی کر رہے تھے۔ تسکین کچن کی صفائی کر کے آئی اور برآمدے میں شہناز بیگم کے قریب ہی تخت پر بیٹھ گئی۔ شہناز بیگم نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر کپڑے تہہ کرنے لگیں۔ ان کے چہرے پر فکر اور پریشانی نمایاں تھی۔ وہ خود آنے والے حالات کو لے کر پریشانی کا شکار تھیں۔

”اماں..... آنا ختم ہو گیا ہے۔ صبح کے لیے انظر سے باپے منگوا لیں اور ہاں بانی چیزیں بھی ختم ہو رہی ہیں۔“ تسکین کی آواز پر شہناز بیگم نے دوبارہ نگاہ اٹھائی اور آنکھیں سے سر ہلایا۔

”اماں..... آج خالہ بھی باہر مجھے ملی تھیں کہہ رہی تھیں کمپنی کے پیسے جمع کروادو ماہ سے پیسے نہیں آئے۔“ انظر بھی پاس آ کر پڑوس کی خالہ کا ذکر کرتے ہوئے بولا۔

”ہنہ.....“ شہناز بیگم نے خنڈی سانس بھری اور بان دان کی ٹرے اٹھا کر نیچے کے خانے سے اپنی سونے کی چین لگائی۔

”تسکین کل اسے فروخت کر دیتے ہیں۔ مینے کاراشن تمہارے اماں کی دوائیاں اور کمپنی کے پیسے بھرنے ہیں۔“ ان کی آواز میں دکھ بول رہے تھے۔ آنکھوں میں جھللاتے آنسو باہر نکلنے کو بے تاب تھے۔ تسکین نے تڑپ کر ماں کی جانب دیکھا۔ ایک ہی چمن تو اماں کے پاس تھی۔ بانی تو انہوں نے دونوں بیٹیوں کے لیے سنبھال کر رکھ دیا تھا۔

”نہیں اماں.....“ وہ بے ساختہ بولی۔

”پھر..... پھر کیا کروں؟“ وہ کہتے رو دیں تھیں۔

”اماں پلیز.....“ اس نے آگے بڑھ کر شہناز بیگم کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”یوں دل چھوٹا نہ کریں اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ میں نے اپنی دوست سے جاب کی بات کی تھی اور کل مجھے اس کے بھائی نے آفس میں بلوایا

”جواب کے لیے کوشش کر رہی ہوں۔“ تسکین نے پیر اسٹبل کرتے ہوئے سر اٹھ کر اسے دیکھا آنکھوں میں بے بسی تھی۔

”کیوں.....؟ تم جواب کرو گی؟“ زعیم کو حیرت ہوئی۔

یہ اس کے لیے غیر یقینی اور شاید کذب بھی۔

”ہاں از عیم مجبوری ہے اباجی کی حالت سنبھلنے میں نہیں آ رہی..... اس لیے مجھے ہی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔“

”اوہ نہ.....“ زعیم نے سر ہلایا۔

”او کے..... ایک کام کرو اباجی تم صبر کرو۔ میں کچھ دن کے لیے آؤٹ آف شٹی جا رہا ہوں۔ واپس آ کر اس موضوع پر بات کرتے ہیں۔“ زعیم نے کچھ دیر توقف کے بعد کہا۔

”سوچنا اور بات کیا کرنی ہے زعیم؟ مجھے ہر حالت میں جواب کرنی ہے۔“ اس نے فیصلہ نہایا۔

”او کے..... مگر کچھ دن ٹھہر جاؤ۔“ زعیم جلدی میں تھا۔ اسے کہہ کر وہ واپس لوٹ گیا اور شام کو ہی دوسرے شہر چلا گیا۔

زعیم تین ماہ کے لیے گیا تھا اور تین ماہ تک انتظار کرنا ناممکن تھا۔ ادھر انٹرویو کی کال بھی آ گئی تھی اور تسکین کسی صورت یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ سو وہ صبح ہی وقت سے کچھ پہلے آفس پہنچ گئی۔ امیدواروں کی لمبی لائن دیکھ کر ایک لمحے کے لیے دل برداشتہ ہوئی تھی مگر پھر سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے مومنہ پر تک گئی۔

بے باک اور فیشن ایبل لڑکیاں دوپٹوں سے بے نیاز تنگ کپڑوں میں ملبوس اونچے اونچے قہقہے لگا کر اپنے تراشیدہ بالوں کو جھٹکے دیتی ہوئی میک اپ سے دکتے چہرے پیش قیمت برس اور موبائلوں کے ساتھ مطمئن اور پُر سکون لڑکیوں کو دیکھ کر وہ ہی دل میں سوچنے لگی یا اللہ! کیا یہ لڑکیاں ضرورت مند ہوں گی؟ کیا ان کے گھر میں بوڑھا بیٹا اور اپنا بچا ہوا؟ کمزور اور پریشان حال مائیں ہوں گی؟ ان کے گھروں میں راشن کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوگی؟ تب اس کی آنکھیں نم ہونے

لگیں۔ عام سے کائن کے سوٹ پر عمایا پہنے چہرے کو اچھی طرح نقاب سے چھپائے کاٹل سے بے نیاز آنکھیں۔ معمولی سا برس اور ساتھ ہی فائل سنبھالے عام سے جوتوں میں وہ خود کو مسٹ سمجھنے لگی تھی۔ اس کا نام پکارا گیا۔ ہتھیں جمع کر کے وہ پُر اعتماد طریقے سے اجازت لے کر روم میں داخل ہوئی۔ پُر اعتماد جوابات ذہانت اور پھر رباب کے بھائی کی گزارش پر اسے منتخب کر لیا گیا۔ وہ خوشی سے بے قابو ہو رہی تھی۔ اسے بالکل بھی یقین نہ تھا کہ اسے چن لیا جائے گا۔ اللہ پاک کالا لاکھ شکر ادا کرتے وہ رباب اور اس کے بھائی کی بہت مشکور ہو رہی تھی کہ ایسے نصیب وقت میں رباب نے دوستی کا حق ادا کر دیا تھا۔ شہناز بیگم کو خوش خبری سنا کر اس نے فوراً ہی شکرانے کے لعل ادا کیے۔ اس روز ہاشم صاحب بہت دوائے تھے۔ قد سیہ بیگم آج کل اپنے میکے میں کسی کی شادی اینڈ کرنے لگی ہوئی تھیں۔ ابھی ان کے علم میں یہ بات نہیں تھی۔ زعیم بھی دوسرے شہر میں تھا۔

سیلری بھی معقول تھی پک اینڈ ڈراپ بھی تھا کیونکہ آفس گھر سے کافی دور تھا۔ بظاہر سب کچھ بہتر تھا۔ اللہ کا نام لے کر تسکین نے جاب شروع کر دی تھی۔ خاموشی سے سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہتی۔ غیر ضروری کسی کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھی۔ آفس میں بددماغ اور مغرور مشہور ہو گئی تھی۔ کچھ فیشن ایبل لڑکیاں اس کے جواب کا اور اس کے انداز کا مذاق بھی بتا تھیں لیکن وہ ہر چیز کو درگزر کرتی اور اپنے کام پر مکمل دھیان رکھتی۔ اس کے پاس اس کے کام سے بہت خوش تھے اور اس سے بالکل بیٹی کی طرح شفقت سے بات کرتے اسے اور کیا چاہیے تھا۔

زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ اسے سیلری ملی تو وہ بہت خوش تھی۔ اباجی کے لیے فروٹ لے کر آئی۔ گھر کا ماحول بھی کچھ بہتر ہو گیا تھا۔ نظار اور اشعر اسکول اور ٹیوشن سے فارغ ہو کر محلے کی موبائل کی دکان پر دو گھنٹے کام کرتے تو کچھ پیسے ان کو بھی مل جاتے۔ مہرین کے پاس بھی ٹیوشن کے بچے آنے لگے تھے۔ پھر تسکین کو بھی اچھی

انسان بربہ ہو گئے دیں۔ ہم ہینہ بانہ دیے؟ ہم الدین کے لہجہ میں تقارن تھا۔

یہ ہوئے مسخرانہ انداز میں پہلے شہناز اور پھر ہاشم

”معاف کیجئے ماموں جان ہمیں مہینہ نہیں چاہیے۔ جب اللہ نے مجھ میں صلاحیت دی ہے تو پھر کیوں کسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ بس کچھ دن کی بات ہے۔ انظر میٹرک کر لے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو باہر بیج دیں گے۔“

تسکین کو ماموں کی بات بری لگی تب ہی اس نے درمیان میں ماموں ٹوک کر شہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”دیکھو بھئی..... پہلے ہماری بات پر تم لوگوں کو اعتراض تھا اور رشتہ طے ہونے کے باوجود بھی میرے بچے پر پابندیوں کا انبار لگا دیا تھا اور اب.....“ قدسیہ بیگم کہتے ہوئے ایک لمحے کو رکس پہلے شوہر کی جانب دیکھا اور پھر تند اور نندوئی کی طرف۔

”اب کیا بھائی..... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ شہناز بیگم نے ان کے مشکوک انداز پر ہول کر پوچھا۔

”اب ہمیں نوکری کرنے والی بہو پر اعتراض ہے۔ اس لیے تسکین کو نوکری کی اجازت نہیں دے سکتے۔“ قدسیہ بیگم کی بات پر تسکین کے ساتھ ساتھ شہناز بیگم اور ہاشم صاحب بھی بری طرح چوٹے۔

”بھائی بس آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ہمیں بھی شوق نہیں ہے۔ تسکین کو گھر سے باہر بھیجے گا مگر..... کچھ عرصے کی بات ہے۔“ شہناز بیگم نے بھادج کی طرف دیکھ کر نرم لہجے میں کہا۔

”دیکھو بھئی..... یہ ہمارا فیصلہ ہے۔“ اس بار نجم الدین بولے۔

”بھائی صاحب..... ابھی تسکین ہمارے گھر میں ہے۔ بے شک آپ اپنے گھر لے جا کر اسے جیسے بھی چاہیں رکھ سکتے ہیں۔“ شہناز بیگم بھائی سے مخاطب ہوئیں۔

”ہم نے تو سمجھیا ہے والے نخرے دکھائے ہی نہیں شہناز بیگم۔ لیکن یہ ہمارا حتمی فیصلہ ہے کہ اگر رشتہ برقرار رکھنا ہے تو ہماری یہ بات مانی پڑے گی؟“ تسکین کے ساتھ شہناز بیگم نے ان کے بننے پر حیرت سے ان کو دیکھا۔ انہوں نے بڑی آسانی سے اگر لفظ استعمال کیا تھا۔

”بھائی صاحب بھائی آپ لوگ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“ شہناز بیگم نے پہلے شوہر کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر بھائی بھادج کو مخاطب کیا۔ تسکین جو برداشت کی آخری حدود پر تھی۔ ماں اور باپ کے شکستہ چہروں کو دیکھا تو اس کی برداشت جواب دینے لگی۔ اتنی معمولی بات کو ایسا شہناز کر یہ کیا فیصلہ کرنے جا رہے تھے۔

”ماموں..... اگر میں جاب نہیں چھوڑوں تو.....؟“ وہ دو قدم آگے بڑھی اور ماموں کے عین سامنے جا کر کھڑی ہوئی اور سوال کیا۔

”تم..... تم خود سمجھ دار ہو لڑکی..... ذمہ کے منہ کرنے کے بعد تم نے یہ قدم اٹھایا..... تم خود سر لڑکی ہو تسکین۔ جب اس نے منہ کیا تھا تو تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ کرنے کی۔“ قدسیہ بیگم نے غصے سے تسکین کی جانب دیکھا۔

”ٹھیک ہے ماموں ماما..... اگر آپ لوگوں کا فیصلہ ہے تو میرا بھی فیصلہ ہے کہ میں جاب ہر صورت میں کروں گی۔“

”تسکین..... چپ ہو جاؤ تم اندر جاؤ۔“ شہناز بیگم نے چلا کر تسکین کو خاموش کروانا چاہا۔

”اماں پلیز..... آپ چپ ہو جائیں ابھی۔ یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ میرے ماموں ہیں ان کو احساس نہیں ہے۔ ہم سے ہمدردی اور ساتھ تعاون کرنے کے بجائے ہمارے دشمنوں پر تنک پاشی کر رہے ہیں۔ ایک معمولی سی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر ہمیں دھمکی دے رہے ہیں اماں۔“ وہ چلائی۔

”توبہ بھئی..... دیکھ لیا آپ نے؟ کیسی زبان ہے اس کے منہ میں۔ میں پہلے ہی جانتی تھی۔ آپ کو بڑا شوق تھا ناں اپنی بہن کی بیٹی کو بہو بنانے کا۔“ قدسیہ بیگم میاں کو لعنت ملامت کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ساتھ ہی نجم الدین بھی کھڑے ہو گئے۔

”بھائی صاحب بھائی رکے تو سہی بات تو سنیں۔“ شہناز بیگم دونوں کو پکارتی رہیں لیکن دونوں اول قول بکتے گھر سے باہر نکل گئے۔

لظم

میں نے سن تھا
کل شب
تم بھی میری طرح
سوچ کے آسان پر
کچھ تلاش کر رہی ہو
سنو.....
پھر محبت کا ستارہ ملا
یا نہیں

خدیجہ رانا مقامی..... کھڈیاں خاص

”اگر تم میرے ہمارے ہوتو میں بھی رہ سکتا ہوں۔
آئندہ مجھ سے بات کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔“ کال
کٹ چکی تھی۔

”یا اللہ! کیا آدمی تھا یہ ایک طرف کی جھوٹی سچی بات
سن کر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔ وہ بتانا چاہتی تھی اپنی سچائی اور ممانی
کی دھمکی۔ لیکن وہ..... وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھا۔ تسکین
نے دوبارہ کال ملائی لیکن پل آف تھا۔

”یا اللہ یہ کیا ہو گیا.....؟“ ہل میں سارے رشتے
ناٹے ختم ہو گئے تھے۔

قد یہ بیگم جو جاہلی تھیں وہ ہو گیا تھا۔ ان کو دوسرے بھی
اپنی بھانجی سے عظیم کی شادی نہیں کرنی تھی۔ ان کو نہ تسکین
پسند تھی اور نہ یہ متوسط اور سفید پوش گھرانہ۔ ہاشم صاحب
نے صدمہ دل پر لے لیا اور بالکل چپ ہو گئے۔ شہناز بیگم
کا بھی برا حال تھا۔ بچے بھی اس صورت حال سے خامے
ڈسٹرب تھے۔ لیکن تسکین نے ہمت اور حوصلے سے رفتہ
رفتہ سب کو نارل کر لیا۔ دکھ تو اس کو بھی اس بات کا شدید تھا
کہ اتنے عرصے سے رہنے والا رشتہ یوں ہل میں غلط تھی
اور ہٹ جھری کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ اسے ماموں ممانی سے
زیادہ عظیم سے شکایت تھی کہ اس نے صفائی کا موقع بھی
نہیں دیا تھا۔ ماں کی باتوں میں آ کر اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا۔
برسوں کی محبت کو محض ایک طرف فریق کی بات سن کر ہل

”یہ تم نے کیا کر دیا؟ ہم کچھ نہ کچھ کر لیتے۔ زعیم کو کال
کر کے بات کرتے۔“ شہناز بیگم تسکین کی طرف چلیں۔

”اماں..... اللہ کے لیے چپ ہو جائیں۔ میں میں
پاکل ہو جاؤں گی۔“ تسکین کی عجیب بربانی کیفیت
ہور ہی تھی۔ شہناز بیگم منہ پر ہاتھ رکھ دئے لگیں۔

”اماں..... ماما کو روز اول سے اس رشتے پر اعتراض
تھا۔ وہ بہانے ڈھونڈ رہی تھیں۔ آج نہیں تو کل یہ ہونا تھا۔
آپ فکر نہ کریں اللہ پاک بہتر کرے گا۔“ کچھ دیر بعد
تسکین نارل ہوئی تو ماں کے کاندھے پر سر رکھ کر نرم لہجے
میں مخاطب کیا تب ہی زعیم کی کال آ گئی۔

”تسکین تم خود کو خراب کیا۔ بھتی ہو۔ شرم تو نہیں آئی میری
امی اور ابو کی بے عزتی کرتے ہوئے۔ وہ میرے ماں باپ
ہی نہیں تمہارے ماموں ممانی بھی تھے۔“ سلام نہ دعا
چھوٹے ہی تیز لہجے میں کہا۔

”زعیم میری پوری بات سنو..... شاید تم کو ساری باتوں
کا علم نہیں۔ میں نے کوئی بد تمیزی نہیں کی بلکہ.....“

”چپ کرو تسکین۔ تمہارے خیال میں میرے ماں
باپ جھوٹے ہیں۔ تمہیں درمیان میں بولنے کی ضرورت
ہی کیا تھی۔ بڑوں میں بات ہو جاتی۔ پہلی بات تو یہ کہ
جب میں نے تمہیں روکا تھا تو تمہیں یہ سب کرنے کی کیا
ضرورت تھی۔ کچھ ماہ بعد میں آ جاتا تو بات ہو جاتی مگر نہ
صرف تم نے میری بات روکی بلکہ میری فطرت کے ساتھ بھی
بد تمیزی کی۔ تسکین میں نے تمہیں چاہا تھا۔ تمہیں دل سے
پیار کیا تھا۔ تمہارے ساتھ جینا چاہتا تھا مگر..... تم نے مجھے
میرے ماں باپ کی نظروں میں بھی مگرادیا۔ مجھے اندازہ
نہیں تھا کہ تم یوں بدل جاؤ گی اور یہ رشتہ ختم کر دو گی۔ اگر
کوئی اور پسند تھا تو.....“

”چپ ہو جاؤ زعیم..... ایک لفظ بھی آگے مت کہنا
اور میری بات سنو.....“

”مجھے کچھ نہیں سننا تسکین..... میری طرف سے بھی
رشتہ ختم سمجھو۔“

”زعیم..... وہ منٹائی۔“

میں روئے ڈالا۔

ہو گئے تھے۔ جبران آیا تو خولہ نے اسے مہمان کے روپے کے بارے میں بتایا۔

”ممما.....“ جبران کی آواز پر تسکین بیگم خیالات کی دنیا سے باہر نکلیں۔ آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔ سرخ اور اس آنکھیں۔ جبران تپ اٹھا۔

”ممما..... کیا ہو گیا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک ہے

ہاں؟ ممما..... آج بہت عرصے بعد آپ اتنی پریشان اور

مضطرب ہیں۔ پلیز مجھے بتائیے۔ خولہ بتا رہی ہے آپ

زونیہ کے گھر سنانے کے بعد سے پریشان ہیں۔ کیا ہوا

ممما؟ اگر آپ کو زونیہ یا اس کی فیملی پسند نہیں تو میں ہرگز اس

سے شادی نہیں کروں گا؟ آپ سے وجہ بھی نہیں پوچھوں

گا۔ مگر آپ پلیز اس طرح سے اداس مت ہوں یہ..... یہ

میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ممما مجھے آپ کی خوشیاں عزیز

ہیں اور کچھ نہیں۔“ جبران ان کے ہاتھ تھام کر جذب کے

عالم میں بولی رہا تھا اس سے ماں کی یہ کیفیت برداشت

نہیں ہو رہی تھی۔ خولہ بھی ساتھ ہی کھڑی تھی۔

”جبران مجھے تمہاری پسند پر اعتراض نہیں ہے مگر.....“

تسکین بیگم سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولیں اور زنی نظروں

سے جبران کی طرف دیکھا۔

”مگر کیا ممما؟“ جبران نے بتانی سے پوچھا۔

”تم نے اس کے پورے نام پر غور نہیں کیا؟ اس کا کیا

نام ہے؟“ تسکین بیگم کی بات پر جبران نے ابھی نظروں

سے ان کی طرف دیکھا۔

”کیا ممما..... زونیہ زعیم احمد۔“ وہ بے ساختہ روائی میں

کہہ گیا اور دوسرے لمحے ہی اس نے ہونٹوں کو سکیلا۔

”اوہ ممما.....“ خولہ بھی اس کی بات پر چونکی۔

”وہ زعیم احمد کی بیٹی ہے۔ آپ کے کزن..... اوہ

سوری ممما..... آئی ایم ویری ویری سوری۔ میں اس بات

سے قطعی لاعلم رہا۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ انجانے میں میں

نے اتنی بڑی غلطی کر ڈالی۔ میں بہت شرمندہ ہوں ممما۔ آج

آپ کو میری وجہ سے دکھ پہنچا۔ میری ذات نے آپ کو

ایک بار پھر ماضی کی تلخیوں میں دھکیل دیا۔ آپ گزشتہ دو

دن پر دن گزرتے گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب

لوگ اس حادثے کو بھولنے لگے تھے۔ تسکین نے نہایت

محنت اور دل جمعی سے کام کیا تو اسے ترقی بھی ملتی گئی اور

پوزیشن بھی اچھی ہوئی تھی۔ زعیم ناموں اور ممانی سے کوئی

رابطہ نہ تھا نہ کوئی ان کی خیر خبر دیتا۔ گویا ان لوگوں کے تعلق

اور رشتے کا باب ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا۔ تسکین کے

لیے آفس میں کام کرنے والے عبدالرحمن اظہار کا رشتہ آیا

تھا۔ اچھی فیملی تھی اس کی بات طے ہو گئی۔ تب تک انظر

میشک کر کے دینی چاچا کا تھا۔ مہرین کی بات بھی طے ہو گئی

تھی۔ تسکین کی شادی ہو گئی۔ عبدالرحمن بہت اچھا اور نیک

انسان تھا۔ تسکین کا بہت خیال رکھتا۔ وہ بہت خوش تھی۔

وقت کا پہرہ تیزی سے گھومتا رہا۔ تسکین کے لیے زعیم اور

زعیم سے وابستہ ہر بات ایک خواب بن کر رہ گئی تھی۔ وقت

کے ساتھ ساتھ قدرت نے اس کی جھولی میں پہلے جبران

اور پھر خولہ کی صورت میں پیارے پیارے بچے ڈال

دیے۔ الباقی کا انتقال ہو گیا۔ اماں بھی چھوڑ کر چلی گئیں۔

عبدالرحمن نے بھی داغ مغارت دے کر ملک عدم کی راہ

سنیالی۔ تسکین کے لیے صرف اور صرف بچے اور بچوں کی

خواہشات عزیز تھیں۔ جبران نے بڑھائی کھل کر کے

بہترین جاب کر لی۔ خولہ نے گریجویٹن کر لیا اس کا رشتہ

طے ہو گیا۔ آج تسکین بیگم ایک اچھے مقام پر تھیں۔ اللہ

یاک نے ان پر کرم کر رکھا تھا۔ مالی لحاظ سے خاصی مستحکم

تھیں اور اولاد کی طرف سے بھی خوش قسمت۔ اب انہوں

نے جبران کے لیے رشتے کی تلاش شروع کی تو..... جبران

کی پسند اور خواہش پر آج زونیہ کے گھر گئیں تھیں اور جب

سے واپس آئی تھیں اضطرابی کیفیت سے دو چار تھیں۔

انہوں نے ساری زندگی بچوں کے ساتھ بالکل دوستانہ

رویہ رکھا تھا۔ اپنی ہر بات بچوں سے شیر کی تھی۔ بچوں کے

سامنے وہ کھلی کتاب تھیں۔

آج ان کا یہ رویہ اور چپ خولہ اور جبران کے لیے

نہایت تکلیف دہ تھی۔ پرانے ذمہ ایک بار پھر سے تازہ

گھنٹوں سے تلخ یادوں میں گھری رہیں، میں ابھی زونہ کو میسج کر کے منع کر دیتا ہوں۔ مجھے صرف اور صرف آپ کی خوشی آپ کا ساتھ اور آپ کی شفقت چاہیے۔ بس آپ بھی ہماری خاطر اس دکھ اور تکلیف کو بھول جائیں، میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ آج بہت دھمی ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو دکھ پہنچا ہے۔“ جبران نے روتے ہوئے ان کے پیر تمام لیے۔ وہ بغور جبران کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ زونہ سے بہت پیار کرتا تھا اس کی باتیں کرتا۔

دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے۔ دونوں انجان تھے۔ وہ تو بے خبر تھے کہ زندگی کس طرح سے ان کے ماں باپ سے کھیل چکی ہے۔ بھلا ان دونوں کا کیا قصور تھا؟ آج تیس سال بعد زیم کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غدا مت اور شرمساری نظر آئی تھی۔ تسکین کو دیکھ کر وہ لڑکھڑایا تھا۔ جتنی دیر بیٹھا نگاہیں نہیں ملائیں تھیں۔ شاید اپنی غلطی پر پشیمان تھا۔ تسکین اسے دیکھ کر بری طرح کھلکھلی گئیں۔

قدرت نے یہ کس مقام پر لاکھڑا کیا تھا کہ آج..... زیم کی بیٹی تسکین کے فیصلے کی منتظر تھی اور تسکین کو اللہ تعالیٰ نے موعن دیا تھا۔ معاف کر دینے کا اجر بہت زیادہ ہے۔ لیکن اللہ پاک نے بدلے کا حق ضرور دیا ہے۔ خواہ جان ہونال عزت و آبرو یا..... آپ کی شخصیت کی دھجیاں اڑائی گئی ہوں۔ آپ کو حق ہے کہ آپ اپنے ساتھ کی کئی زیادتیوں کا بدلہ لے لیں اور آج وہ وقت گیا تھا۔

تسکین کچھ دیر تک سوچتی رہی اور پھر بڑھی۔ میز پر سے اپنا موبائل اٹھایا اور جبران کی طرف بڑھایا۔

”زونہ کے پاپا کا نمبر ملاؤ۔“

”مما میں..... میں زونہ کو کہہ دوں گا۔“ جبران نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دہلی آواز میں کہا۔ تسکین بیگم کی حالت سے وہ پریشان ہو رہا تھا۔

”میں نے جو کہا ہے اتنا کرو تم۔“ تسکین بیگم نے سختی سے کہا تو جبران نے موبائل لے کر نمبر ملایا اور تسکین بیگم کو تھما دیا۔

”السلام علیکم! جی میں جبران کی والدہ مسز عبدالرحمن

بات کر رہی ہوں۔ مجھے زونہ بیٹی بہت پسند آئی ہے۔ آپ لوگ نیکسٹ سنڈے میرے گھر آ سکتے ہیں تاکہ بات آگے بڑھائی جاسکے۔“ انہوں نے کہا تو جبران اور خولہ منہ کھولے حیرانی سے ان کو دیکھ رہے تھے وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ جبران کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”مما یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟“ جبران نے حیرت اور خوشی سے انہیں کاندھے سے تھام لیا۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ماں کی عظمت اور ہمت پر بے ساختہ ان سے لپٹ کر رو دیا۔

”مما آئی لو یو..... آپ بہت عظیم ہیں۔“

”ہاں بیٹا..... میں ایک عورت ہوں اور کچھ سکتی ہوں کہ پہلی محبت کھو کر انسان زندگی نہیں گزارتا بلکہ زندگی اسے کھینچتی ہے اور..... میں نہیں چاہتی کہ ایک بار پھر ایسا ہو۔ جیتے تو سب ہیں مگر جینے میں فرق ہوتا ہے۔ جدائی اور نارسائی کا کرب بہت اذیت ناک ہوتا ہے اور میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ میں خوش ہوں کہ میں نے اچھا فیصلہ کیا۔“ جبران کے ساتھ خولہ کو سینے سے پیچھے ہوئے آج تسکین بیگم جی بھر کے رو دیتا چاہتی تھیں۔

برسوں پرانا وہ غبار جوان کے اندر آج بھی دل کے کسی کونے میں موجود تھا۔ آنکھوں کے رستے بہا کر نئی زندگی کی ابتداء کرتا چاہتی تھیں۔ جس دکھ دیا کہ بچ ساری زندگی گزاری آج اسے پار کر لینا چاہتی تھیں۔

(الحمد لله مسلسل اشاعت کھ)

چالیس سال مکمل)

☆

☆

دل کی باتیں

صرف آصف

ساتھ دل کے چلے دل کو نہ روکا ہم نے
جو نہ اپنا تھا اسے ٹوٹ کے چاہا ہم نے
اک دھوکے میں کٹی ہے یہ عمر ساری
کیا بتائیں کیسے پایا کسے کھویا ہم نے



”انجی..... میں بہت اذیت میں ہوں“ دل پہلے ہی دیکھی تو کام چھوڑ کر زارا کو سہارا دیا۔

”اوں..... کچھ نہیں یار یہ کتنے منٹ میں بیک ہو جائیں گی۔“ زارا نے ٹالنا چاہا۔

”جتنی دیر میں ہم کافی کام ختم کریں گے۔“ اس نے زارا کو مسکرا کر دیکھا تو وہ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی شاید خود بھی دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہی تھی۔

آمنہ نے اوں میں کوئی کڑی ٹرے رکھنے کے بعد کافی بنائی اور ٹرے میں رکھ کر لاؤنج کی جانب بڑھی۔

”جینک یو۔“ خیالوں میں کھوٹی ہوئی زارا نے قدموں کی چاپ پر نگاہ اٹھائی اور آمنہ کے ہاتھ سے مگ لیا۔

”ایک بات کہوں میں کافی ہرٹ ہوئی ہوں کہ اب تم مجھ سے باتیں چھپانے لگی ہو۔“ اس کے سامنے بیٹھ کر کافی کلب لیتے ہوئے بولی۔

”اب میں کیا کہوں؟“ ان نے بے زاری سے سوال کیا۔

”دل کا بوجھ کچھ کہنے سے ہلکا ہو جاتا ہے۔“ آمنہ نے حوصلہ دیا۔

”ایک عورت کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ اس بات کا اعتراف کرے کہ اس کے شوہر کی زندگی میں کوئی دوسری آگئی ہے۔“ خود کا مذاق اڑانا مشکل کام ہی سہی مگر اس نے بے اختیار ہنسنے ہوئے ایسا کیا اور پھر ہنسی چلی گئی۔ لاؤنج سے متصل کمرے کی کھڑکی کے پار بیٹھے ہر ایم کے کانوں میں زارا کا ہسٹریائی تہقہ پہنچا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے کان ان دونوں کی باتوں پر لگ گئے۔

”پلیز زارا مجھے بتاؤ تمہاری زندگی میں ہو کیا رہا ہے؟“ آمنہ اس کی بات سن کر کافی پریشان ہوئی۔

”بعض باتیں خود سے بھی چھپانا ضروری ہو جاتی ہیں انجی کیوں کہ ان کے انشاء ہو جانے کے بعد نگاہیں ملانا مشکل ہو جاتا ہے دنیا سے اور شاید خود سے بھی۔“ ایک تلخ مسکراہٹ لیے وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

”او..... گاڈ..... پلیز ٹیل می۔“ آمنہ نے اسے تشویش سے دیکھا۔

”ہونہ..... میں کیا صرف خدمت گزاری کے لیے ہوں۔“ وہ صوفے پر بیٹھ کر چٹل سرچنگ کرنے لگی۔

”زارا چاہے۔“ تائش کی آواز آئی مگر وہ ان سنی کر کے بیٹھی رہی ویسے بھی آمنہ کے دیئے گئے تازہ لکچر کا اثر ابھی باقی تھا۔

”اب اسی سے فرمائش کریں ناں جس کے ساتھ بیٹھ کر قہقہہ لگائے جاتے ہیں۔“ زارا نے دانت کچکائے اور

کی وجہ سے خاموش رہ گئی۔

☆☆☆☆☆

”بعض لوگوں کو میرے کی قدر نہیں ہوتی وہ انہیں مٹی میں رول دیتے ہیں۔“ اس نے غصے میں اسٹیرنگ پر مکا مارا اور کارلائٹ کر کے بھگا لے گیا۔

☆☆☆☆☆

”اس مہینے میں پیٹھ سری بار ہوا ہے جب بحث و مباحثہ کا نتیجہ ڈھاکہ کے تین پات لکلا۔“ زارا کے ذہن میں اپنی اماں کی مثالیں ایسے ذوق میں خوب گونجا کر رہی تھیں۔ ماحول خوشگوار تو زندہ سکا البتہ یہ ہوا کہ تابش ناراض ہو کر گھر سے باہر نکل گیا اور پھر لوٹا تو اسے لفٹ کرواتے بغیر بستر نیچے بچھا کر مڑے سے سو گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچتی رہی تھی۔ کتنی حسین یادیں تھیں، جنہوں نے زارا کو جکڑ رکھا تھا، وہ اب تو ان دونوں کے بچ ایک غبار سا چھا گیا تھا، جس میں بہت کچھ کم ہوتا چلا جا رہا تھا۔

رات کے اندھیرے میں اس نے اداسی کی چادر میں سستے ہوئے چند نمول لحوں کو یاد کیا اور لیوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔ زارا جب بیاہ کر یہاں آئی تھی تو پرشے جیسے اجنبی لگتی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوف زدہ ہو جاتی، اسی لیے تابش اسٹڈی میں جا کر کام کرنے کی جگہ بیڈروم میں اس کے سامنے بیٹھ کر کام کرتا تھا تو اسے سلی راتھی۔ اس دن بھی وہ لیپ ٹاپ پر کام میں مصروف تھا اور اچانک اندھیرا چھا گیا تھا۔

”یہ لائٹ کو کیا ہوا؟“ زارا نے گھبرا کر پاس بیٹھے تابش کے مضبوط بازو پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔

”میں جا کر چیک کرتا ہوں۔“ وہ اپنا کام ایسے ہی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”سین۔“ اس نے گھبرا کر پیچھے سے پکارا۔

”کیا ہوا زارا؟“ تابش نے رگ کر پیار سے پوچھا۔

نیم اندھیرے نے کمرے کے ماحول کو خاصہ رومان پرور بنا دیا تھا۔

”مجھے اندھیرے میں ڈر لگتا ہے۔ آپ اکیلے باہر نہ

جائیں۔“ زارا کے نازک لب کپکپائے اور وہ کھسک کر

گھر کے سامنے والے حصے کی جھاڑیاں صاف کر کے زارا نے بڑی محنت سے نئے موسم کے پودے لگائے اور پھر اس قطعہ کو چھوٹے سے سرسبز لان میں تبدیل کر دیا۔ جب بھی گھر والوں کی یاد تازہ ہوتی یا تابش کے رخ رویوں کے باعث اس گھر سے دور بھاگنے کی خواہش دل میں جاگتی تو وہ خود پر قابو پانے کے لیے اس خاموش گوشے کی طرف نکل آتی، یہاں کچھ دیر بیٹھ کر خود کو یاد سکون کرنے کی کوشش کرتی۔ اپنے ہاتھوں سے لگائے پھول پودوں سے باتیں کرتی، انہیں پانی دیتی، جب جی ہلکا ہو جاتا تو دوبارہ سے یہاں کی مشقت بھری زندگی سے لڑنے کے لیے مشینی زندگی میں لوٹ جاتی۔ اس وقت بھی وہ باغبانی میں مصروف پودوں سے باتیں کر رہی تھی۔

”کبھی کبھی لگتا ہے کہ جیسے تابش کا ساتھ مجھے دوسرا ہٹ دینے کی جگہ تنہائی کی گھرائیوں میں گھنچ رہا ہے۔“ گلاب کی کلی کو چھوتے ہوئے اس نے دل کا درد سنایا۔

”جانے کیوں اس قدر بے رخی کا مظاہرہ کرنے لگے ہیں؟“ سوکھے چوں کو صاف کرتے ہوئے ایک ہی بات کو تھما پھرا کر سوچا پر کوئی مناسب جواب نکل پایا۔

”اف۔۔۔۔۔ میرے اللہ۔“ سر میں ٹیس سی اٹھنے لگی وہ سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔

ابراہیم اسی وقت اتفاق سے کہیں جانے کے لیے باہر نکلا تھا کار کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، ابھی سیٹ بیلٹ لگا ہی رہا تھا کہ اچانک اس نے زارا کو اپنے لان میں سر پکڑے بیٹھا دیکھا۔ وہ بڑی معصوم اور تنہا تھا سی لگی۔ ابراہیم اسے بے اختیار دیکھتا چلا گیا۔

”اف جس لڑکی کو میں نے اپنے دل کے ابوانوں میں عشق کی صورت کی طرح سنبھال کر رکھا تھا اس کا کیا حال ہو گیا زارا کاش تم میری بات مان لیتی۔“ اس کے دل سے آہ نکلی۔

تابش کے قریب ہوئی۔

”اگر میں نے باہر جا کر چپک نہیں کیا تو لائٹ کیسے آئے گی میری پیاری بیوی۔“ تابش نے اس کے بالوں کی لٹ کو چھو کر چھیڑا۔

”میں بھی چلوں۔“ اس نے گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے اتنی مصومیت سے پوچھا کہ بے ساختہ مسکراہٹ تابش کے لبوں کو چھو گئی۔

”ویسے میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا۔“ تابش نے زارا کا ہاتھ تمام کرا سے چھیڑا۔

”بہادر تو میں ہوں مگر بس یہ اندھیرا.....“ وہ آؤ کر بولتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ تابش نے اسے ہانپوں کے گھیرے میں لیا۔

”جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں کسی شے سے نہیں ڈرنا چاہیے۔“ زارا کو ساتھ لیے قدم بڑھایا اور پھر لمحہ بھر رک کر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے یقین دلاتا ہوا۔

”آں..... ہاں۔“ زارا نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اس یقین کے ساتھ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”بس ابھی لائٹ آجائے گی۔“ تابش نے باہر جا کر میں سوچ سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے امید دلائی مگر وہ جو سردی سے کپکپا رہی تھی اس کا کھڑا ہونا مشکل ہو گیا۔

”آف یہاں کتنی ٹھنڈ ہے اندر بیڑ چل رہا ہے تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔“ بخیرست ہوا کا جھونکا آیا تو اس نے ہاتھوں کو ملتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

”بس ایک منٹ۔“ تابش کے ہاتھوں میں مزید تیزی آئی، آخر کار اس کی کوششوں سے لائٹ بحال ہو گئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور سکون کا سانس لیا۔

”اب اندر چلیں۔“ سینے پر ہاتھ باندھے خود میں کھٹی ہوئی زارا اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ تابش کی شوخ نگاہیں اس پر جم گئیں۔

”ایک منٹ۔“ مسکرا کر بولتا ہوا تابش اس کے قریب ہوا تھا۔

”یہ پہنود نہ اندر تک جاتے جاتے فریز ہو جاؤ گی۔“ تابش نے بالکل قریب پہنچ کر اس کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوتے ہوئے شرارت سے ایک آنکھ دہائی اور پھر اپنی جیکٹ اتار کر زارا کو پہنا دی۔

ماضی کی چھیڑ چھاڑ نے زارا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی مگر آنکھیں نم بھی ہو گئی تھیں۔ اب تو تابش کے پاس اس کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بغیر وہ خود کو کتنا اذہورا محسوس کرتی تھی۔ خاص طور پر جب سے عیناں آتی تھی ان دونوں کے بیچ ان دیکھی دوری آگئی تھی۔ وہ چپ چاپ ہر بات پر داشت کرتی رہی اور پہلی بار تابش کا احتساب کرنے چلی تھی مگر یہی بات صاحب کو ناگوار گزری۔

”اماں بابا آپ کو کتنا منع کیا تھا کہ مجھے شادی نہیں کرنی مگر آپ لوگوں نے میری ایک نہ سنی۔“ وہ بے اختیار بڑبرائی۔ مٹی سے لبریز سرمئی آنکھوں پر پلکوں کی چلن گرا دی، آنسوؤں کی قطار گالوں سے بہتے ہوئے نرم ملائم بالوں میں جذب ہونے لگی تھیں۔



ملک اسد ایک سرکاری محکمے میں ہیڈ کلرک تھے۔ ان کی تنخواہ بھی اسی حساب سے تھی۔ اسد جس سیٹ پر تعینات تھے چاہتے تو چور راستوں سے اپنی ماہانہ آمدنی میں کمی گنا اضافہ کر لیتے لیکن وہ ایک دیانت دار اور اصول پرست آدمی تھے۔ رشوت لینے والے کو جہنمی سمجھتے تھے۔ قہمیدہ شوہر کی کمائی میں بس جیسے تیسے گزرا کرتی تھی اور اندر ہی اندر کڑھتی رہتی مگر مجبوری کا نام شکر یہ شوہر اس معاملے میں ان کی ایک نہیں سنتے تھے۔ وہ لوگ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے مگر مہینے کے آخری دنوں میں اکثر یہ چادر ہی اتنی چھوٹی پڑ جاتی کہ پاؤں باہر نکل آتے۔

زارا اسدان دونوں کی سب سے بڑی بیٹی تھی جو ماں کے کلچے کی ٹھنڈک اور باپ کی آنکھوں کا تارا تھی۔ اسد اپنی بیٹی کو جنون کی حد تک چاہتے اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کرنے میں اپنی توانائی خرچ کر دیتے تھے۔

”ہیلو“ زارا نے بشکل اپنا منہ کھولا اور گھبرائی ہوئی سی کھڑی بہت ہی بھاری لگ رہی تھی۔

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی زارا۔“ ابراہیم نے دلچسپ لگا ہوں سے اسے دیکھا۔

”شکریہ۔“ اس کی نظروں سے پزل ہو کر زارا نے پہلو بدلا۔

”میں نے اسے بھی سینئر گروپ میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے۔“ وہ ہنس کے بولا تو زارا اثر مان گئی۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ ابراہیم کے دل کی کلی کھل اٹھی۔

”اچھا ابھی میں ذرا لائبریری تک جا رہا ہوں۔“ شاہد نے ہاتھ جھڑ کر بیچ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ایک منٹ شاہد بھائی میں بھی چلتی ہوں۔“ زارا بدک کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”مس..... بیٹھ جائیں میں آپ کو کچا نہیں چاہوں گا۔“ وہ ایک دم ہنس کر بولا۔

”آنکھوں سے تو کھانے کا ارادہ لگتا ہے۔“ زارا کا آخری جملہ اس کے کانوں میں گونجا اور پھر شرمندگی کے احساس نے گھیرے میں لے لیا۔ وہ اتنا بے اختیار تو نہ تھا

پھر بھی زارا کو دیکھ کر خود پر اختیار کھو بیٹھا تھا۔

”ابراہیم کافی چاہیے؟“ آمنہ کی آواز اسے ماضی سے حال کی طرف لے آئی اور وہ سرد آہ بھرتا ہوا بچن کی جانب بڑھ گیا۔

.....☆☆☆☆☆.....

عیناں کی یونیورسٹی تائش کے راستے میں پڑتی تھی وہ دونوں صبح ساتھ نکلے اور پھر ایک ساتھ ہی واپس ہوئی۔ اگر

عیناں کی کلاسز جلدی ختم ہو جائیں تب بھی وہ ہنس سے گھر آنے کی بجائے لائبریری میں بیٹھ کر پڑھتی اور تائش کے ساتھ ہی لوٹی اس کے یہاں آنے کے بعد چند دنوں تک

تو اس رہا مگر دھیرے دھیرے تائش بد لے بد لے سے میرے سر کا نظر آتے ہیں کی تفسیر بن گیا۔ اس کی اونچی

کھڑی ناک پر جو غصہ دھرا رہا تھا اب وہ اچانک سے

زارا کو بھی اپنے والدین کی مجبوریوں کا احساس تھا اسی لیے جب بھی اس صاحب بڑے فخریہ انداز میں کہتے کہ میری بیٹی تو لوگوں کے بیٹوں پر بھاری ہے تو وہ خود کو ان کا بیٹا تصور کرنے لگتی اور کچھ بننے کی طلب اسے بے چین کرنے لگتی۔

زارا بچپن سے ہی بڑی حساس اور ذہین تھی اسے ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا اس نے سوچ رکھا تھا تعلیم مکمل کرتے ہی چاب کرے گی تاکہ گھر کا بوجھ اپنے کانٹھوں پر اٹھا سکے

وہ اپنی دونوں چھوٹی بہنوں کو بھی اچھی زندگی دینے کے لیے خواب بنتی رہتی۔ یہ ہی سوچ لے کر جوانی کی دہلیز پر

قدم دھرے تھے۔ زارا کی سیرت میں ہی نہیں صورت بھی لاکھوں میں ایک تھی۔ بڑی سرمئی آنکھیں ابھرے ہوئے

کنٹاؤ دار ہونٹ سی نیکی ناک، گلابی رنگت اور لمبے سیاہ کمر کو چھوٹے بال اس کے تناسب سراپے پر ہر لباس

ہر رنگ چمکا تھا۔ شہر کی مشہور یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ بلاشبہ وہ لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ایک ضرور تھی۔

جس سے نگاہیں چار ہوتے ہی اسے اپنا بنانے کی خواہش دل میں ہلکورے لینے لگے۔ وہ اپنی دماغ میں بہت خوش تھی

مگر تائش کی آمد سے جیسے اس کے سنے پھر گئے۔

.....☆☆☆☆☆.....

ابراہیم نے بس ایک ہی دعا کی تھی کہ زندگی میں کبھی زارا سے اس کا سامنا نہ ہو وہ اسے کسی اور کا دیکھنے کی ہمت

خود میں نہیں پاتا تھا مگر قسمت کے اس مذاق پر ششدر بھی رہ گیا۔ جب اتنے سالوں بعد اچانک زارا اس کے سامنے

آگئی۔ زارا وہ ہی لڑکی تھی جس نے اس کے دل کے دروازے پر پہلی دستک دی۔ وہ ماضی کی کتاب کے اوراق

کھول بیٹھا۔

”یہ زارا ملک ہیں میری کزن پر پولیس میں آئی ہیں۔“

شاہد نے اپنے برابر میں کھڑی خوب صورت لڑکی کا مسکراتے ہوئے تعارف کروایا۔

”ہائے زارا۔“ ابراہیم نے چونک کر اس حسن کی مسورت کو دیکھا۔

خوش اخلاق ہو گیا تھا۔ لبوں پر کھلیتی ہوئی دلکش سی مسکراہٹ..... زارا کو چونکاتے لگی تھی۔

تابش کے شب و روز میں بھی ایک ان دیکھی تبدیلی واقع ہو گئی تھی پہلے بھی وہ ہرقت بن مہن کے رہتا تھا مگر اب تو خوشبو میں بسا رہتا۔ موبائل ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا اور کسی کی کال آنے پر اٹھ کے کمرے سے باہر نکل جانا ہر وقت مسکراتے رہنا..... اسے چونکا رہا تھا۔ وہ تو ان کے معاملات سے پہلے ہی کافی غافل تھا اب تو جیسے گھر اس کے لیے ایک ہول بن چکا تھا۔ شوہر کے بدلتے مزاج اور انداز پر زارا چونک اٹھی اور پھر دھیرے دھیرے وہ جیسے تابش کی لائف سے دور ہوتی چلی گئی یا اسے کر دیا گیا۔

.....☆☆☆☆.....

تابش کی اور اس کی ملاقات کچھ عجیب سے حالات میں ہوئی تھی۔ تابش علی کی والدہ زریہ خاتون کے زارا کی فیملی سے پرانے تعلقات تھے والد کی طرف سے شاید کوئی رشتے داری بھی نکلتی ہو مگر زریہ کا اس کی اماں فہمیدہ سے بہت زیادہ دوستانہ تھا اسی لیے ہر وقت کا آنا جانا لگا رہتا۔ وہ اپنے ہر چکر پر امریکا والے بیٹے تابش کی تعریفوں کے پل باندھنے سے نہ چوتیں اور فہمیدہ ان کی آؤ بھگت میں اضافہ کرنے لگ جاتی تھیں۔ ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے زارا کی اب تک تابش سے کوئی خاص ملاقات نہ ہو سکی تھی اصل میں زارا اپنی نانی مہر النساء سے بہت زیادہ متوجہ تھی اور ان کی مسلسل پیاری نے اس کے ہوش اڑا رکھے تھے۔ اسی لیے وہ اپنا سامان باندھ کر نانی کے گھر شفٹ ہو گئی۔ پونی ورشی کے علاوہ اس کا بہت کم کہیں آنا جانا ہوتا تھا کیوں کہ اب نانی کا کسی سہارے کے بغیر اٹھنا بیٹھنا مشکل کام تھا اور وہ مستعدی سے ان کی خدمت میں لگی رہتی اس کے باوجود وہ ایک دن چپکے سے آکھنڈ کر کے دنیا سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئیں اور زارا پر قیامت ٹوٹ گئی۔

تابش نے جب اسے پہلی بار دیکھا تو زارا اپنی نانی کے انتقال پر سیاہ لباس میں لمبوں رو رو کر پاگل ہوئے جاری تھی۔ گورے نازک ہاتھ پیروں کے ساتھ وہ جنٹیل کی نازک کٹی دکھائی دی۔ زریہ کے گھر جیسے ہی مہر النساء خاتون کی رحلت کی خبر پہنچی تھی وہ فوراً ہی تابش کے ساتھ ان کے گھر پہنچ گئیں جو ان دنوں چھٹیوں پر گھر آیا ہوا تھا۔ تابش نے غش کھائی زارا کو دیکھا تو بے اختیار سرا ہو گیا۔ وہ کتنی دیر تک اس حسن سوگوار کو بہت سادہ دیکھتا رہا جس کی

زارا کو چونکاتے لگی تھی۔

تابش کے شب و روز میں بھی ایک ان دیکھی تبدیلی واقع ہو گئی تھی پہلے بھی وہ ہرقت بن مہن کے رہتا تھا مگر اب تو خوشبو میں بسا رہتا۔ موبائل ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا اور کسی کی کال آنے پر اٹھ کے کمرے سے باہر نکل جانا ہر وقت مسکراتے رہنا..... اسے چونکا رہا تھا۔ وہ تو ان کے معاملات سے پہلے ہی کافی غافل تھا اب تو جیسے گھر اس کے لیے ایک ہول بن چکا تھا۔ شوہر کے بدلتے مزاج اور انداز پر زارا چونک اٹھی اور پھر دھیرے دھیرے وہ جیسے تابش کی لائف سے دور ہوتی چلی گئی یا اسے کر دیا گیا۔

زارا میز پر ناشتہ لگا کر معمول کے مطابق تابش کو بلانے آئی تو حیران رہ گئی کمرے کی فضاء میں تیز مردانہ پرفیوم کی خوشبو کسی ہوئی تھی۔

”تابش پہلے تو اتنی تیز خوشبوؤں سے الگ تھے۔“

اس کے ذہن میں یہ سوال کلبلا دیا دھرا جھکا اس وقت لگا جب اس نے مر کے سامنے کھڑے شوہر نامدار کو مسلسل اپنے بال سنوارتے پایا۔

”ان کا تو مزاج بالکل ہی بدل گیا ہے۔“ زارا نے بھنویں اچکا کر سوچا۔ تابش ہمیشہ سے رف اینڈ لف ساتھ اس پر یہ انداز سوٹ بھی کرتا تھا۔

”آں ہاں۔“ تابش نے خود کو آئینے میں ہر زاویے سے دیکھا شاید اپنی تیاری سے مطمئن نہیں ہو پارہا تھا۔

”افوہ یہ بھی ختم ہونے والی ہے۔“ اس نے جیل کریم اٹھا کر بالوں پر لگانے کے بعد ان میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

”میں بھی یہاں موجود ہوں۔“ زارا کی نگاہیں اس کے شاندار عکس پر مرکوز تھیں اور ذہن ایک ہی بات میں کھویا ہوا تھا۔

فان شرٹ پر بلیک جیکٹ اور بلیک پنٹ میں اس کی وراز قامت اور غضب کی اسرارش بہت بھلی لگ رہی تھی۔ بلاشبہ وہ مردانہ وجاہتوں کا شاہکار تھا آنکھیں اٹھا کر اس

سرخی آنکھوں سے بہتا شفاف پانی اس کے حسن میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ اسے پہلی بار کسی لڑکی کے آنکھوں میں آنسو اتنے اچھے لگے تھے۔ تابش سچ سچ اس پر فدا ہو گیا تھا۔



سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے گھٹے بالوں کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ تابش علی نے انگلیوں سے انہیں سنوارتے ہوئے گاڑی لاک کی اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا کیفے کی جانب بڑھا۔ ایک ہاتھ سے گلاس ڈور کو دھکیلا جس کے پار بے فکرلوں کی ایک دنیا آباد دکھائی دی، اندر گھستے ہی مختلف اقسام کے ایک اور تازہ بکسٹوں کی خوشبو نے بھوک کا احساس بڑھا دیا مگر تابش علی نے صرف بلیک کافی پر ہی اکتفا کیا۔ اس نے جان بوجھ کر قدرے کارزوالی ٹیبل کا انتخاب کیا اور چمک دار لکڑی کی کرسی پر تنگ گیا۔ گرم کافی کا سب لینے کے بعد کلائی پر بندھی جیتی گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔ ابھی عیناں کی کلاس ختم ہونے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ یہ کیفے اس کی یونیورسٹی کے نزدیک ہی واقع تھا اسی لیے شاید اس نے ملنے کے لیے یہاں بلوایا تھا۔ وہ بے فکری سے بیٹھا ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ اچانک نگاہ اس کی جانب اٹھی اور پلٹنا بھول گئی۔ عیناں اپنے لمبے قد کے ساتھ ڈیپ ریڈ ٹاپ پر بلیک جینز کے ساتھ بلیک ہائی ہیل سپر ریٹیم سے سیاہ بالوں کو پشت پر بکھیرے ہوئے اعتماد سے اس کی جانب قدم بڑھاتی ہوئی بہت حسین نظر آ رہی تھی۔

”تم آگئی۔“ تابش نے بے ساختہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔

”جی جناب۔“ اس نے ایک خاص انداز میں دیکھتے ہوئے سرخم کیا اور بخور تابش کو دیکھا جو ابھی تک مسخر کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھا۔

کم عمری کی چھب ترو تازہ چہرہ ہلکا میک اپ۔ تابش کے دل میں خوشگوار میت کا احساس جاگا، موڈ بہتر ہونے لگا ورنہ دارانے تو بہت مایوس کیا تھا۔

”میں نے اپنے آپ کو منوا ہی لیا۔“ تابش کی توجہ خود پر محسوس کر کے عیناں کے چہرے کی چمک میں اضافہ ہوا دل ہی دل میں سوچا۔

”کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ میرے سامنے کھڑی اس پیاری سی لڑکی نے ایک نیا جنم لیا ہے۔“ وہ دلکشی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

”ماہی کی موٹیو یعنی کو تم نے کہاں چھپا دیا؟“ پتا نہیں اس نے سرالفاظ کا اڑایا مگر عیناں اسے دیکھ کر ہنسی۔

”اسی کو مار کر تو عیناں زندہ ہوئی۔“ وہ سوہتی رہی مگر لب نہیں کھولے۔

”اب اچانک یہاں بلائی کی وجہ بتاؤ گی۔“ تابش نے اسے خاموش دیکھا تو کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چونکا یا۔

”اگرے ہاں یہ آپ کے لیے۔“ وہ جیسے جاگ اٹھی اور ہاتھ میں پکڑا ہلکا سا تھما یا۔

”اچھا مگر یہ کس خوشی میں بھی۔“ تابش نے مسکرا کر پھولوں کو تھا اور ان کی خوشبو سے لطف اندوز ہوتے حیرت کا اظہار کیا۔

”خوشی کی تو بات ہے آخر آج آپ کی سالگرہ ہے۔“ وہ بڑی ادا سے بولی۔

”اودہ مائی گاڈ تمہیں کیسے پتا چلا۔“ عیناں کی یہ حرکت اسے انوکھی خوشی سے ہنسا کر گئی۔

”انسان اہم ہو تو اس سے جڑی ہر شے اہم ہو جاتی ہے۔“ وہ ٹیبل پر اپنا بیگ رکھتے ہوئے جتنا گئی۔ تابش بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا کچھ کہنا بھی چاہا مگر کہہ نہ سکا۔

”چلیں اب کچھ منگوائیں سچ میں آپ کے جانے کے بعد سے میرے حلق سے نوالہ تک نہیں اترتا۔“ عیناں نے کرسی پر آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے ایک اور حیرت بھینکا اور تابش کے دل میں اس کی قدر مزید بڑھ گئی۔

تابش پتا نہیں کیوں اپنے چند معاملات میں بہت حساس واضح ہوا تھا تب تو بے محی ایک ایسا ہی دن تھا

سن کر ہی اچھل پڑی۔

”بیاناتم لوگ عزت سے اپنے گھر چلی جاؤ۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر ہمارے لیے کیا آرام ہوگا۔“ وہ ایک دم روہاسی ہوئی۔

”ہاں مجھے آپ لوگوں سے دور نہیں جانا۔“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”جانِ تمہارے اچھے مستقبل کے لیے ایسی قربانی تو
 دینی پڑے گی۔“ فہمیدہ نے نرناک آنکھوں سے سامنے
 بیٹھی معصوم سی بیٹی کو دیکھا۔

”تو کیا یہاں رہنے والوں کا مستقبل اچھا نہیں ہوتا۔“
اس نے اٹھ کر ماں کا ہاتھ تھام کر پوچھا: ”وہن کی سلیٹ پر
جانے کیوں ابراہیم کا ٹکس لہرایا۔“

”یہاں کے حالات سے کون واقف نہیں۔“ فہیدہ نے طنز کیا۔

”اماں مجھے پوری روٹی کی جگہ آدمی روٹی کھانا منظور ہے مگر آپ بابا اور اپنی بہنوں کو چھوڑ کر جانا قبول نہیں۔“ اس نے روئے ہوئے ہاں کا دامن پکڑ لیا تو وہ ایک دم چپ سی رہ گئیں۔ انہیں خود بیٹی سے دوری کہاں گوارا تھی مگر وہ زارا کو کیسے بتائیں ساری عمر اپنے گھر کے مالی حالات کی درنگی میں ان کے بال وقت سے پہلے سفید ہو گئے اس لیے وہ اسے اپنے جیسے حالات سے دوچار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں مگر اب زارا کے انکار کے بعد جیسے ان کے ہاتھ سے سب کچھ نکل گیا تھا۔ تابش کی گواہی میں بہت کم دن رہ گئے تھے زریں بات طے کرنے کے موذ میں تھی اسی لیے ان کے یہاں ہر دوسرے دن کو فون کر کے جواب ملتی۔ فہمیدہ عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئیں۔ فہمیدہ چند دن تک بیٹی کو سمجھانی رہی مگر جب زارا مان کر نہیں دی تو ملک اسد نے بیوی کو سمجھایا اور بیٹی پر مزید دباؤ ڈالنے سے منع کر دیا۔ باپ بیٹی کی باتوں سے تنگ آ کر فہمیدہ نے زریں کو انکار کر دیا۔

.....

عیناں اگر اپنا غیر جانبداری سے جائزہ لیتی تو جان پاتی

جس کے بارے میں وہ اپنے گھر والوں سے کچھ تو قعات رکھتا تھا مگر زارا نے اسے بری طرح سے ہرٹ کیا تھا۔ وہ صبح سے انتظار کرتا رہا کہ شاید زارا کو اس کی سالگرہ یاد ہو مگر وہ تو اسے دس کرنا تک بھول گئی۔ آپسے بھی اس کا ذہن بچن سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ تابش آفس کے لیے تیار ہو کر باہر نکلا تو ناشتے کی ٹیبل پر بھی اس کا دھیان بچوں پر ہی لگا رہا۔ اس نے غصے میں چابی اٹھائی اور بناؤ ناشتہ کیے گھر سے نکلنے لگا۔ زارا نے شوہر کو خالی پیٹت جاتے دیکھا تو چیخے دوڑ لگی مگر تابش کا موزا اتنا آف تھا کہ وہ رکنا نہیں جبکہ عیناں نے اسے کال کر کے باقاعدہ ایک کیفے میں انوہیٹ کیا اور اتنے اچھے انداز میں دس کرتے ہوئے کیک کٹوایا کہ وہ سر پرانز ہو گیا۔

.....

تابش کے لیے زارا سے شادی کرنا زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا تھا اسے پورا یقین تھا کہ جیسے ہی زارینہ بیٹے کا رشتہ لے کر وہاں جائیں گی زارا اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوگی اور وہ لوگ ہاں کرنے میں لمحہ نہیں لگائیں گے لیکن ہوا اس کے الٹ۔ تابش نے مہر النساء کے گھر سے واپسی پر جھجھکتے ہوئے ماں کے سامنے شادی کے لیے زارا کا نام پیش کر دیا۔ زارینہ نے پہلے ہی بیٹے کے لیے زارا کا انتخاب کر رکھا تھا۔ وہ خوش ہو گئیں۔ چالیسویں اکتوبر کو گیا اور پھر زارینہ بیٹے کا رشتہ لے کر زارا کے گھر پہنچ گئیں۔

فہمیدہ جو ماں کے غم میں ڈوبی ہوئی تھیں اس خبر نے انہیں خوشی فراہم کی اور دروازے کے حساب سے سوچنے کا کام مانگ لیا۔ خبر تو خوشی کی تھی مگر گھر پر تو جیسے سوگواروں کا ماحول چھا گیا۔ فہمیدہ کی توقعات کے برعکس زارا ان کے فیصلے کی حامی نہ بن سکی صاف انکار کر دیا۔

”تم سمجھتی کیوں نہیں ہو بڑا ایسے رشتے تو قسمت والوں کو ملتے ہیں۔“ فہمیدہ نے اسے منانے کی سر تور کو شش کی گزر امانے اک نہ سنی۔

”مجھے ابھی نوکری کرنی ہے، بابا کا بیٹا بن کر دکھانا ہے“
آپ لوگوں کو بڑھاپے میں آرام پہنچانا ہے۔“ وہ یہ بات

کہ وہ حسین کہلائے جانے کی ہرگز مستحق نہیں تھیں مگر خود کو
بنا سنوار کر رکھنے کے فن سے آشنا تھی اسی وجہ سے حسین
دکھائی دیتی تھی۔

”آخر مجھ میں کس بات کی کمی ہے جو وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے.....“ عیناں کی آئی لانسز اور مسکراہٹ سے سچی ہوئی آنکھوں سے روشنی پھوٹنے لگی۔

چست، بلوچیز کے ساتھ پرل کرنا پہننے کے بعد، سیاہ کھٹے بالوں کی اوچی سی پونی ٹیل بناتے ہوئے وہ بڑے خوشگوار انداز میں مسکرائی تاہم نے اسے جس انداز میں سراپا یہ خوشی سنبھالے نہیں مکمل رہی تھی۔ بھرے بھرے ہونٹوں کو لائٹ پرل لب اسٹک سے سجاتے ہوئے آئینے میں اپنے عکس سے لگا ہیں دوچار ہوئیں تو خود بخود ماضی کی یعنی حال کی عیناں کے سامنے آکھڑی ہوئی،

پھولے ہوئے گالوں والا بے رونق سا چہرہ ذہن کے پردے پر برابر لایا تو اس کے وجود میں دھڑکنے والے کو دھچکا پہنچا وہ ایسی تو نہ تھی اسے صرف کتابوں سے عشق تھا وہ پردہ پر حاوہ لڑکی اپنی ذات سے بے خبر صرف بڑھتی رہتی تھی مگر ایک دن اسے احساس ہوا کہ لوگ اس کے بارے میں کیسا سوچتے ہیں اس کے اندر تبدیلی آنا شروع ہو گئی اور کئی

سال کی محنت کے بعد وہ اس قابل ہو سکی کہ خود پر فخر کر سکے، بالکل تابش کے معیار کے مطابق ایک اچھے آدمی ادھر سے ادھر نہیں۔ اس نے محسوس کیا کہ خود کو تو سنی لگا ہوں سے دیکھا۔ کئی سال سے ماں سے پوچھ کر ہر طرح کے دیکھی ٹونکے خود پر آزمائے تب جا کر کہیں چہرے پر نکھار پیدا ہوا اور دینی ہوئی رنگت میں سونے سی دکھ پیدا ہوئی اسے تیل کا سے چڑھی مگر پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ماں سے تیل کا مساج کرانے لگی بالوں کو اٹے ریختے سے دھویا جانے لگا اور پتلی سی بے جان چوٹی کی جگہ خوب صورت بالوں نے لے لی۔ عیناں نے رقم سے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور ان کا گھٹانہیں محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

عیناں اپنے نرم لبوں پر انگلی پھیرتے ہوئے مسکرائی تو
 نچلے لب کا دایاں گوشہ خاصہ دلکش لگنے لگا اسے یاد آیا کہ عینی

کے دانتوں کی ساخت شروع سے عجیب سی تھی مگر پھر ٹیڑھے میڑھے سے دانتوں کی درنگی کے لیے برہسہ لکڑی کی تکلیف سہنا بھی گوار کیا۔ وہ اپنی بھاری بھر کم جسامت کی وجہ سے عمر سے بڑی گتھی مٹی ماں کے منع کرنے کے باوجود اس کا ہاتھ کھانے پینے سے نہیں رکتا تھا کوئی کتنا سمجھا لے مگر پراٹھے اور الیٹ سے ناشتہ نہیں کرتی تو لگتا تھا کہ اس کا پیٹ جیسے خالی ہے اور جب ہاتھ اسے عینی فٹ بال کہہ کر چھیڑتا تھا تو جیسے اندر ہی اندر کچھ ٹوٹتا محسوس ہوتا اسے اپنے وجود سے نفرت محسوس ہونے لگی اور اپنی ذات کو منوانے کے لیے ایک جنون طاری ہو گیا تھا پھر اس نے خود کو سلم رکھنے کے لیے کھانا پینا انتہائی کم کر دیا اپنی پسندیدہ اشیاء سے نگاہیں پھیرنا ایک مشکل امر تھا مگر وہ صرف ضرورت کے مطابق کھانے لگی اور سخت قسم کی ڈائٹ پر اس وقت تک عمل جاری رہا جب تک اس کے قد کے حساب سے آئیڈیل وزن نہیں ہو گیا۔ اس کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کے پیچھے صرف ایک جذبہ تھا خود کو دنیا کے سامنے منوانا۔ چہرے پر عرق گلاب کا اسپرے کرتے ہوئے عیناں نے آئینے میں خود کو دوبارہ دیکھا اور عجب انداز میں مسکرائی۔

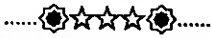


”جانے کیا بات ہے، نیند نہیں آتی بڑی لمبی رات ہے۔“ اس نے نگٹکتاتے ہوئے چہل قدمی شروع کی ان دنوں اس کا ایک کام تھا یا تو ممکنین گانے نگٹکتانا پھر تاہش کا انتظار کرنا اور زندگی میں انتظار سے بڑھ کر اسے کسی دوسری چیز نے کوفت میں مبتلا نہیں کیا تھا۔

”کیا بات ہے، بڑے عمیق گانے گائے جا رہے ہیں؟“ عیناں نے زارا کے پاس کھڑے ہو کر دل ہی دل میں مزہ لیا۔

”آں کچھ نہیں۔“ اس نے نگاہیں چرائیں۔
 ”ایسا لگتا ہے جتنا گھر کا راستہ بھول کر نہیں دور نکل
 گئے ہیں۔“ عیناں نے اس کے جو کہو نشانے پر لپا۔
 ”جانا کہاں ہے گھوم پھر کر لوٹ ہی آئیں گے۔“ اس

موقع کا فائدہ اٹھایا اور فون کر کے تابش کو بلوایا اور کیفے میں اس کی برتھ ڈے منانے کے بعد بڑے غیر محسوس انداز میں زما کے خلاف اس کے کان اس حد تک بھر دیئے کہ اس کی ناراضگی بیزاریت میں بدل گئی۔ عیناں تو سرشام ہی گھر لوٹ آئی مگر وہ بھی نہیں لوٹا تھا جس کے لیے یہ ساری رونق لگائی گئی تھی۔



انتظار کی کوفت سینے کے بعد زارا تک ہار کر بھونکی ہی بستر پر دروازہ کھٹکی تابش ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ اسے لیٹے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی۔ زارائے جھٹ سے آنکھیں موندنے کی ایکٹنگ کی۔ تابش منہ پھلائے گردن اکڑائے کمرے میں داخل ہوا۔ زارائے نکمھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ بچل میں فالتو میٹرز دہائے ہوئے تھا ایسے نازک وقت میں یہ میٹرز ان دفتوں کے بہت کام آتا تھا۔ جب بھی ناراض ہوتے اسے قیولیت بخشی جاتی۔ تابش نے اس وقت بھی دھب سے فرش پر میٹرز چٹا اور اس کی جانب دیکھے بناء میٹرز بچھایا اور کروت بدل کر لیٹ گیا۔

”ہر بات کی حد ہوتی ہے اپنی غلطی تو کبھی مانتے ہی نہیں ہیں۔“ زارا بری طرح سے جل بھن گئی لیوں کو بے دردی سے کچلا اور منہ بسور کر کروت بدلی۔ وہ بازو آنکھوں پر رکھا اسے مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔

”سزو کہیں کے“ کچھ دیر ایسے ہی گزری مگر پھر برداشت نہ ہوا تو ایک بار پھر گھور کر اپنے شوہر کی جانب دیکھا۔ جو مزے سے نیند کی واویلوں میں کھو چکا تھا زارا کا دل چاہا کہ کٹھ کر اس کے قریب جائے اور جھنجھوڑ کر تابش کی نیند بھی اڑا دے جس طرح وہ بے سکون ہے اس کا قرار بھی ختم ہو جائے مگر بہت ساری خواہشات کی طرح یہ بھی دل میں دبائے خاموشی سے سونے کی کوششوں میں مصروف ہو گئی۔ رات کے آخری پہرہ دم خواب ناک روشنی میں نیند کی دیوی کو اپنی گرفت میں لینے کی ساری تدبیریں کر لی گئیں مگر کامیابی منہ چڑا کر بھاگ گئی اس کی ہنسی پلکیں

نے بھی دل کا درد چھپاتے ہوئے بڑے مزے سے اپنی اہمیت جتائی۔

”ہاں مگر زبردستی آنا بھی کوئی آتا ہوا۔“ عیناں نے ہٹ سے جواب دیا۔ وہ خود تو چھوٹی تھی مگر زبان بہت بلی پائی تھی۔

”مطلب کیا ہے تمہارا؟“ زارا کا انداز تیکھا ہوا۔

”آں کچھ نہیں میں یہ کہہ رہی تھی کہ بچے آپ کو یاد کر رہے ہیں۔“ اس نے بات پلٹنے میں عافیت جانی اس گھر میں رہنا بھی تو تھا۔

”تم چل کر ٹیبل لگاؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔“ موڈ آف ہو چکا تھا اسے ہدایت دی تو عیناں باہر نکل گئی۔

”یہ لڑکی چاہتی کیا ہے؟“ سوچوں نے دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ کچھ دیر اس کے انداز پر حیرت زدہ رہ گئی پھر کاغذ سے اچکا کر باہر کی طرف چل دی۔ اسے تابش کے روپے پر بہت دکھ ہو رہا تھا کتنا دل لگا کر کیک بیک کیا۔ تابش کی پسندیدہ مٹن بریانی اور شاہی کلڑے پکائے۔ دونوں بیٹوں کو تیار کیا خود بھی طویل عرصے بعد دل لگا کر تیار ہوئی وہ شوہر کو برتھ ڈے پرسر براؤ دینا چاہتی تھی اسی لیے دس نہیں کیا تھا مگر شام وصل گئی رات کی سیاہی چھانے لگی ان کا کچھ چاہی نہیں تھا۔ ویک اینڈ تو تھا نہیں زارائے مجبوراً بچوں کو کھانا کھلانے کے بعد ٹائم پر سلا دیا کیوں کہ وہ صبح بہت جلدی اسکول کے لیے گھر سے نکلتے تھے۔ عیناں بھی مزے لے کر بریانی کھاتے ہوئے اس کا جھنجھلایا ہوا چہرہ دیکھتی رہی اور پھر گڈ نائٹ کہتے ہوئے مزے سے چل دی۔

جبکہ زارا تابش کے انتظار میں بھونکی بیٹھی رہ گئی۔ شام سے اب تک اس نے کئی بار فون بھی ملایا مگر دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی۔ جانے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے اس کے بے قرار یوں پر عیناں مزہ لے رہی ہو۔ مگر غلطی تو اس سے ہی ہوئی تھی صبح عیناں کو یونی جاتے ہوئے چپکے سے اطلاع دے دی کہ آج تابش کی سالگرہ ہے اس لیے وہ لائبریری سے سیدھی گھر واپس آئے۔ عیناں نے اسی

آپس میں جڑی جاری تھیں پڑھ بن کسی بھی طرح سونے کو تیار ہی نہیں ہوا اس پر خالی پیٹ الگ دہائی دینے لگا۔ اسی لیے سونا محال ہو گیا۔ زارا نے مہنی کے بل اٹھ کر شوہر کی طرف دیکھا وہ سوتے ہوئے بہت ہی اچھا لگ رہا تھا اس کی وجاہت نے دل کو چھو لیا لمبی چوڑی قامت سیاہ منگلی بالوں سے بھی چوڑی پیشانی گندمی رنگت ملائم نقوش سوتے ہوئے اس کی کھڑی ناک کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو رہی تھی۔ شادی کے اتنے سالوں بعد بھی اس کے چہرے کی وجاہت میں کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا۔ ایک پیاری سی مسکراہٹ زارا کے لبوں کو چھوٹی ایک وقت تھا جب وہ اس سے کتنا زیادہ چڑنی تھی۔ وہ اسے اپنے ماں باپ سے اتنی دور جو لے جانا چاہ رہا تھا مگر اب زارا کا دل اس پر بند رہتا تھا۔

”کیا کروں اب تو آپ کے بغیر گزارا بھی نہیں جناب۔“ اس نے محبت کی انتہاؤں پر جا کر سوچا مگر ادھر کیا فرق پڑتا تھا نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ شادی کے بعد زندگی میں پہلی بار ایسی مضطرب اور اذیت ناک راتوں سے اس کا واسطہ پڑا تھا اور آج تو درد اپنی انتہاؤں تک جا پہنچا تھا اور وہ بے بس سی بیٹھی تھی۔ شادی سے پہلے زندگی کتنی سہل لگتی تھی اسے والدین کی یاد آتی تو آنکھیں نم ہو گئیں۔

.....☆☆☆☆.....

زارا نے خود پر کافی دیر تک ضبط کے کڑے پہرے بٹھائے رکھے کہ شاید صاحب کی نظر کرم ہو جائے مگر جب کوئی آہٹ نہ ہوئی تو خود ہی اس کے پاس پہنچی اور بے دردی سے سمجھنور اُدھ جواوندھے منہ لیٹا بڑی گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا ایک دم بڑا کراٹھ گیا۔

کیا بات ہے؟“ اٹھ کر بیٹھنے ہوئے بھی ناراض سا دکھائی دیا۔

”بھوک لگ رہی ہے۔“ اس نے منہ لٹکا کر بتایا تو وہ چونکا۔

”کیا مطلب رات کے دو بج رہے ہیں اور تمہیں

بھوک لگ رہی ہے۔“ اس نے حیرت زدہ سا ہو کر گھڑی کی جانب اشارہ کیا۔

”ہاں کیونکہ میں نے آپ کے انتظار میں ڈنر نہیں کیا تھا۔“ اس نے وجہ بیان کی۔

”آف..... پائل لڑکی چلو اٹھو ویسے کس خوشی میں میرا انتظار کیا گیا؟“ تابش نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا اور مسکرا کر پوچھا۔

”آپ کے بغیر کیسے کھاتی جبکہ یہ آپ کی ہی برتھ ڈے کا ڈنر تھا۔“ وہ مسکراتی ہوئی بولی اور اس کے بازو پر بڑے استحقاق سے ہاتھ رکھا۔

”میری برتھ ڈے، مگر تم تو بھول چکی تھیں؟“ اس کے لبوں پر شکوہ مچلا۔

”میں بھلا کیسے بھول سکتی ہوں! بس سر پر اتار دینے کی کوشش مہنگی پڑ گئی۔“ وہ مسکرا کر سر اٹھا کر آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی تو گلے شکوے دور ہو گئے تابش کو بھی اپنی شام کی حرکت پر دکھ ہوا بلا وجہ دوستوں میں وقت گزار رہا تھا۔

وہ دونوں مسکراتے ہوئے لاؤنج سے متصل کچن میں داخل ہوئے زارا نے فرنیچ سے ٹھنڈا ٹیک ٹکلا بریانی گرم کی اور موم بتیاں جلانے کے بعد اہتمام سے ٹیبل سجائی۔

تابش نے مسکراتے ہوئے ٹیک کا ٹاٹا اور بیوی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا جو مٹے ہوئے میک اپ میں بھی غضب ڈھارہی تھی۔ عیناں جس کا کمرہ قریب ہی تھا باہر ہونے والی کھٹ پٹ برآ نکھیں ملتی ہوئی سن کن لینے باہر نکل آئی۔ اسی وقت تابش چاکلیٹ ٹیک کا چھوٹا سا پیس کاٹ کر زارا کو اپنے ہاتھ سے کھلا رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سن سی کھڑی رہ گئی زارا نے اس کی طرف دیکھا تو لبوں پر ایک مسکراہٹ پھوٹ پڑی۔ عیناں کے دل میں گونے سے اٹھنے لگے۔ وہ جان بوجھ کر لڑکھرائی، آہٹ پر ان دونوں کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔

”یعنی کیا ہوا؟“ تابش نے مڑ کر دیکھا اور بیوی کو

پیچھے ہٹاتے ہوئے عیناں کو سہارا دینے کے لیے اس

طرف بھاگا۔

”ڈرامے باز“ زارا کی آنکھوں میں کانچ ٹوٹنے جیسی جھن ہونے لگی۔

بے بس ہوا۔

”مجھے ایسی باتیں بالکل پسند نہیں۔“ زارا کو بے تکلفی سخت گراں گزری۔

”تم تو غصے میں اور زیادہ حسین ہو جاتی ہو۔“ اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر تابلش نے مڑھ لیا۔

”پلیز“ زارا کی برداشت کی حد جواب دینے لگی۔ ”اگر آپ یہاں سے نہیں جاتے تو میں ہی چلی جاتی ہوں۔“

”اس بے نیکی کی وجہ؟“ وہ چونک اٹھا۔

”یہ کہیں یہ کسی اور کو پسند تو نہیں کرتی۔“ دل میں دوسرہ جاگا۔

”آپ پڑھ لکھے ہیں، اتنے سوالوں سے باہر زندگی گزار رہے ہیں۔ اتنا تو جانتے ہوں گے ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے۔ میرے بھی کچھ نظریات ہیں، پسند نا پسند اور مجبوریاں ہیں دیے بھی آپ خود کو کسی پر مسلط نہیں کر سکتے۔“ تابلش کو وہ کافی جذباتی دکھائی دی۔

”میں تو سمجھتا تھا کہ تم اپنی زندگی کی حقیقتوں سے ناواقف ہو مگر تم تو کافی باشعور لڑکی تھی.....“ اس نے سر ہلا۔

”شکریہ۔“ وہ بے نیازی سے بولی۔

”ایک بات کہوں تم نے ابھی زندگی کو کتابوں میں پڑھا جبکہ میں نے بتا ہے۔ اس لیے یاد رکھنا جو کچھ ابھی تمہارے اختیار میں ہے ہو سکتا ہے وہ کل ہاتھ میں نہ رہے۔“ اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

”مجھے آپ سے بحث نہیں کرنی۔“ زارا نے اتنی دیر سے سینے میں اٹھی سانس خارج کی۔

”اچھا چھوڑ دو، ناراضگی کی باتیں صرف اتنا تاواؤ انکار کی وجہ کیا ہے۔“ تابلش پر کوئی اثر نہ ہوا، مسکرا کر سوال کیا۔

”بس مجھے اماں بابا کو چھوڑ کر پردیس میں جا کر زندگی گزارنا پسند نہیں۔“ زارا نے سارے ادب، لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بات واضح کی۔

”دیکھو زارا اب پاکستان آنا جانا کچھ مشکل نہ رہا۔“ اس نے سمجھایا۔

.....☆☆☆☆.....

زیرینہ نے فہیدہ کی ساری باتیں غور سے سنیں اور زارا کے انکار کو اس کا بچپنا سمجھ کر ٹال گئیں۔ فہیدہ کو تسلی دینے کے بعد ایک تجویز سامنے رکھی اور زیرینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تابلش زیرینہ کی مرضی سے فہیدہ کے گھر آیا تاکہ زارا سے بات کر سکے فہیدہ نے بیٹی کو پہلے سے تابلش کی آمد کی خبر نہیں دی تھی کیوں کہ انہیں پتا تھا کہ زارا انکار کر دے گی تابلش گھر کے اس گوشے کی جانب بڑھ گیا

جہاں زارا اپنی رہنمائی درواز زلفوں کو سلجھانے میں مگن تھی۔ اس نے ہلکی سی دستک دی اور دایر پر کھڑا ہو گیا۔ زارا نے مڑ کر اسے دروازے پر ایستادہ دیکھا تو حیران رہ گئی۔

”آپ؟“ وہ سرخ پڑنے چہرے کے ساتھ اپنا دوپٹا سر پر رکھتے ہوئے ناگواری سے بولی۔

”جی میں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

”فرمائیے۔“ اس نے روڈ ہو کر پوچھا۔

”میں آپ سے انکار کی وجہ پوچھنے آیا ہوں۔“ تابلش نے پُر شوق نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے آنے کا مقصد بتایا۔

”مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اپنی زندگی کا فیصلہ خود کروں، ویسے بھی آپ پوچھنے والے کون ہوتے ہیں؟“

زارا نے اُس کی گہری نگاہوں سے بچنے کے لیے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

”ہوتا تو کچھ نہیں مگر بہت کچھ ہو سکتا ہوں۔“ تابلش اُس کے غصے کو حسن کی ایک ادا جان کر لطف اندوز ہونے لگا۔

”میرے امتحان ہونے والے ہیں اور میرے پاس آج کل اتنی فرصت نہیں کہ فضول باتوں پر وقت ضائع کروں۔“ وہ تپ گئی۔

”زارا..... امتحان سے تو میں گزر رہا ہوں۔“ وہ ایک دم

”مجھے بابا کا سہارا بننا ہے۔“ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بے بس ہونے لگی۔

”اگر تم آج ہی اکل سے دور جانے کی وجہ سے پریشان ہو تو یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں میں پر اس کرتا ہوں کہ تم جب چاہو گی یہاں آ جاؤ گی۔“ وہ دھیر دھیر سے بولتا ہوا اسے اپنے سر میں مبتلا کرنے لگا۔

”میری بہنوں کا مستقبل.....“ اس نے خود کلائی کی۔
 ”نیک بات یاد رکھنا وہاں رہ کر تم شاید اپنی بہنوں کا مستقبل زیادہ محفوظ کر سکتی ہو۔“ زارا اس کی آخری بات پر قائل ہو گئی تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ تابش علی کے چلے جانے کے بعد بھی وہ دیر تک اسی احساس کے تحت ساکت کھڑی رہ رہی اسے لگا اب انکار کرنا مشکل ہو گا پھر بھی اس نے ماں سے سوچ بچار کے لیے مزید تاہم مانگا۔



زارا شوہر کی فرم کی طرف سے دیئے گئے سالانہ ڈنر میں شرکت کر کے گھر لوٹی تو تابش کا موڈ چٹانیں کس بات پر آف تھا۔

”جہیں کپڑے پہننے کا سلیقہ کب آئے گا؟“ تابش نے کمرے میں بھٹکتے ہی طنز کا تیر چلایا۔

”کیوں میرے کپڑوں میں کیا برائی ہے؟“ اس نے حیرت سے اپنی ہنر باری ساڑھی کا لال بارڈر پھیلایا۔

”بھئی عیناں کو غور سے دیکھا ہے وہ کیسے یہاں کے کلچر کے مطابق ڈریسنگ کرنے لگی ہے۔“ تابش کے اعزاز میں ستائش ابھری۔

”اوہ..... پھر..... وہ ہی عیناں۔“ وہ دل ہی دل میں جل کر خاک ہو گئی اس کی بات کا جواب نہ دے سکی۔

”بولو چپ کیوں ہو؟“ تابش نے اس کا کاندھا زور سے ہلا کر تو جاپنی جانب مبذول کرائی۔

”مگر..... وہاں تو سب نے میری ساڑھی کی بڑی تعریف کی تھی۔“ اس نے بستر پر بیٹھ کر زیورات اتارتے ہوئے جواب دیا۔

”حیرت ہے کس نے تعریف کر دی۔ ورنہ اس لباس

میں تو تم ایک دم بیک ورڈ لک دیتی ہو۔“ وہ بلاوجہ جھنجھلا یا۔
 ”تابش کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“ اس نے حیران ہو کر نگاہ اٹھائی۔

وہ عام طور پر جینز اور ٹی شرٹ چڑھائے رہتی مگر کسی خاص تقریب میں جاتے ہوئے اس کا دل چل جاتا کہ بیگ میں رکھے ڈھیروں پاکستانی اسٹائل کے کپڑوں میں سے کوئی نکال کر تن پر سجالے آج کے ڈنر پر وہ ایک خوب صورت سی ساڑھی پہن کر گئی جو کبھی تابش کو بہت پسند تھی۔
 ”اصل میں تم اب تک اپنا دنیاوی سی بیک گراؤ نہ بھلا نہیں سکی ہو۔“ اس نے ٹوٹ اتارتے ہوئے طنز کیا۔

”ہاں بڑے آئے ماڈرن۔“ اس نے کاندھے اچکا کر مذاق اڑایا اور اپنی جیلری سمیٹ کر باکس میں رکھی۔

”زارا میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔“ وہ اس کی بے نیازی پر تنگ اٹھا اور کان کے پاس آ کر زور سے چیخا۔

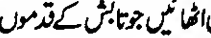
”تابش.....“ اس نے گھبرا کر تیزی میں کھڑا ہونا چاہا ہاتھوں میں تھامی سرخ چوڑیاں فرش پر گر کر کھینکیں۔

”اگر تم جانتی ہو کہ ہم یہاں سروائیو کریں تو ہمیں ان کی تہذیب کو سمجھنا ہی چاہیے۔“ تابش نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چہرہ اپنی جانب موڑا اور صبح کو کبھی ہوئی عیناں کی بات دہرائی۔

”جانے بیٹی پتی کس نے پڑھائی۔“ زارا کی آنکھیں احتجاج پر اتار آئیں آنسو گالوں پر ٹپکنے لگے۔

”میرے سرکل میں مود کرنا ہے تو خود کو بدلو۔“ تابش کی انگلیاں کاندھے پر گزری جا رہی تھیں مگر اس سے زیادہ دکھ دینے لگا تھا تھے جو ہونٹوں سے ادا ہو رہے تھے۔

”اوکے۔“ اس نے اذیت میں سر ہلا کر بحث سیٹھی اور جھک کر چوڑیاں اٹھائیں جو تابش کے قدموں میں بکھری پڑی تھیں۔



تابش علی کی دو سال سے جاری رہنے والی کوشش بالآخر ناکام ہو گئی اور قائل ایگزامز کے بعد ان دونوں کی

شادی انجام پائی اور وہ زارا تائبش بن کر زینہ کی وینس والی کوشی میں رخصت ہو کر آ گئی۔ تائبش کی بہنوں نے اسے کمرے تک پہنچایا اور خود چھوڑ چھاڑ کرنے کے بعد دروازہ بند کر کے باہر چل گئیں۔ تنہائی ملتے ہی زارائے نگاہ اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا اور حیرت زدہ رہ گئی ہر طرف پھول ہی پھول سجے دکھائی دیئے تاج کو بھی بڑی نفاست سے اصلی پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ اس کا موڈ ایک دم خوشگوار ہو گیا جب سامنے والی دیوار پر اپنی مسکرائی ہوئی بڑی سی تصویر بھی دیکھی اسے تائبش کے پیار پر پیار آنے لگا۔ اربانوں کی دنیا میں پچھلے ہی سچ گئی۔ شربا کرا نکھیں بند کی تو جھم سے تائبش کا خوب صورت سراپا نظروں کے سامنے ابھر آیا۔ اسے اپنی خوش بختی پر ناز ہونے لگا۔ اسے یاد آیا کہ شادی کی تقریب کے دوران سب نے ان دونوں کی جوڑی کو سراہتے ہوئے چاند سورج کی جوڑی قرار دیا تھا۔ انتظار کے کچھ اور پل سنے اور تائبش علی آہستہ سے پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا سیاہ شیر وانی اور سفید لٹھے کی شلووار پر سنہری تلوے والے کسے میں اس کی شان ہی نہائی تھی۔ زارا نے کن انکھوں سے دیکھا دلہان کن کو تو تائبش کی شخصیت میں وقار پیدا ہو گیا تھا وہ اپنی دراز قامت کے ساتھ بہت نکھر اہوا لگ رہا تھا۔ تائبش نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر سر پر پہنا سنہری کلاہ اتار کر رکھا اور پھر اپنے گلے میں پہنے گلابوں کے بھاری ہاروں سے جھونکا رہا۔ اس کے بعد ایک طویل سانس بھری اور بیڈ کے قریب چلا آیا۔ زارا کی خدار پلکوں پر سنہری خواب اترنے لگے اور سر مزید جھک گیا۔ تائبش نے گلاب کی کلیوں سے بنی لڑیوں کو ہاتھ سے ایک طرف کیا اور اس کے مقابل بیٹھ گیا زارا تھوڑا کسمسا کر پیچھے ہوئی تو شرارت بھری مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

”زارا.....“ تائبش نے اسے بے تابی سے پکارا۔
 ”جی۔“ وہ شربا کرا اتنا ہی بولی پلکیں شرم و حیا کے بوجھ سے لرز رہی تھیں۔
 ”بہت حسین لگ رہی ہو۔“ اس نے دل سے تعریف

کی زارائے کوئی جواب نہ دیا۔
 ”تمہاری رونمائی کا گفت فیتی ہے مگر تم سے زیادہ نہیں۔“ جیب سے سیاہ مخملی گفٹ باکس نکال کر کھولتے ہوئے بولا تھا۔ تائبش نے اس کا ہاتھ تھام کر ہلکا سا دیا زارا کے ہوش دھواں منتشر ہونے لگے۔ وہ جھلملائی آنکھوں سے زارا کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 ”واؤ بیوٹی فل.....“ تائبش نے انتہائی چاہت سے منہ دکھائی کی فیتی رنگ نازک انگلی میں پہنائی اور زارا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”تمہارے ہاتھ بہت پیارے ہیں۔“ زارا کے مہندی سے رچے نرم ہاتھ بہت حسین لگ رہے تھے۔ وہ اس کی تعریف پر شرمائی دل کی دھڑکنیں مزید تیز ہو گئیں اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

”میرے خیال میں تم بھی اپنے یہ بھاری بھر کم کپڑے پہنچ کر کے ایڑی ہو جاؤ۔“ وہ اس کے گھبرانے پر شرارت سے مسکرا کر بولا تو زارائے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”سنو۔“ ابھی زارائے قدم بڑھانے کا سوچا ہی تھا کہ تائبش نے بے قراری سے پکارا۔
 ”جی؟“ پیچھے مڑتے ہوئے سحر انگیز نگاہوں نے سوال کیا۔

”جلدی آنا۔“ تائبش کی آنکھوں سے چلتی محبت بھری والہانہ چمک اور ہڈوں سے چمکتی شرارتی مسکراہٹ وہ ایک دم شرما گئی اور بھاری عروسی شرارہ سنہبالتے ہوئے سچ کر قدم اٹھائی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

.....☆☆☆☆☆.....
 ”زارا سنے۔“ چہل قدمی کے بعد جب وہ تھک کر بیڑ جھاڑتی ہوئی اندر جانے لگی تو مردانہ آواز کی پکار پر چونک گئی۔

”کون؟“ ایک دم مڑ کر بائیں جانب دیکھا اور ماتھے پر ہل پڑ گئے۔
 ”میں ہوں۔“ برابر والے گھر کے لان کی باڑ کے پاس

کھڑا ہوا، سر ہلکا کر دیا۔
 ”اس وقت آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ ابراہیم کا
 یوں تاننا تھا جیسا کہ تار مارا کو ایک آنکھ نہ بھایا۔
 ”بس تمہیں دیکھا تو دل بات کرنے کو مچل اٹھا۔“ نرمی
 ”اپنی حد میں رہیں۔“ وہ ایک دم گرم ہوئی۔ ”میں
 سب کچھ بھول چکی ہوں..... اگر آپ بھی ایسا ہی کریں تو
 بہتر ہوگا۔“ اس کا سخت انداز ابراہیم کو برا لگا، بغیر کچھ کہے تیز
 قدموں سے واپس پلٹ گیا۔

سے جواب دیا اس کی آنکھوں میں رچی اداسی نے ہمیشگی طرح ایک بار پھر پریشان کیا۔
”مشر..... اپنے ہوش و حواس میں رہیں۔“ زامانے جان بوجھ کر اسے ڈھٹا۔

”میرے ہوش و حواس تو کئی سال پہلے کم ہو گئے تھے شادی کے لیے پر پوز کیا تھا ان ہی وجوہات کی بنا پر زار نے محتاط ہو جانے میں ہی عیافیت جانی تھی۔“

”ایک عیناں کیا کم بھی جو عینی مصیبت میرے گلے پر آئی۔“

”میں آج بھی لوگوں کا اتنا فری ہونا پسند نہیں کرتی۔“ زارا نے قطعیت سے کہا۔

”سواری مگر تم بھول گئی ہو کہ ہم پرانے دوست بھی رہ چکے ہیں یا شاید کچھ بڑھ کر۔“ اس کے انداز احتجاج پر زارا کے چہرے پر برہمگی کی سرخی چھا گئی۔

.....☆☆☆☆.....

عیناں کے مزاج میں خد اور فطرت میں خودی پر یکجہن

”کلیں مجھے ایسی بے تکلفی پسند نہیں اور کونسل کو میرا ایک فون آپ کو مشکل میں ڈال سکتا ہے۔“ وہ الٹا اس پر جھڑوڑی۔

”میں کچھ سمجھا نہیں۔“ ابراہیم کے پُر وجاہت چہرے
 عیناں کی آنکھوں سے غرور جھلکتا دکھائی دیا۔ وہ صوفے پر
 دراز ہو کر زار کا بے چینی سے لطف اٹھانے لگی۔ عیناں
 سے فکر مند سی چٹکی۔

”یہاں کسی بڑوس کے گھر میں ایسے تاک جھانک کرنا، ان کی پرائیویسی میں دخل اندازی پر آپ کو شہر کی انتظامیہ کی جانب سے وارننگ جاری ہو سکتی ہے۔“ اس نے دھمکی دی۔

”سوری میں نے تمہیں باغ میں چہل قدمی کرتے دیکھا تو بس حال احوال پوچھنے آ گیا۔“ اسے اپنا رویہ غیر مناسب لگا تو فوراً ہی معذرت کی۔

”یہ یہاں کی سوسائٹی میں تو برا سمجھا جاتا ہے مگر شاید ہماری روایت کا بھی حصہ نہیں اس لیے آئندہ خیال رکھیے گا۔“ زار نے تھکے انداز میں جتایا۔

”تم کس قدر ظالم ہو۔“ وہ دکھ بھرے انداز میں گویا ہوا۔

پاس تھی جو اتنے سالوں میں کہیں کھو گئی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ اداسی بے سکونی، بڑھتی ہوئی بے چینی اور غفلت اسے دن رات ڈسنے لگی تھی۔ وہ تابش کی محبت کا جام ایک گھونٹ میں پیتا چاہتی اور یہاں ایک قطرہ بھی دستیاب ہونا مشکل ہو گیا تھا۔

ہنی مومن پیریڈ ختم ہوتے ہی تابش اسے اپنے ساتھ امریکا کے چھوٹے سے علاقے فشر میں لے آیا۔ وہ سرمئی آنکھوں میں رنگین خواب سجلائی مگر یہاں کی تیز رفتار زندگی اور تابش کی مصروفیت کی وجہ سے اس کے خوابوں کی ہر تعبیر اٹنی نکلی وہ ایک مشرقی لڑکی تھی جس کے ماں باپ نے تربیت ہی ایسی کی تھی کہ اس کے لیے شوہر اور اس کی رضا دنیا کی ہر چیز سے مقدم تھی۔ وہ ایسی خوشی زندگی گزارنے لگی۔

تابش کو صفائی ستھرائی کا مراق تھا یہاں پاکستان جیسی سہولتیں نہ تھیں ہر کام اپنے ہاتھوں سے خود کرنا پڑتا تھا پھر بھی ان کا چھوٹا سا گھر صاف ستھرا چمکتا ہوا دکھائی دیتا۔ زارا نے اپنی ساری توانائیاں اس کے مکان کو گھرنے میں صرف کر دیں۔ سرسبز بیلوں اور خوشبودار پودوں سے گھر کے بیرونی حصے کو سجایا مگر جب بھی برف پڑتی اس کی محنت اکارت چلی جاتی۔ پھر بھی وہ حوصلہ نہ ہارنی صرف گھر میں ہی نہیں اس نے گھر سے نکل کر بھی اپنی شادی شدہ زندگی کو سہارا دیا اور کئی سالوں تک ایک سپراسٹور میں جلیب کر کے اپنے گھر کے لیے معاشی معاونت بھی فراہم کی تھی۔ چھٹی والے دن تابش کے پسندیدہ خوش رنگ و خوش ذائقہ پاکستانی کھانے پکانی اور تو اور بچوں کے آجانے کے بعد اپنی نا تجربہ کاری کے باوجود ان کی دیکھ بھال میں بھی اپنی جان لٹا دیتی ماں سے فون پر پوچھ کر ٹوٹنے آزمائی۔ اس کے دواؤں خوب صورت اور صحت مند بیٹے تابش کی کاپی تھے۔ شوہر کے معیار تک پہنچنے میں اس کا اپنا جدوجہد نہیں منظر میں جا چکا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بیوی کی قربانیوں کے بدلے میں تابش اس کا شکر گزار ہوتا مگر وہ تو خود پرست بن گیا جس نے محبت لوٹنا ناسیکی ہی نہیں ہر چیز

فون نمبر وغیرہ ایک پرچی پر لکھ کر عیناں کی جانب بڑھا دیا اور اسے بڑی محبت سے وہاں جا کر تابش سے رابطہ کرنے کی ہدایت کی۔ منزہ نے بھی زرینہ کی ہاں میں ہاں ملائی تاکہ دیار غیر میں بیٹی کے قریب کوئی توانا ہو۔

عیناں ان دونوں کے بھولے پن پر مسکرائی اور ایڈریس والا صفحہ اپنی منگھی میں دبایا منزہ کا خیال تھا کہ عیناں ایئر پورٹ سے سیدھے تابش کے گھر جائے گی مگر عیناں نے اپنی پلاننگ کے حساب سے پہلے یونیورسٹی کی طرف سے دی جانے والی رہائش قبول کی اس کے بعد آرام سے تابش سے رابطہ کیا۔



”جب بھی یہ دل اداں ہوتا ہے کون آس پاس ہوتا ہے۔“ زارا تابش بے خودی میں گفتگو کرتے ہوئے چہل قدمی کرنے لگی۔ سوچیں اسے الجھائے لگیں۔

”میں تو کہتی ہوں ہر بیٹی کا نصیب تمہارے جیسا ہو۔“ اس کے کان میں چھوٹی خالہ کی سرگوشی گونجی تو وہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔ دن میں ان سے فون پر بہت دیر تک بات ہوتی اور باتوں کے درمیان کوئی دس بار انہوں نے اپنی بات دہرائی۔

اسے یاد آیا کہ جب بھی پاکستان میں اس کا ذکر نکلتا تھا تو زارا کو خاندان کی خوش قسمت ترین لڑکی قرار دیا جاتا تھا پھوپھی خالہ اپنی بیٹیوں کو اس کے جیسا نصیب پانے کی دعا میں دیتی سب رشک کرتے کہ اس کے پاس تو سب کچھ ہے۔ کئی تھی بھی کہاں؟ خور و شوہر، دو خوب صورت بچے، دوست احباب، سیر و تفریح کے مواقع روپے پیسے آسائش سے بھری زندگی لیکن کوئی اس کے اندر جھانک کر دیکھتا تو جان جاتا کہ اس زندگی کو پانے کے لیے اس نے کس قدر محنت اور جدوجہد کی ہے جب کہیں جا کر وہ اس مقام تک پہنچی تھی۔ سب سے بڑا غم اپنے والدین سے اتنی دور آسنا تھا۔ اب سب کچھ حاصل ہو جانے کے باوجود ایک خلا سا پیدا ہو گیا تھا جو پُر نہیں ہو پا رہا تھا۔ شاید اسے شوہر کی مکمل اور خالص محبت کی

کوا بناحق سمجھ کر وصولاً چلا گیا زارا کی محبت کو اس کا فرض جانا مگر بدلے میں اپنے ذمے لگا حق دینے کا خیال نہ آیا۔ تنگ پڑتی دیواروں میں پھنسی زارا سانس لینے کے لیے روزانہ تلاش کرنے لگی۔

اب جب کہ وہ تابش کی دسترس میں آگئی تھی تو پتا نہیں کیا ہوا اس کا دلہانہ پن اور بے قراریاں کہیں کھو گئیں شاید حاصل کے مقابلے میں لا حاصل کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے جیسے ان کی شادی شدہ زندگی کی گاڑی آگے بڑھ رہی تھی ویسے ہی تابش کے نزدیک زارا کی اہمیت کم سے کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ اب اس کی محبت نہیں بلکہ بچوں کی ماں بن کر رہ گئی تھی۔ دوسری جانب تابش کی محبت زارا کا جنون بن گئی وہ کسی طرح بھی ہاتھ نہیں آتا۔ زارا اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے تھکے لگتی۔ شاید تابش کو شروع سے زارا کی آنکھوں میں آنسو بھائے تھے جب ہی تو وہ انہیں گیلی رکھتا خشک ہونے نہیں دیتا بس اپنی ایک بات پر وہ آج تک قائم تھا زارا اپنے بوڑھے والدین کو جتنے بھی پیسے بھجوانا چاہتی وہ اسے روکتا نہیں تھا وہ اس معاملے میں ہمیشہ اس کی احسان مند رہی اس کی وجہ سے ہی دونوں بہنوں کی شادیاں بڑے اچھے گھرانوں میں ہو گئیں والدین کو جی کی سعادت حاصل ہوئی۔ باہر سے گزرنے والی کسی گاڑی کے ہارن پر وہ چونک کر ماضی سے حال میں واپس آئی۔



زریہ نون کر کے بیٹے کوئی ہارتا کید کی تھی کہ خاندان کی بچی ہے تابش کا فرض ہے کہ وہاں پر عیناں کا ہر طرح سے خیال رکھے وہ ماں کی بات پر بری طرح سے کوفت کا شکار ہونے لگا اس کے باوجود اس کا کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا کہ وہ اس فنٹ بال کو اٹھا کر اپنے گھر لے آئے ویسے بھی اسے اپنے گھر کی پرائیویسی عزیز تھی۔ اس لیے زارا سے اس حوالے سے کوئی بات کرنا ضروری نہ سمجھا۔ پتا نہیں کیا بات تھی اس کے سامنے جب بھی عیناں کا نام آتا تھا ایک ناگواری بھری کیفیت اس کے وجود میں بھر جاتی تھی۔ ان

دونوں کی عمروں میں خاصہ تفاوت تھا مگر وہ اپنی عمر سے بڑی باتیں کیا کرتی تھی۔ تابش کو یاد تھا کہ وہ جب بھی پاکستان میں کسی ٹیلی فکشن میں جاتا اور اس کا سامنا عیناں سے ہو جاتا تو اس بچی کے وارنٹی سے دیکھنے کا انداز اسے بہت برا لگتا تھا۔ عیناں اس وقت کم عمر تھی اور تابش کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت نہ تھی خاص طور پر عیناں کا اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے تیز آواز میں بولنا اور شوخ تعظیم لگانا اسے بہت برا لگتا تھا۔ ویسے بھی یہ وہ دور تھا جب وہ زارا کے عشق میں گرفتار ہو چکا تھا عیناں کے فلمی انداز سے ایک چڑسی پیدا ہونے لگی اب بھی اس کے ذہن میں عیناں کا تاثر کچھ منفی تھا۔

امریکا پہنچنے کے ایک ہفتے بعد عیناں نے تابش کے نمبر پر کال ملائی اور اپنے آنے کی خبر دی۔ تابش نے کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی اور دوسرے دن اس سے ملنے کا کہا۔ وہ جب اس کے پاس پہنچا تو وہ اس قدر تیزی کے ساتھ اس کے سامنے آئی کہ وہ حیرت زدہ سا اسے نکتہ کر گیا۔ ہلکے میک اپ کے ساتھ مغربی لباس زیب تن کیے نازک انعام سی کلی جیسی عیناں گھٹے رہی بالوں کو ایک سائیز پر ڈالے یہ وہ لڑکی تو بالکل نہیں تھی جسے وہ بچپن میں مڈوائف بال کہہ کر پھینچتا تو بھی اس کے دانتوں کو دیکھ کر ڈر کر بیولا کہا کرتا تھا مگر یہ تو کوئی نئی شخصیت تھی جس سے تابش شاید پہلی بار مل رہا تھا۔ دھیمے سروں میں بات کرتی، سر ملی گھٹٹیوں جیسی ہنسی کے ساتھ بولتی ہوئی وہ اسے مسلسل سر پرانز کر رہی تھی۔ تابش کو اپنے ماضی کے رویے پر افسوس ہوا تھا کیوں کہ اس کے منہ سے نکلی ہوئی بات سے عیناں بہت ہرٹ ہوئی تھی خاندان کے دوسرے گزرنے بھی اسے عیناں فنٹ بال کہنا شروع کر دیا تھا۔ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ اسے جب فنٹ بال کہہ کر بہت زیادہ چھیڑا جائے لگا تو وہ فیملی فنکشن میں بری طرح سے رودی اور تابش کو کشور بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

”یہ تو اب بہت پیاری ہو گئی ہے۔“ چھوٹی موٹی کو

چیز ز پر دھکیل کر بٹھایا۔

”سیر مل نہیں کھانا۔“ ارمان نے پیرنچا اور منہ پھاڑ کر رونا شروع ہو گیا۔

”چپ کرو۔“ وہ تھوڑا زور سے بولی تو عیناں نے منہ
 بنا کر اسے دیکھا مگر تابش پھر بھی اس کی مدد کو نہیں بڑھا۔

”ان کو ہمارا کوئی خیال نہیں رہا۔“ بیماری کی وجہ سے زارا پہلے ہی خود ترسی کا شکار تھی ایک دم اداس ہو کر شوہر کی طرف دیکھا۔

”پلیز مجھے سینڈوچ کی ڈش پکڑائیے گا۔“ عیناں نے بل کھاتے ہوئے بڑے سانداز سے فرمائش کی۔

”شیور“ سعادت مندی کا ایسا مظاہرہ کیا جیسے اس
کے آگے دنیا کی باقی باتیں بچ ہوں۔

”ارمان رورہا ہے مگر باپ کو کوئی فکر نہیں۔“ ان دونوں کو کوفت بھری نظروں سے دیکھنے کے بعد اس نے سر جھٹکا۔

”یہاں“ عیناں کی کھنکھاتی ہنسی پر اس کے چہرے کا زاویہ
لہجے بھر کو بڑا۔

”جلدی سے پورا بااؤل ختم کرو۔“ ان پر بس نہیں چلا تو زار نے چیخ کر بڑے والے کو دھمکایا۔

”مہمانگندی۔“ امرمان کی ریس ریس میں تیزی آئی ایک عیبات کی رٹ لگ گئی اور ایمان باپ کی جانب دوڑا۔

”کو میلا بچہ کا ہوا؟“ بیوی کا منہ بنا دیکھ کر تائبش نے
توتلی زبان میں بات کرتے ہوئے بیٹے کو گلے لگایا۔

”منہ کھولو“ بیٹے کو بہلاتے ہوئے تابش نے کھلاتا شروع کیا۔

”چلو لاسٹ بائٹ لو“ زامانے دوسرے کے منہ میں بیٹھو لیے کا آخری چھبڑ بروقت ٹھنبا یا۔

”آرام سے۔“ تالیش کی برداشت حتم ہوئی اسے تنبیہ کی وہ بھی خاطر میں نہ لائی۔ عیناں نے جل کر مپاں بیوی

کی ٹوک جھوک دیتی تھی مگر کچھ کہے بغیر سینہ دھج کھائی رہی۔
 ”اچھا اب سب کو گڈ نائٹ کہو۔“ زارا نے ایک کڑی

وہ بڑے بچھے دل کے ساتھ زارا کی شادی میں شریک ہوا اور اس دن کے بعد سے اس کی زندگی سے نکلنے کا فیصلہ

کر لیا۔ پھر کوئی رابطہ بھی نہ رکھا مگر قسمت کے کھیل نے ان دونوں کو ایک بار پھر ملا دیا۔ انہوں نے دہلی میں غیر متوقع



زارا کی طبیعت دو دن سے خراب تھی، اتنے سال یہاں گزارنے کے باوجود بدلے موسموں سے دوستی نہ

ہو سکی تھی۔ وہ سہ ماہی شروع ہوتے ہی فیور کا شکار ہو جاتی، اس الہی میں سارا دن یا تو چھینکتی رہتی یا نزلہ زکام اور سر

میں اٹھے والے درد کی شدت اسے بے چین رکھتی۔ اس وقت بھی زارا خود کو بہت تھکا ہوا سا محسوس کر رہی تھی مگر

”امیزنگ اگر عبداللہ میرے ساتھ کچھ ایسا کرے تو ہوش ٹھکانے لگا دوں۔“ آمنہ نے کافی میں چچہ گھما کر سر ہلایا۔

”ایک بار اماں نے چپکے سے کہا تھا شوہر کو اپنے جیسا بنانے کی جگہ اس جیسی بن جانا۔ اسی میں کامیابی ہے۔ میں نے یہ ہی کیا۔“ اس نے دور خلاؤں میں دیکھا۔ ”میں نے تابش اور اس گھر کے لیے خود کو مٹا دیا۔“ ایک طویل سرد آہ لبوں سے خارج ہوئی۔

”اچھا تو پھر کیا..... وہ تمہارا پتا؟“ آمنہ کے لہجے میں طنز تھا۔

”نہیں..... سب کچھ کرنے کے باوجود وہ میرا نہیں ہو سکا۔ اسے میری محبت کا قدر ہی نہیں ہے۔“ وہ دکھ سے بولی۔

”تو پھر اسے بتا دو کہ تم بھی کسی سے کم نہیں ہو۔“ آمنہ نے اسے تھوڑی دیر روکنے دیا پھر ایک دم سے بولی۔

”آمنہ..... تابش کے چھمن جانے کے خیال سے ہی میرا دل بند ہونے لگا ہے۔“ اس کی آنکھوں کی بے چینی چہرے تک پھیلی گئی اور آمنہ نے اس کی پیٹھ پھینکنے کے ساتھ اس کا سر تاج پر جائزہ لینا شروع کر دیا اور کچھ سوچ کر مسکرا دی۔ آنکھوں کی چمک بڑھتی چلی گئی۔



آسمان پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے اور وقفہ وقفہ سے پھوار ہو رہی تھی۔ ابراہیم نے اپنے آنس کی عمارت کی کھڑکی سے نیچے جھانکا تو کئی سال پیچھے چلا گیا۔ اسے وہ دن یاد آنے لگا جب ایسے ہی حسین موسم میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے زارا کو پرہیز کیا تھا۔ اچانک یونی میں ہونے والی بارش نے زور پکڑ لیا تھا۔ زارا جو گھر جانے کے ارادے سے نکلی تھی پھینکنے سے بچنے کے لیے ایک گھنے درخت تلے جا کر کھڑی ہوئی تھی۔ ابراہیم اپنی گاڑی کی طرف جارہا تھا کہ اسے زارا پریشانی کے عالم میں نظر آئی وہ بے اختیار ہو کر اس کی جانب چل دیا۔

”یہ اس طرف کیوں آرہے ہیں؟“ اسے اپنی طرف

بڑھتا ہوا دیکھ کر زارا کا دل دھک سے رہ گیا۔

”آپ یہاں اتنی بارش میں چلیں میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔“ ابراہیم نے شستہ انداز میں زارا کو آفر دی۔

”میں شکر میں خود ہی چلی جاؤں گی۔“ وہ ایک دم منہ بگاڑ کر بولی تو اسے غصہ آ گیا۔

”آپ ایک بات بتائیں گی؟“ ابراہیم نے بارش سے بچنے کے لیے درخت کے نیچے اس کے قریب پناہ لیتے ہوئے ضدی انداز میں پوچھا۔

”میں آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔“ وہ غصہ سے بولی۔

”جواب دینے میں بھلا کیا حرج ہے۔“ اسے بھی غصہ آ گیا۔

”آپ ابی وقت یہاں سے چلے جائیں۔“ زارا نے ہمت کر کے رخ لہجے میں اسے اپنے پاس سے ہٹانا چاہا۔

”آخر آپ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟“ وہ اس کی طرف دھمک کر زچ ہوتے ہوئے بولا۔

”مجھے بھلا کسی سے نفرت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ زارا ہلکے دوپٹے کو سر پر جماتے اس بات پر بری طرح جھنجھلا گئی۔

”اچھا تو پھر مجھ سے اتنا کتراتے کیوں ہیں۔“ اس کے زوٹھے پن پر ابراہیم کے لبوں کو سکرا ہٹ چھوئی۔

”اس لیے کہ مجھے آپ کی باتیں پسند نہیں ہیں۔“ زارا نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”لیکن میں تو آپ سے بات ہی نہیں کرتا۔“ ابراہیم نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہا تو زارا شپٹا کر رہ گئی۔

”آپ سب باتوں کو چھوڑیں اور یہ سمجھ لیں کہ آپ جو کچھ چاہتے ہیں وہ ممکن نہیں۔“ زارا نے اپنی نگاہیں نیچی کر کے آہستہ سے جتا دیا۔

”کیوں ممکن نہیں ہے یہی تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔“ اب جبکہ وہ دل کی حالت جان رہی تھی تو

ابراہیم نے بے قراری سے پوچھ لیا۔
 ”اس لیے کہ میں ایک غیرت مند باپ کی بیٹی ہوں اور میں ان کی اجازت سے یہاں صرف پڑھنے آئی ہوں“
 عشق لڑانے نہیں۔ میرا آپ کو یہی مشورہ ہے کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔“ زارا اس کے ماتھے پر بینی لکیروں کی پروا کیے بغیر نہ جانے کیسا تائب کچھ کہہ گئی۔
 ”میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا۔“ اس کے انداز پر ابراہیم کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔
 ”مجھے بھول جائیں میری زندگی کا مقصد کچھ اور ہے۔“ زارا کو اس پر ترس آنے لگا اپنی مجبوری بھی بتانا چاہی۔
 ”زارا آپ کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی مشکل لگتا ہے۔“ ابراہیم نے جذباتی ہوتے ہوئے اپنے دل کی حالت عیاں کر دی۔
 ”مجھے کچھ نہیں سننا۔“ وہ ایک دم تپ کر آنکھیں دکھانے لگی۔
 ”زارا میں زور زبردستی کا قائل نہیں مگر ایک التجا کرتا ہوں کہ میری چاہت کو قبول کر لیں میں تو بس آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس کا انداز التجائیہ ہوا۔
 ”یہ ممکن نہیں ہے۔“ جذبول کی سچائی چہرے سے ظاہر تھی ایک لمحے کے لیے زارا بھی ڈر گئی لیکن اس کے سامنے باپ کا چہرہ آگیا تو دل پر قابو پاتے ہوئے فوراً انکار کر دیا۔
 ”آپ کی ایک ہاں پر میری خوشیوں کا دار و مدار ہے پلیز اپنی جلدی جواب نہ دیں..... سوچنے کا وقت لے لیں۔“ زبردستی بوندوں میں اس کے لہجے میں دکھ برسنے لگا۔
 ”میرا ہمیشہ ایک ہی جواب رہے گا مجھے شادی نہیں کرنی۔“ وہ بے خوبی سے کمرے انداز میں بوٹی یہ دیکھیں بنا کے ابراہیم پر کیا بیت گئی وہ ہر جھکائے جوتے سے زمین کریدنے لگا۔
 ”اور ہاں ایک بات اور پلیز اس طرح بار بار میرا رستہ

روکنا چھوڑ دیں۔ میں بدنام ہوگئی تو جی نہیں سکوں گی۔“
 اس نے ابراہیم کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے درد مندی سے کہا۔
 ”آئی پراس آئندہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ زارا کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر اسے اپنے جذبول پر شرمندگی ہوئی۔
 ”کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کر دینا۔“ ایک ٹھنڈی سانس لے کر زارا کی حسین صورت کی طرف دیکھا اور ایک دم سے لگاؤں پھیر لیں۔
 ”سوئٹس آف یو۔ اب میں چلتی ہوں۔“ زارا نے قدم آگے کی جانب بڑھائے۔ اس کے گالوں پر پھسلتے ہوئے بارش کے قطرے اور سرمئی آنکھوں پر سایہ فگن ٹھنڈی پگھلیں ابراہیم کے دل کی دنیا کو ڈاؤنڈول کیے دے رہے تھے۔
 ”بس اب نہیں۔“ دل اسے دیکھنے کے لیے تڑپا مگر ابراہیم نے زارا کے چہرے پر دوسری نگاہ نہیں ڈالی کہ کہیں خود سے کیا ہوا عہد نہ ٹوٹ جائے۔ ان دونوں کے درمیان ہونے والی یہ آخری بات اس کے دل پر نقش ہو کر رہ گئی تھی۔
 اب اتنے سالوں بعد جب زارا اس کی پڑوسن بن کر ملی تو اسے لگا کہ شاید کچھ اچھا ہونے جا رہا ہے تب ہی تو قدرت نے ان دونوں کو ایک بار پھر ملوایا ہے ابراہیم نے سرشاری سے بازو باہر نکال کر برقی بارش کے قطرے کو کسی میں مقید کرنے کی کوشش کی مگر وہ پھسلتے چلے گئے۔
 (جاری ہے)
 (الحمد للہ مسلسل اشاعت کہہ چالیس سال مکمل)
 ❁

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شیر گلن اپنے کام میں مصروف تھا جب اس کے دوست کی کال آئی تھی۔ وہ عقلین نور سے متعلق تمام معلومات کی بریفنگ دے رہا تھا۔ اس نے بہت توجہ سے سب سنا، کسی اچھے کھاتے بیٹے کھرانے کا لڑکا تھا۔ ماں باپ کافی معقول لوگ تھے پانچ بہن بھائیوں میں صرف عقلین نور ہی اسپورٹس کی طرف آیا تھا باقی سب اپنے ذاتی کاروبار سے منسلک تھے سب بہن بھائیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں ایک صرف عقلین ہی غیر شادی شدہ تھا تعلیم واجبی ہی تھی۔

وہ سوئمنگ اور رائڈنگ کے کئی مقابلے جیت چکا تھا اچھی کارکردگی ہونے کے باعث وہ انٹرنیشنل لیول پر بھی کھیل چکا تھا وہ بہت اچھا سوئمر اور رائڈر تھا۔ اس کی دلچسپیوں سے متعلق بھی گلن کو کافی کچھ سننے کو ملا تھا۔ اچھی شکل و صورت کی بدولت وہ لڑکیوں میں کافی مقبول تھا بہت سی لڑکیوں سے اس کی دوستیاں بھی تھیں اس کے علاوہ بھی اس کے کئی اور مشاغل تھے جن کے بارے میں گلن کو بہت تفصیل سے سب بتایا گیا تھا۔ دوست کی کال کے بعد گلن نے شہرینہ کے نمبر پر کال کی۔

شہرینہ کا نمبر آف تھا کل کے بعد اس کی شہرینہ سے دوبارہ بات نہ ہوئی تھی وہ اپنی روشنی میں اس قدر بڑی رہا تھا کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں بچا تھا کہ وہ دوبارہ شہرینہ سے رابطہ کرے لیکن اب نمبر آف تھا۔ کچھ سوچ بچار کے بعد گلن نے دارالاطفال کے اخذ کو کال کی۔ ان سے بات کرتے حال چال دریافت کرنے کے بعد اس نے شہرینہ کے بارے میں پوچھا۔

”اس کا نمبر آف ہے میں نے سوچا کہ آپ سے ہی اس کا حال احوال پوچھ لوں۔“

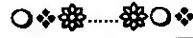
”ہم لوگ تو وہاں رہے ہیں۔“ سربراہ نے بتایا۔

”کیا آپ شہرینہ سے میری بات کر سکتے ہیں یا پھر

اسے کہیں کہ اپنا نمبر آن کرے میں کال کرتا ہوں۔“ گلن

نے کہا۔ (اب آگے پڑھیے)

شہرینہ دارالاطفال کے بچوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے روانہ ہو جاتی ہے اور اپنی سم بھی آف کر دیتی ہے وہ عثمان اور فائقہ دونوں سے ناراض ہوتی ہے اس لیے وہ اپنے پروگرام سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کرتی۔ دوسری طرف گلن گھر کی ملازمہ کنون کرتا شہرینہ کے حوالے سے پوچھتا ہے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتی اسے شہرینہ کی بدتمیزی کا بتاتی پریشان کر جاتی ہے گلن فوراً ہی شہرینہ کے موبائل پر رابطہ کرتا ہے لیکن دوسری طرف اس کا نمبر بند ہوتا ہے وہ مزید پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مری آنے کے بعد شہرینہ دوسری سم آن کرتی ہے اور اس کا نمبر دارالاطفال والوں کو لوٹ کر دیتی ہے شہرینہ بچوں کو لے کر تفریح کے لیے نکل جاتی ہے وہ یہ سب صرف اپنی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ واپس آ کر وہ اپنا نمبر آن کرتی ہے تو گلن کے بے تحاشا میسر ملے ہیں۔ گلن شہرینہ کنون کرتا اسے اپنی باتوں سے ضد دلاتا ہے جس پر شہرینہ بھی بد تمیزی کا مظاہرہ کر جاتی ہے شیر گلن اسے فائقہ کی کال اور پریشانی کا بتا کر اسے کال بیک کرنے کا کہتا ہے شہرینہ غصہ سے سلسلہ منقطع کر دیتی ہے تب انون نمبر سے کال آتی ہے۔ جس پر شہرینہ جھنجھلائی کال ردیو کر لیتی ہے کال کرنے والا اسے وائس اپ بھیجنے کا کہتا حیران کر جاتا ہے شہرینہ وائس اپ موصول ہونے پر ششدر رہ جاتی ہے۔ گلن اسلام آباد آ جاتا ہے اور اپنے دوست کو شہرینہ کا نمبر دے کر لوکیشن ٹریس کرنے کا کہتا ہے کچھ ہی دیر میں شہرینہ کی لوکیشن اسے معلوم ہو جاتی ہے۔ شہرینہ دارالاطفال کے ساتھ واپس اسلام آباد آ رہی ہوتی ہے جب اسے یاد آتا ہے کہ وہ اپنا کیمرہ روم میں بھول گئی ہے وہ اپنا کیمرہ لینے آتی ہے تو وہاں کسی اور کو دیکھ کر چونک جاتی ہے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کے منہ پر کوئی چیز رکھ کر اسے بولنے سے روک دیا جاتا ہے۔



تھی جو اسے قتل ہو رہی تھی۔

”سوری باجہ صاحب آپ کو میری وجہ سے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی، اصل میں مجھے یہاں کچھ دوست مل گئے ہیں جس کی وجہ سے میں اپنا ادائیگی کا پروگرام ملتوی کر رہی ہوں میں اپنے فریئرز کے ساتھ جاری ہوں پلیز آپ لوگ چلیں جا میں میرا ویٹ مت کریں۔“

”اگر کسی نے ہم سے رابطہ کیا تو ہم کیا جواب دیں؟“

”کون رابطہ کرے گا؟“

”آپ کو بتا چکا ہوں ناں کہ آپ کے کزن شیر گلن صاحب مجھ سے رابطے میں ہیں وہ کال کر سکتے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔“

”آپ ان کو کہہ دیجیے گا میں اپنی مرضی سے اپنے فریئرز کے ساتھ جاری ہوں اینڈ ڈیس آل.....“

”اوکے ہائے.....“

”لیکن میڈم.....“ اس کے بعد کال بند ہو گئی تھی۔ یہ دو طرفہ گفتگو گلن کو الجھا رہی تھی۔

گلن نے بارہا کچھ دنوں میں شہرینہ سے بات کی تھی اب تک اس کی آواز کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا موبائل دیکھا اس کے موبائل میں بھی کال ریکارڈنگ کی ایپ تھی اس کی بہت ساری کالز خود بخود ریکارڈ ہو جاتی تھیں بعض کالز کی وہ ریکارڈنگ کینسل کر دیتا تھا اس نے چپک کیا تو افسوس ہوا۔ شہرینہ کی ایک کال بھی ریکارڈ نہ تھی۔ وہ پریشان ہو گیا۔

اس نے اپنا کام سینا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے وقت بھی وہ بارہا شہرینہ کا نمبر ٹرائی کرتا رہا لیکن نمبر مسلسل بند تھا۔ اماں بی اور فائقہ حویلی کے کھلے لان میں موجود تخت پر بیٹھی گپیوں میں مصروف تھیں جب گلن کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی وہ گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے سیدھا لان دونوں کی طرف چلا آیا۔

”السلام علیکم..... آج جلدی آ گئے۔“ اماں بی نے

پوئے کو دیکھا۔

”جی۔“ گلن کی نظریں فائقہ پر تھیں۔

”اب کسی طبیعت ہے؟“

”ہاں اب تو بہت بہتر ہوں۔“

”شہرینہ سے کوئی بات ہوئی آپ کی؟“ گلن نے پوچھا تو فائقہ نے لمبی میں سر ہلایا۔

”نہیں وہ مجھ سے بات ہی کب کرتی ہے۔“ انداز میں افسردگی محفل ہوئی تھی۔

”آج یا کل؟“ وہ ان دونوں کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا۔

”نہیں۔“

”اس کا نمبر بھی بند ہے۔“ گلن نے کہا تو فائقہ خاموش ہو گئی۔

”کچھ دیر پہلے دارالاطفال کے سربراہ صاحب کی کال آئی تھی بتا رہے تھے کہ وہ لوگ واپس آرہے ہیں جبکہ شہرینہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“ فائقہ ایک دم پریشان ہوئی۔ جواباً گلن نے ساری صورت حال بتا دی۔

”ایک تو یہ لڑکی بھی نجمانے کیا چاہتی ہے باپ کے سامنے ایک نہیں چلتی دوسروں کو پریشان کیے رکھتی ہے۔“ فائقہ پریشانی وغصے سے بولیں۔

”کچھ علم ہوا کن دوستوں کے ساتھ ہے؟“

”دارالاطفال والوں کو تو علم نہیں انہوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ان کے ساتھ ٹرپ پر جانے کا پروگرام شہرینہ کا سر اسر ذاتی فیصلہ تھا وہ سارے ٹرپ میں اپنی مرضی سے گھومتی پھرتی رہی ہے ادارے کے قواعد و ضوابط اس پر لاگو نہیں کیے گئے وہ زیادہ تر اپنا موبائل آف ہی رکھتی تھی۔“ اماں بی خاموشی سے ساری بات سن رہی تھی۔

”اللہ خیر کرے گا عثمان کو بتایا تم نے؟“

”نہیں..... ابھی تو کسی سے ذکر نہیں کیا۔“

”تم مجھے وہ وائس ریکارڈنگ سناؤ ذرا۔“ فائقہ نے کہا تو گلن نے اپنا موبائل نکال کر ان کو ریکارڈنگ سنائی۔ چند منٹس کی کال تھی۔ فائقہ نے بغور سنا اور پھر اس نے گلن کو دیکھا۔

شہرینہ میڈم کے دوست ہیں یا پھر وہ ان کو جانتی ہیں ان کلپس میں ہمیں کوئی بھی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دی۔“ دوسرے افسر نے بھی اپنی رائے دی۔ اگلن نے ہونٹ کے میجر کو دیکھا۔

”شہرینہ کے سامنے والے روم میں کون لوگ ٹھہرے ہوئے تھے؟“

”ہمارے پاس ساری ڈیٹیلز کمپیوٹر میں فیڈ ہیں ابھی چیک کرادیے ہیں۔“ میجر اور باقی عملہ مکمل طور پر تعاون کر رہا تھا۔

یہ سب لوگ سویلین کپڑوں میں تھے لیکن ان کی پوزیشن اور عہدوں کو بتانے کے لیے افسران کے دکھائے جانے والے کارڈز کافی تھے۔ کچھ دیر بعد لڑاکا لڑکی کے متعلق سارے کوائف سامنے تھے۔ یہ آسٹریلین نیشنلسٹ ہولڈر کھیل تھا۔

یہ لوگ اسی دن شہرینہ لوگوں کی آمد کے بعد اس ہونٹ میں آئے تھے اور انہوں نے ہونٹ میں کمرہ بک کرایا تھا پہلے ان کو فرسٹ فلوور پر کمرہ دیا گیا تھا لیکن پھر انہوں نے خود ہی کمرہ ان کسٹریٹل کہہ کر کسی اور کمرے میں شفٹ کرنے کو کہا تھا آخر ذیلور خاص طور پر دی آئی پی لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔

دارالاطفال کے تمام ممبرز کے لیے فرسٹ فلوور پر ہی کمرے بک تھے جبکہ شہرینہ نے بطور خاص اپنے لیے آخری فلوور پر کمرہ بک کرایا تھا اس نے اپنے سارے واجبات خود ادا کیے تھے۔ شہرینہ کے سامنے والا کمرہ خالی نہ تھا جو لوگ رکے ہوئے تھے وہ تین افراد تھے میاں بیوی اور ایک چھوٹا بچہ بائے چانس انہوں نے ایک دن پہلے ہی کمرہ چھوڑ دیا تھا اور اس طرح یہ کمرہ ان دونوں میاں بیوی کو دے دیا گیا تھا اور اگلے دن یہ لوگ چلے گئے تھے شجر نے ساری ڈیٹیل بتائی تھی۔ کوائف کمپیوٹر میں فیڈ تھے۔ موبائل نمبر بھی تھا۔

اگلن نے افسران میں سے ایک کو اس نمبر پر کال کرنے کو کہا جیسے ہی نمبر ڈائل کیا دوسری طرف سے نمبر بند تھا۔

”شہرینہ کا بھی نمبر بند ہے اور ان لوگوں کا بھی مجھے صورت حال کچھ کیلئے نہیں لگ رہی۔“ اگلن نے سنجیدگی سے کہا۔ عثمان صاحب نے کال پر ایک بار پھر شہرینہ کے حوالے سے اگلن سے بات کی۔

”یہ سب بہت ہی قابل لوگ ہیں یہ ان معاملات کو ہینڈل کرنا تو جانتے ہیں لیکن کوشش کرنا کہ بات میڈیا تک نہ پہنچے میری سیٹ کنفرم ہے اور میں جلد از جلد واپس پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”جی چچا جان۔“ اگلن وہیں کسی ایک روم میں رک گیا اور باقی لوگ اس لڑکے اور لڑکی کے باقی کوائف کا جائزہ لینے لگے تھے فائقد کی کال آ رہی تھی۔ اگلن نے ان سے بات کی۔

”میری زبیدہ سے بات ہوئی تھی میرا خیال تھا کہ شاید وہ گھر پہنچ گئی ہو لیکن وہ تو وہاں بھی نہیں زبیدہ بتا رہی تھی کہ ہماری غیر موجودگی میں شہرینہ کو روٹنگ نمبرز سے کوئی تنگ کرتا رہا تھا اور پھر اس نے یہ بات تمہیں بھی بتائی تھی۔“

”جی بتایا تھا زبیدہ نے بلکہ ایک دن پہلے خود شہرینہ نے بھی ایک لڑکے کی شکایت کی تھی ٹھیکین فورنام جس کا سوئمنگ پریکٹس کے دوران اس سے ملاقات ہوئی تھی وہیں دونوں کی لڑائی ہوئی اور یہاں مری میں بھی وہ اس سے ملاتھا۔“

”تم پتا کرو ہو سکتا ہے شہرینہ کی گمشدگی اسی لڑکے کی کوئی شرارت نہ ہو۔“

”میں نے اس لڑکے کے متعلق ساری معلومات کرائی ہیں وہ اس وقت بھی یہیں مری میں ہی ہے افسران سے بات کی ہے میں نے اس کو ان لوگوں نے پکڑ لیا ہے لیکن وہ شہرینہ سے مکمل طور پر لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ یہاں مری میں ہی آیا ہوا تھا ایک دن شہرینہ سے سامنا ہوا تو بدتمیزی کر رہا تھا شہرینہ نے مجھے کال کی تھی کہ پولیس میں رپورٹ کراؤں میں چچا جان کی سادھ کی وجہ سے کوئی فوری قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا میں نے اس لڑکے کی انوشی کمیشن کرائی تھی لیکن شہرینہ اس کے ساتھ ہوگی مجھے اس کے

”تھینکيو سوچ۔“
”يو ويلکم۔“

بچے بھی اس کے ساتھ تھے لڑکی کے ساتھ موجود لڑکا بھی رک کر دونوں کو دیکھ رہا تھا شہرینہ اسے موبائل تھا کر بچوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔ یہ اس کا اس لڑکی سے پہلا سامنا تھا۔ اس لڑکے اور لڑکی نے اپنے آگے چلتے شہرینہ عثمان کو بغور دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔

”پلان از سسکس“ لڑکی مسکرائی تھی۔ دونوں سامنے نظر آئی ایک دکان کی طرف بڑھ گئے تھے۔

○◆❁.....❁○◆

دروازہ کھلتا تھا بستر پر لیٹے خجف و زار و جود میں حرکت ہوتی تھی۔ آنے والی ملازمہ کے ہاتھ میں کھانے کی ٹری تھی اس کے پیچھے ایک بلند و قامت و جود بھی اندر داخل ہوا تھا۔ آنے والا بستر کے پاس آ کر رکھا تھا بستر پر لیٹا وجود اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ملازمہ ٹیبل پر بڑے رکھ رکھاؤ کی اشارہ پا کر فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔

”کیسی ہیں خالہ جان۔“ آنے والا بستر کے کنارے بیٹھ گیا تھا بستر پر موجود عورت نے از حد نفرت سے اسے دیکھا بھی ایک بار پھر دوا زہ کھلا ایک اور عورت کمرے میں داخل ہوئی۔

خوب صورت ریشمی ساڑھی کا پلو بڑی ادا سے اس نے اپنے کندھے پر پیٹھ کیا ہوا تھا۔ چہرہ بڑی نفاست سے میک اپ سے سجھا ہوا تھا۔ لباس و سجاوٹ نے عمر کو کہیں چھپا دیا تھا۔

”کیسی ہو؟“ آنے والی بستر کے دوسرے کنارے بیٹھ گئی اور ہاتھ تھامنا چاہا۔

”مت آیا کرو یہاں کتنی بار کہہ چکی ہوں تمہیں“
 نفرت ہے مجھے تم سے اور تمہاری اس اولاد سے۔“ بستر پر
 موجود جوڑے آنے والی عورت کا ہاتھ سختی سے پیچھے ہٹایا
 لہجے میں اذہد نفرت تھی اس نے اس نفرت سے عورت اور
 پھر اس مرد کو دیکھا۔

لیکن آئین کی آنکھوں سے نیند کو سوں دور تھی۔ یہاں آئین پر از حد بھاری تھی۔ آئین کے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی اور آئین اس کیفیت پر خرد بھی الجھا ہوا تھا اسے وہ لمحے بدل اور وہ وقت اچھی طرح یاد تھا جب شہرینہ اسے انتہائی ناپسندیدہ ہستی لگتی تھی قابل نفرت اور اب وہ منظر سے غائب تھی اور پیچھے رہ جانے والے سب لوگوں کے لیے باعث تکلیف بنی ہوئی تھی۔

لیکن اس تکلیف میں بھی ایک احساس تھا کہیں سے بھی ڈھونڈ کر نکال لانے کا احساس دعا میں نہیں بے چینی اور فکر مند رہتی تھی۔ اگر وہ خود بھی کہیں کی تھی تو بھی سب کے لیے اس کی موجودہ گمشدگی باعث تکلیف تھی اُن موبائل پر سارا وقت مختلف لوگوں سے رابطے کرتا رہا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے رات کی کالی سیاہی بدھ پڑنے لگی وہ بے ہی انگن کے دل میں موجود احساسات میں عجیب سی کڑکشی پیدا ہونا شروع ہوئی تھی۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

وہ بال روڈ پر محسوس رہی تھی بچے اس کے ساتھ تھے جب اچانک اس کے سامنے چلتے ہوئے پھل میں سے لڑکی جو کچھ دیر قبل فون پر بات کر رہی تھی بات کرنے کے بعد چلتے ہوئے بے دھیانی میں موبائل اپنے بیگ میں ڈالنا تھا جو اس کے بیگ میں جانے کی بجائے نیچے گر گیا تھا۔ لڑکی کو پتا نہیں چلا تھا لیکن شہرینہ کی نظریں اس پر جمیں سو اس نے موبائل گرتے دیکھ لیا تھا اس نے جھک کر موبائل اٹھا لیا تھا۔

”ہیلو.....کسن“ ہیلو۔“ شہرینہ نے اسے پکارا لیکن لڑکی نہیں رکی تھی شہرینہ جھاگ کر چند قدم کے فاصلے کو ایک جست میں تاب کس لڑکی کے سامنے رکھی تھی۔
 ”ایکسیوڑی۔“ لڑکی فوراً رگ گئی تھی۔ اس نے موبائل آگے کر دیا تھا۔

”اودھ“ اس لڑکی نے موبائل دیکھ کر ایک دم شہرینہ کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔
 ”یہ موبائل۔“

”میرے ساتھ ہی ہے۔“

”ہم یہاں ٹور کے لیے آئے تھے ادھر مری میں ہی کچھ رشتہ دار ہیں لیکن ہم یہاں ہوں میں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔“ وہ خود ہی بتانے لگی تھی شہرینہ کے ساتھ کھڑے بیچ اکٹارے تھے۔

”ٹائس ٹو میٹ ہو“ شہرینہ نے بچوں کو دیکھا تو اس نے مسکرا کر کہا تھا وہ کہہ کر جانے لگی تھی۔

”ایک منٹ پلیز۔“ لڑکی نے کہا تو شہرینہ رک گئی تھی۔

”میرے بزمینڈ ایک کام سے کہیں نکلے ہوئے ہیں
میں بلور ہو رہی تھی سو جاہا ہر کا ہی چکر لگا لوں کیا آپ مجھے
کہانی دے سکتی ہیں۔“ اس نے پوچھا تھا۔ شہرینہ نے
اسے دیکھا اور پھر بچوں کو۔
”اوکے۔“

○◆❁.....❁◆○

”آپ دو منٹ ویٹ کریں میں بچوں کو ان کے روم میں چھوڑ کر آتی ہوں۔“

“اولاً؟”

”وائے ناٹ۔“ وہ بچوں کو ان کے روم میں چھوڑنے چلی گئی تھی۔

”اسکول ٹرپ ہے کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”ہیں یہ Orphan بچوں کا ایک ادارہ ہے میں اکثر ان کے ساتھ آتی جاتی ہوں تو ابھی بھی ان کے ساتھ ہی آتی تھی۔“

”ہم۔“ دونوں ساتھ چلتی مال روڈ پر کافی دور تک نکل آئی تھیں۔ دونوں نے بہت سی باتیں کی تھیں۔

اس ملاقات میں دونوں کی دوستی ہو گئی تھی وہ دونوں اس کے بعد ہوٹل میں بھی ملتی رہی تھیں۔ اس نے یہ بات کسی سے بھی نہیں کہی تھی۔ پھر موسم خراب ہونے کی وجہ سے رستے بند ہو گئے تھے اور باقی سارا وقت وہ اپنے کمرے میں بند رہی تھی اور جب رستے کھلے تو وہ سب کے ساتھ میں بند رہی تھی اور کسی کی تیاری کرنے کی تھی۔ سب گاڑی میں بیٹھ رہے

حسن آرا کسی لڑکی کو اپنے کاروبار کی بلیکس سمجھا رہی تھی جب ان کا موبائل بجنا تھا بیٹی کا نام دیکھ کر لڑکی کو جانے کا اشارہ کرتے اس نے فوراً کال پک کی۔
”ہیلو۔“

”ہیلو مام..... ریعلی شی از سو پرئی“ آئی میٹ ہر ریعلی
آئی ایم ایپریسڈ۔“

”کام کی بات کرو فضول ہانکنے کی ضرورت نہیں۔“
حسن آراء نے سنجیدگی سے کہا۔

”جمال کہاں ہے؟“ وہ بھی فوراً سنجیدہ ہوئی۔
 ”وہ فارغ نہیں ہے۔“ حسن آرا کی سنجیدگی اسی طرح

”میں نے کہا۔“

”بس ویسے ہی موسم ابھی بہتر ہوا ہے رستے کھینچتے تو
 باجوہ صاحب نے فوراً واپسی کا پروگرام طے کر لیا تھا۔“
 ”یہ کیا بات ہوئی میں تو تمہیں نہیں جانے دوں
 گی ابھی تو ہماری دوستی بھی ٹھیک سے نہیں ہوئی۔“
 سحر کہہ رہی تھی۔

”کوئی بات نہیں خبر دے دیتی ہوں کال کر لینا۔“
 ”ایسے کیسے میں نے تو اپنے گھروالوں کو کال کی
 تھی تمہارے بارے میں بتایا تھا وہ سب تم سے ملنے کو
 اس قدر ا یکساںڈ ہیں میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں
 ساتھ لاؤں گی۔“

”مجھ سے بھلا وہ کیوں اور میں تمہارے ساتھ بھلا
 کیوں جاؤں گی۔“ وہ حیران ہوئی تھی محض سلام دعائیں کوئی
 کسی کے گھر تو نہیں چلا جاتا عجیب لڑکی تھی۔

”میں نے تمہاری تعریفیں ہی اتنی کی ہیں۔“
 ”لیکن میں تو واپس جا رہی ہوں اور میں تمہارے
 بارے میں بہت اچھی طرح جانتی بھی نہیں۔“
 ”اُسے میں جانے دوں گی تو تم جاؤ گی پلیز مان جاؤ
 ناں پلیز میری فیملی تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی
 سگلی..... پلیز۔“

”لیکن یار ایسے کیسے مان جاؤں۔“
 ”آپ ہی اسے کہیں ناں۔“ وہ اپنے ہرینڈ کو بولی تھی
 جوا تنی دیر سے خاموش تھا۔
 ”پلیز آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ ہمیں بہت
 خوشی ہوگی۔“
 ”لیکن ہم لوگ تو ٹکٹنے والے ہیں سواری۔“
 ”آپ ان کو منع کر دیں ہم خوف آپ کو سلام باد چھوڑ کر
 آئیں گے۔“

”پلیز شہرینہ مان جاؤ ناں۔“ سحر بھی بھڑکتی۔
 ”اور شہرینہ نے اسے دیکھا تھا پتا نہیں کیوں اس کا دل
 اس کے دماغ کے مخالف ہوا تھا۔

”ہم خود چھوڑ کر آئیں گے میں اور میرے ہرینڈ
 تمہیں ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلنے کی آفر کرنے ہی

تھے وہ بھی سامان لے کر گاڑی میں آگئی تھی۔ اس نے اپنا
 سامان رکھا جب اچانک یاد آیا کہ وہ اپنا کیمرو کمرے میں
 بھول آئی ہے۔ کمرے کی چابی ہائے چائس اس کے پاس
 ہی تھی وہ اندر آئی تو ریمپشن پر باجوہ صاحب کھڑے تھے
 وہ تمام وجوہات کھینچ کر رہے تھے وہ ان کو نظر انداز کیے تیزی
 سے اوپر اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ اس نے کمرہ ان
 لاک کیا اور جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی اجنبی شخص کو
 دیکھ کر چونکی تھی۔

”تم.....؟“ اور اس سے پہلے کچھ اور کہتی اس نے فوراً
 اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ سحر اس کے چیختے پر ایک دم گھبرا
 گئی تھی اس نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔
 ”آہستہ مرواؤ گی کیا؟“ سحر کے ہاتھ میں ٹھٹھا جو اس
 کے منہ پر تھا۔

وہ آہستہ سے بولی تھی اس کے ساتھ اس کا ہرینڈ بھی
 تھا اس کے ہاتھ میں شہرینہ کا کیمرو تھا۔ اس نے سحر کا ہاتھ
 پیچھے ہٹایا ٹھونچ کر گیا تھا۔
 ”تم ادھر کیا کر رہی ہو..... دروازہ تو لاک تھا ناں؟“
 وہ حیران ہوئی اس نے مسکراتے ہوئے اپنے ہرینڈ کو
 دیکھا تھا۔

”وہ میں تمہارے کمرے میں آئی تھی تم واش روم میں
 تھی میرے ہرینڈ میرے ساتھ تھے میں اور وہ ادھر
 بالکونی کی طرف کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے لگے بھی تم واش
 روم سے نکلی تھی ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی کہ تم اپنا سامان لے
 کر نکل گئی چونکہ تو تب جب تم نے دروازہ لاک کیا تھا
 میں نے اور انہوں نے کئی بار ناگ کیا تھا لیکن کوئی بھی ادھر
 نہیں آ رہا تھا تب دروازہ کھلنے کی آواز پر ہم دھواڑے کے
 پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔“

”تو..... تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔“ اس نے اپنا
 سانس بحال کیا تھا۔

”تم کہاں جا رہی ہو سامان بھی نہیں۔“

”ہم واپس جا رہے تھے۔“

”تم نے بتایا ہی نہیں۔“ سحر فوراً سنجیدہ ہو گئی تھی۔

محنت کے مختلف رنگوں سے مزین دوستی وفا غلافی اور بے وفائی کا حسین استرجاع

خاندانی عظمت و وقار کی آڑ میں جذبات کو مجسروح کرتی داستان

کھوینے کے غم اور پالینے کی خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی

کی زحمت اٹھانا پڑی اصل میں مجھے یہاں کچھ دوست مل گئے ہیں جس کی وجہ سے میں اپنا ادائیگی کا پروگرام ملتوی کر رہی ہوں۔ میں اپنے فریڈز کے ساتھ جاری ہوں پلیز آپ لوگ واپس چلے جائیں میرا ویٹ مت کریں۔ ”وہ ہوبہواس کے انداز کو کاپی کرنے کی کوشش کر رہی تھی وہ ہنس دی تھی۔

”کون رابطہ کرے گا۔“ شہرینہ نے اسے بس بات کرتے دیکھا تھا۔

”اوہ اچھا۔“

”آپ ان کو کہہ دیجیے گا میں اپنی مرضی سے اپنے فریڈز کے ساتھ جاری ہوں اینڈ ڈیش آل اوکے ہائے۔“ اس نے کال کاٹ کر فاطمہ آنظروں سے شہرینہ کو دیکھا جو ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”دیکھا میں نے ٹھیک بات کی ہے ناں۔“

”ہاں بالکل۔“ وہ ہنس دی تھی۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سب جھٹ فارا بجائے منٹ ہے اور وہ ہمیشہ ایسی باتوں کو انجائے کرتی تھی۔

”لاؤ اب میں سر باجوہ صاحب کو کال کر لوں اچھی طرح سمجھا دیتی ہوں۔“

”اے رہنے دو میں نے کہہ دیا ہے۔“ اس نے اس کا موبائل پیچھے کر لیا تھا۔

اس کے بعد کال آئی تو اس نے کال دی تھی۔ کچھ دیر بعد پھر کال آئی تو سحر نے نمبر آف کر دیا تھا شہرینہ کو عجیب سا لگا تھا۔

آئے تھے لیکن تم نے ہمیں دیکھا ہی نہیں دروازہ لاک کر کے نکل گئی پلیز ہمیں بہت اچھا لگے گا پلیز۔“ اس نے شہرینہ کا ہاتھ تھام لیا تھا اور شہرینہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔

”اوکے۔“ اس نے ایک لمبے کو کچھ سوچا تھا۔

اس گھر میں واپس جانے کا اس کا دل نہیں تھا لیکن وہ بہت زیادہ دین منظر سے غائب بھی ہو سکتی تھی اب اگر اسے موقع مل رہا تھا تو کیا حرج تھا۔ اس نے منکر اکرا سے دیکھا۔

”میں باجوہ صاحب کو بتا دیتی ہوں اور اپنا سامان بھی لے لیتی ہوں۔“ اس نے کہا تو دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

”اے سامان کو چھوڑو ہمارے گھر جا کر تھیں قطعی پریشانی نہیں ہوگی۔“

”لیکن میرا ایک۔“ اس نے کہنا چاہا۔

”وہ یہ جا کر خود لے آتے ہیں بلکہ یہ کی بھی دے دو یہ دروازہ لاک کر کے دے آتے ہیں تم ہمارے ساتھ ہمارے کمرے میں آ جاؤ۔“ اس نے سر ہلایا تھا وہ ان کے کمرے میں آ گئی تھی اس کا ہنر بینڈ کیمرہ دے کر چابی لے کر نیچے چلا گیا تھا بھی اس کے نمبر پر باجوہ صاحب کی کال آ گئی تھی۔

”کون ہے۔“

”باجوہ صاحب۔“

”لائیں میں بات کروں۔“ وہ کہہ رہی تھی شہرینہ نے

باتونی لڑکی تھی اس کا ہر بینڈ اگلی سیٹ پر ڈرائیو کے ساتھ تھا۔ پچھلی سیٹ پر سحر اور شہرینہ بیٹھی تھیں۔ یونی بائیں کرتے ہوئے شہرینہ کو نیندا نا شروع ہو گئی تھی۔ وہ حیران ہوئی سفر کے دوران سونا اس کی عادت نا تھی جس قدر بھی ممکن ہو وہ سفر میں کبھی نہیں سوتی تھی۔ اس نے خود کو سحر کی باتوں میں الجھائے رکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ دیر بعد وہ عمل طور پر سو چکی تھی سحر نے اسے سوتے دیکھا۔

”شہرینہ..... شہرینہ.....!“ اس نے اس کا کندھا ہلا کر دو تین بار پکارا لیکن شہرینہ کوئی گہری نیند میں تھی۔ ”یہ واقعی سو چکی ہے۔“ اس نے اپنے ہر بینڈ کو بتایا تھا۔

”مکل خان! جلدی گاڑی چلاؤ ہمیں ابھی آدھے گھنٹے میں اسلام آباد پہنچنا ہے۔“ اس کے ہر بینڈ نے ڈرائیو کو کہا تھا۔

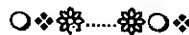
”جی صاحب۔“ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔ ”اس پر دھیان رکھنا یہ اب کم از کم تین چار گھنٹے سوتے گی تم نے ٹشو میں دوا کی مقدار ٹھیک استعمال کی تھی یہ نا ہو یہ کچھ دیر بعد اٹھ کر ہمارے لیے مسئلہ بن جائے۔“ وہ اب اپنی بیوی سے مخاطب تھا۔

”میں اس معاملے میں قطعی رسک نہیں لے سکتی تھی جیسا کہا تھا ویسے ہی کیا ہے میں نے۔“

”وہی بہت اسٹرونگ ہے یہ لڑکی میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں ہوٹل میں ہی نہ سو جائے یہ نہ ہوا سے وہاں سے نکالنا ہی مسئلہ بن جائے۔“

”مجھے ماما کی سب انسٹرکشنز اچھی طرح یاد تھیں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے غلطی کیسے کر سکتی میں بھائی نے ابھی طرح بتایا تھا کہ کتنی دیر بعد میڈیسن کا اثر ہوگا۔“

”اب اس پر نگاہ رکھنا جلد از جلد ہمیں اسلام آباد پہنچنا ہے۔“ سحر نے سر ہلایا تھا۔ ان کا پلان بی بھی کامیاب تھا دونوں بے حد خوش تھے۔



لیکن نے وہ ساری رات آنکھوں میں گزاری تھی۔ صبح کی سپیدی نے اس کے دل کے احساسات میں عجیب سے انداز میں اثر کیا تھا۔ شہرینہ کی طرف سے ابھی تک کوئی خیریت کی خبر نہ مل سکی تھی۔

”آپ لوگ کیا کر رہے ہیں ایک دن اور رات گزر چکی ہے اور لڑکی کا کوئی اتنا ہاتھیں اگر شہرینہ کا علم نہ ہو سکا تو تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ کچھ جانا کیا کر سکتے ہیں۔“ وہ شدید غم و غصے کی کیفیت میں تھا۔

”ہم اپنی سی ساری کوشش کر رہے ہیں کچھ وقت تو لگے گا۔“

”کچھ بھی کر دیجئے اگلے دو گھنٹوں میں پازٹیو رپورٹ ملنی چاہیے۔“ وہ غصے سے کہہ کر ان کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

اس نے وہ کمرہ دیکھا جس میں شہرینہ ٹھہری ہوئی تھی اس نے وہ کمرہ بھی دیکھا جس میں وہ لڑکا اور لڑکی ٹھہرے ہوئے تھے۔ انتظامیہ نے بتایا تھا وہ بہت زیادہ سامان نہیں لائے تھے ایک بڑے سائز والا شوڈر بیگ تھا اور بس اور جب وہ شہرینہ کے ساتھ وہاں سے گئے تھے ویڈیو کلیپس میں وہ بیگ لڑکے کے کندھے پر جمول رہا تھا۔ فالتھ کی مسلسل کانٹا پر کانٹا رہی تھیں وہ بہت زیادہ پریشان تھیں۔ ”کچھ تو کلیڈ ملا ہوگا لیکن۔“ اب پھر کال آئی تو انہوں نے پوچھا۔

”پہلی جان جو کچھ پتا چلا بتا دیا ہے جو کم ہو جائے اسے تلاش کرنا تو آسان ہوتا ہے لیکن جو اپنی مرضی سے کہیں چلا جائے اسے بھلا کیسے ڈھونڈیں میں سب کام چھوڑ چھاڑ کر ادھر ہوں! اتھ رہا تھا دھڑے نہیں بیٹھے ہوئے ہم لوگ! اپنی سی ساری کوشش کر رہے ہیں۔“ دوسری طرف موجود فالتھ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھ سے اب زیادہ انتظار نہیں ہو رہا میں واپس اسلام آباد آ رہی ہوں۔“ انہوں نے قسمی انداز میں کہا۔

”جیسے آپ کی مرضی ویسے ملاں بی ٹھیک ہیں ناں؟“ ”مسکسل پریشان ہیں جائے نماز پر ہی زیادہ تر وقت

aanchalpk.com

مغربی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ



مغربی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

لفظی لفظی نگار سے منظرِ تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جن سے قبل آپ نے نہیں دیکھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آدوی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیب زریں نسر کے قلم سے ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس دیس کی شاہکار کہانیاں

السن کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور مقدمات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوقِ انجمن کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

”آسٹریلیا مطلب.....“ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے ساتھ بہت کچھ غلط ہو چکا ہے۔ وہ اب مکمل طور پر حواسوں میں نہیں ایک دم غصے سے بولی۔

”مطلب و مطلب سب سمجھا دوں گی تم بتاؤ کیا کھاؤ پیو گی۔“

”مجھے یہاں کیوں لانے ہوا اور کون ہو تم لوگ؟“

”بتا تو رہی ہوں کچھ دیر انتظار کرو پھر سب پتا چل جائے گا فی الحال یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی۔“

”شٹ اپ“ تم شاید جانتی نہیں ہو میں کون ہوں۔“
افشین مسکرائی۔

”میں سب جانتی ہوں تم عثمان فاروق صاحب کی صاحب زادی ہو ہائی فائی کی پیکل بیک گراؤٹر رکھنے والے خاندان کی لڑکی ہو تم کیا کرتی ہو تمہارا خاندان کون ہے تم کون ہو ایک ایک بات بتا سکتی ہوں۔“ شہرینہ نے اسے بہت زیادہ تنبیہ کی۔

وہ پہلی بار انتہائی جذباتیت میں ایک غلط فیصلہ کر چکی تھی اور یقیناً اس کا خمیازہ اسے بہت سنگین نتائج کی صورت میں بھگتنا تھا اور اس نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر پُر سکون کرنا تھا اپنی غلطی کو کیسے کر کرنا تھا اسے اب اس بارے میں سوچنا تھا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“

”افشین۔“

”سحر سے کیا رشتہ ہے تمہارا؟“

”چھوٹی بہن ہے میری۔“

”مجھے یہاں لانے کا مقصد؟“

”تم کزن ہو ہماری۔ سچی تم سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی تو سوچا مل ہی لیں تمہارے وہ ہائی فائی اسٹینڈس رکھنے والے فادر صاحب نے یقیناً تمہیں کچھ نہیں بتایا ہوگا تو سوچا کیوں نہ ہم بھی کوئی پیش رفت کرتے ہوئے تم سے شرف ملاقات حاصل کریں۔“ وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔

”کزن.....! کس حوالے سے؟“

”حوالہ بھی بہت جلد بتا دیں گے فی الحال میں کچھ

”ہے بالکل ہے۔ دو ہزار اڑس ہزار سے ساٹھ ہزار روپے تک کے نہایت شاندار موبائل فون ہیں میری شاپ پر۔“ فحشی نے فوراً جواب دیا۔

”بس تو مجھے ایک شاندار موبائل لادو چالیس ہزار تک کا۔ ابندائیں نے کر دی ہے اب دیکھنا برکت ہو جائے گی اور خوب سیل ہوگی تمہاری۔“

”میری سیل ہوگی؟ میں تو پہلے ہی بک چکا ہوں۔“ فحشی نے مسکرا کر کہا تو وہ فحش کر پڑی۔

”تم تابیاب ہو تمہیں کون خریدے گا اس دور مہنگائی میں؟“

”بے مول بک گئے ہیں ہم تو۔“
”اچھا تم بیٹھو میں رقم لاتا ہوں۔“ بیاٹھ کر اندر چلی گئی اور چند منٹ بعد اُتی تو ہاتھ میں خاک لٹاؤ تھا جس میں چالیس ہزار روپے تھے۔

”یہ تو تمہاری دکان کی پہلی گاہک پہلی خریدار ہوں میں۔ پورے چالیس ہزار ہیں۔ یہ رقم اپنے دوست کو ادا کر دینا اور موبائل فون مجھے لادینا۔“ وہ لفافہ سے دیتے ہوئے بولی۔
”تین ماہ پہلے تو موبائل خریدا تھا تم نے پھر اب نیا کیوں؟“

”دوست کا اعتبار نہ ٹوٹے اس لیے۔“
”یہ تو قرض سے بڑا احسان ہو جائے گا مجھ پر۔“ وہ بولا۔
”تو وقت پڑنے پر تم یہ احسان اتار دینا۔“
”تمہارا احسان بھی نہیں اتار پاؤں گا میں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بیا کو دیکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔
”کہاں چلے؟“

”قرض اتارنے۔ اس سے پہلے کہ یہ احسان کہیں اور خرچ ہو جائے۔ اعتبار بنانا ضروری ہے۔ آتا ہوں پھر۔“ فحشی نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

”اللہ حافظ۔“ بیا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی جواباً اللہ حافظ کہہ کر چلا گیا۔

بیا کے والد کا چار سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ والدین کی

”ہمارا تو وہ حال ہے کہ کھولیں دکان کفن کی تو لوگ مرنا چھوڑ دیں۔“ فحشی نے منہ بسور کر تہہ شدہ اخبار میز پر پھینکتے ہوئے کہا اور لاگ چیز پر بیا کے سامنے بیٹھ گیا۔ گندمی رنگت والا اونچا لمبا خور و شجاع حیدر جسے یار دوست بھی کہا کرتے تھے۔ اسے یہ نام بھی بیانے دیا تھا۔ اس کا این سی اے کے زمانے کا دوست تھا۔ یہ دوستی اتنی گہری اور اونچی تھی کہ سب کو حیرت ہوا کرتی تھی۔ بیا کبھی پریشان ہوتی تو شجاع اس کی پریشانی دور کر دیتا۔ اگر وہ کسی الجھن میں ہوتا تو بیا اسے اس الجھن سے نکالنے کے لیے ہر وقت تیار ملتی۔ بیانے این سی اے سے ڈریس ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کی ڈگری لی اور شجاع نے ریاضی میں ماسٹر کیا تھا۔ دونوں کے شیعہ اور شوق بہت مختلف تھے۔ مگر پھر بھی مزاج میں ایسی ہم آہنگی تھی کہ شوق کا الگ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

”کیوں کیا ہوا چہرے پر بارہ کیوں بچ رہے ہیں؟“ بیا نے اپنا ڈیزائن مکمل کرتے ہوئے پوچھا۔
”ریاضی میں ماسٹر کر کے الیکٹرونکس کی دکان کھول کے بیٹھ گئے ہیں ہم۔ ادھار پر سامان لیا تھا سو چاہیے ہوگی تو ادھار چکا دلوانا مگر یہاں تو تیل نکل گیا ہمارا۔ سیل تو کیا ہوگی؟“ فحشی نے ہنسنے لہجے میں بتایا۔

”سر دیاں ہیں ناں فریج“ اے سی اور پٹکھوں کی تو ضرورت ہے نہیں لوگوں کو ابھی۔“ بیانے کہا۔

”ارے تو باقی سامان تو ہے ناں فی دی ڈیک موبائل فون“ فوڈ فیکٹری۔ صبح سے رات ہو جاتی ہے چار دن سے ایک چیز نہیں بکی۔ دو دن بعد مجھے ایک دوست کا قرض بھی چکانا ہے۔ نہ واپس کر سکا تو اعتبار اٹھ جائے گا اس کا مجھ سے بھی اور دوست سے بھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟“ فحشی نے پریشانی کی وجہ بتاتے ہوئے اسے دیکھا۔

”دوست کو کتنا چکانا ہے کہ اعتبار قائم رہے؟“
”چالیس ہزار۔“

”اچھا یہ بتاؤ تمہاری دکان میں سب سے اچھا موبائل کون سا ہے کوئی ہے بھی کہ نہیں؟“ بیانے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے کر پوچھا۔

اکلوتی اولاد تھی۔ ماں سلئی بیگم گھریلو خاتون تھیں۔ سات مرے کا مکان ذاتی تھا۔ شوہر کی سرکاری نوکری تھی۔ اس کے واجبات اور کچھ نیا کی ٹیوٹھ سے گھر چل رہا تھا اب تک اور اب بنائے ہوئے ٹیکس کھول لی تھی۔ ساری جمع پونجی ٹیکس کے کام میں لگ گئی تھی۔ آرزو پلٹے تو سامان کی خریداری کے پیسے نہ ہوتے اور اگر ایلڈ انس رقم مل جاتی تو کارگیر خیرے دکھانے لگتے۔ اسے خود بھی کپڑے کا ڈیزائن کرنا اور دینا آتے تھے۔ سلئی بیگم بھی سلائی اور پینٹنگ کا کام دیکھ لیا کرتی تھیں لیکن کام زیادہ ہوتا تو بیکل نہیں کر سکتی تھی۔ سارا کام کارگیر درزیوں کو سمجھانا پڑتا تھا۔ وہ اپنا نام بنانا چاہتی تھی فیشن ڈیزائننگ کی دنیا میں اس کے لیے دن رات محنت کبریٰ تھی جبکہ سلئی بیگم کو اس کی شادی کی فکر ستا رہی تھی۔

”بیابا یہ اپنا شجاع شادی کب کر رہا ہے؟“ سلئی بیگم نے ایک دن اس سے پوچھ لی۔ وہ اس وقت ناشتہ کر رہی تھی۔

”جب تک قرض فری کاروبار شروع نہیں کر دیتا تب تک تو کوئی آثار نظر نہیں آتے اس کی شادی کے۔“ اس نے جواب دیا۔

”کاروبار میں تو قرض لینا ہی پڑتا ہے ہستہ ہستہ رہی جائے گا قرض بھی۔ اسے اب شادی کر لینی چاہیے۔“ سلئی بیگم نے کہا تو وہ جائے گا مگھنٹ بھر کے بولی۔

”امی جو شخص قرضوں میں جکڑا ہو۔ اس سے کون لڑکی شادی کرے گی۔ وہ قرض اتارے گا یا بیوی کے چوتھے پورے کرے گا؟ اور شادی کرنے کے لیے بھی تو پیسہ چاہیے۔“

”ہاں تو وہ ایسی لڑکی سے شادی کر لے جو اس کے کام کی نوعیت کو اس کے حالات کو سمجھتی ہو اور اسے روپے پیسے کی کمی سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ دو وقت کا کھانا تو وہ عزت سے کھلا ہی سکتا ہے نا اپنی بیوی کو۔“

”ہاں کھانا تو سکتا ہے مگر خود بخود کارہ لے گا مگر کبھی اپنی بیوی کو بخود کا نہیں رکھے گا۔“ بیابا نے مسکرا کر کہا۔

”بس تو پھر اسے کب جو گاروہ اور قاضی صاحب کو لے کر آجائے۔ اس جمعہ کو تم دونوں کا نکاح پڑھوادو گی میں۔“

سلئی بیگم نے جھٹ سے کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

”امی.....! کیا کچھ سوچتی رہتی ہیں آپ؟“ بیابا نے جھٹ سے شادی کیوں کرنے لگا؟ دوستی کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ وہ مجھ سے شادی بھی کر لے۔“ بیابا نے تاسف سے لٹی میں سر ہلا کر کہا۔

”دوستی پر کبھی غور کیا ہے تم؟ جان دینے کی حد تک وہ تمہارا ساتھ دیتا آ رہا ہے۔ چار سال سے اس کے ہر ہر انداز میں تمہارے لیے محبت ہے۔ رویے میں تمہارا خیال اور احساس جھٹکا ہے۔ عملاً وہ کسی جاں نثار عاشق کی طرح تمہارے کام کرتا ہے تمہارے من سے نکلی بات جیسے اس کے لیے حکم کا رد چرکتی ہے جب تک وہ پوری نہ کر لے اسے چین نہیں آتا اور تم کب دہری ہو کہ وہ مجھ سے شادی کیوں کرے گا؟“

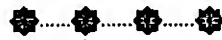
”امی پلیز فکری کے سامنے یہ بات مت کہہ دیجئے گا۔ اس نے تو کبھی اشارہ بھی مجھے ایسا نہیں کیا اور وہ جانتا ہے کہ میری معافی ٹوٹ چکی ہے۔ ابو کے انتقال کے بعد گئے تانے مجھے اپنے گھر کی بھونٹانے سے صرف اس لیے انکار کر دیا تھا کہ ہم انہیں گھر بھر کے جھیر نہیں دے سکتے تھے نہ ہی مستقبل میں انہیں ہم سے کوئی فائدہ پہنچنے کی امید نظر آ رہی تھی سو.....“ وہ خاموش ہو گئی۔

”معافی ان کے لالچ کی وجہ سے ٹوٹی تھی۔ ہمارا تو کوئی قصور نہیں تھا ناں اور شجاع حیدر کو صرف تمہارے پیار بھرے ساتھ کا لالچ ہے تم کیوں نہیں سمجھتیں۔ وہ کہے گا نہیں۔ تم پوچھو گی نہیں تو کیا ساری عمر ای دوستی میں گزارنے کا ارادہ ہے تم دونوں کا؟ کمال ہے بیابا کی نسل بھی عجیب ہے یا تو محبت کی خاطر والدین کی مرضی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے مگر سے بھاگ کر کورٹ میرج تک کر لیتے ہیں یا تم جیسے بھی ہیں کہ پیار تو کرتے ہیں ایک دوسرے سے لیکن اظہار اور اقرار نہیں کرتے۔ ساتھ رہنا چاہتے ہیں مگر ساتھ مانگتے نہیں ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو گنواو گے ایک دوسرے کو اور پھر سوائے دکھاو پچھتاوے کے کچھ نہیں بچے گا دونوں کے پاس۔ احمق کہیں کے اپنے ہی دل کی خبر نہیں ہے دنیا کی کیا خاک خبر رکھو گے تم دونوں۔“ سلئی بیگم نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے ایک دم سے

اسے ڈانٹ بھی دیا۔

”مجھے اپنے دل کی خبر ہے اسی اور تازہ ترین اطلاعات کے مطابق میرے دل کو پیار و محبت کا مرض لاحق نہیں ہوا۔“ بیا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”جلد بازی اور بے دھیانی سے نہیں فرصت اور سنجیدگی سے سوچو جواب وہی ملے گا جو میں نے بتایا ہے۔“ سلمیٰ بیگم نے سنجیدگی سے کہا اور ناشتے کے برتن اٹھا کر بارہی خانے کی طرف چلی گئیں۔ بیا کو اپنے دل کی دھڑکن معمول سے ہٹ کر محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے اس کے دل کا چکر پکڑا گیا ہو اور دھڑکنیں شور مچا کر یہ اعلان کر رہی ہوں کہ ”بیا فرقان تمہیں شجاع حیدر سے پیار ہے۔“



شجاع حیدر حیدر سلطان اور شہینہ بیگم کا اکلوتا سپوت تھا۔ حیدر سلطان کے چھوٹے بھائی اور سلطان تھے۔ دونوں بھائیوں کے نام باپ کی چھوڑی ہوئی زمینیں تھیں۔ مل تھی۔ انور سلطان کی تین بیٹیاں تھیں۔ بیٹا کوئی نہیں تھا اور انہیں یہ لالچ تھا کہ شجاع حیدر جائیداد کا اکلوتا وارث ہوگا اور اسے سب کچھ بھانسی کو کوشش کے پلیٹ میں سچا سچا ہیل جائے گا۔ جب کہ انہیں اپنی بیٹیوں کو ہمیز میں سبھی کچھ دینا پڑے گا۔ گھر کی جائیداد باہر جائے گی ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ انور سلطان کی بیوی نصرت بھی لالچی عورت تھی۔ وہ بھی جیٹھ کی دولت حاصل کرنے کے طریقوں پر غور کرتی رہتی تھی۔ شجاع حیدر کو ان کی بیٹیوں بیٹیوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک اس کی ہم عمر تھی باقی دونوں دو سال کے فرق سے اس سے چھوٹی تھیں۔ چچا کی خواہش کو محسوس کرتے ہوئے شجاع حیدر نے ان کی بیٹی سے شادی کرنے سے پہلے ہی انکار کر دیا تھا۔ جس کا انور سلطان کو بہت قلق تھا۔ انہیں اپنی سکی محسوس ہوتی تھی۔ شجاع حیدر کے انکار سے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے پہلے انہوں نے علیحدہ گھر میں شفٹ ہونے کا مطالبہ کیا۔ حیدر سلطان کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ نہیں رکے اور ایک کینال کے شاندار بنگلے میں منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے دھوکے سے مل کے کاغذات پر دستخط کرالے اور مل اپنے

نام کروالی۔ یہی نہیں حیدر سلطان کے حصے کی زمین بھی بہت ہوشیاری سے اپنے نام کروالی اور انہیں بے دخلی کا ٹوکس بھجوا دیا۔ ٹوکس ملنے اور ساری حقیقت کھلنے پر انہیں شدید صدمہ پہنچا اور دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ حیدر سلطان منوں منی تلے دفن ہو گئے۔ شہینہ بیگم تو جیسے زخمہ درگزر ہو گئیں تھیں۔ شجاع حیدر اگر بہت اور حالات سے مقابلہ نہ کرتا تو وہ بھی جان ہار دیتیں۔ شجاع حیدر کے پاس بینک میں جو رقم موجود تھی وہ ان دونوں ماں بیٹے کے کام آئی۔ شجاع حیدر نے کالج میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی۔ ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لیا اور اپنے ضروری سامان کے ساتھ اس مکان میں شفٹ ہو گیا۔ شہینہ بیگم حالات کی اس ستم ظریفی انہوں کی بے بسی و خود غرضی اور

اکھوتے بیٹے کی دن رات محنت و مشقت پر اندر ہی اندر کڑھا کرتیں۔ بلا خوشی کے انتقال کے دو سال بعد وہ بھی ان کے پاس ملک عدم سدا گئیں۔ شجاع حیدر کی تو دنیا ہی دیران ہو گئی تھی۔ ایسے میں اگر بیا نہ ملتی تو وہ شاید زندگی سے ہاپوس ہو جاتا۔ بیا کو اس کے والد کے انتقال پر شجاع حیدر کی سلی دلاسا سے یہ غم سننے میں مددگار ثابت ہوا تھا۔ اس روز مشترک نے ان دونوں کے رشتے کو اور زیادہ گہرا و مضبوط اور بے غرض بنا دیا تھا۔ سلمیٰ بیگم کی خواہش تھی کہ وہ بیا کی شادی کا فریضہ جلد از جلد ادا کر دیں اور اس کے لیے انہیں شجاع حیدر بہت موزوں محسوس ہوتا تھا۔ لیکن وہ دونوں اتنے اچھے اور گہرے دوست ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو کسی شریک زندگی کی نظر سے نہ دیکھ سکے تھے۔ یا اگر ایسا کچھ تھا تو دونوں کے دل کی تہوں میں چھپا ہوا تھا جسے وہ سب سے چھپانا چاہتے تھے۔ خوراپنے آپ سے بھی بچانے کیوں؟



بیا کا کہنا درست ثابت ہوا تھا۔ شجاع حیدر کی دکان چل پڑی تھی۔ بیا نے اسے جو چالیس ہزار روپے موبائل فون خریدنے کے لیے دیئے تھے۔ وہ واقعی مبارک ثابت ہوئے تھے۔ شجاع حیدر کا سارا قرض اتر گیا تھا۔ دکان اور مکان کا کرایہ دکان سے ہونے والی آمدن سے ادا کرنے کے بعد اس

کے پاس بمشکل ضروریات زندگی پورا کرنے کے لیے رقم بچ
پائی تھی۔ وہ کیشی ڈالنے کا سوچ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے
ریاضی کی ٹیوشن بھی پھر سے پڑھانا شروع کر دی تھی تاکہ اس
رقم کو بچا سکے۔ بیا کی پوسٹ کا کام بھی بہت اچھا چلتا تو کبھی
گزارے لائق۔ آج کل اس کے پاس کام بہت تھا۔ مگر
سامان کی خریداری کے لیے دام نہیں تھے قرض وہ لینا نہیں
چاہتی تھی۔ شجاع حیدر اس سے ملنے آیا تو اس نے اپنی پریشانی
اس کے ساتھ شیئر کی۔

”شچی آرڈر بہت بڑا ہے اگر وقت پر مکمل کر دیا تو سارے
مسائل حل ہو جائیں گے۔“

”تو مسئلہ کیا ہے پھر بسم اللہ کرو؟“ وہ بولا۔

”مسئلہ پیسوں کا ہے مال خریدنے کے لیے پیسے

نہیں ہیں؟“

”کتنے پیسوں میں ہو جائے گا تمہارا کام؟“

”ڈیڑھ لاکھ چاہیں باقی کار بیج ہو گیا ہے۔“

”اچھا تو پریشان کنی کی کیا ضرورت ہے۔ یوں سمجھو

کے ڈیڑھ لاکھ روپے کا انتظام بھی ہو گیا۔ تم فوراً آرڈر مکمل

کرنے کی تیاری پکڑو۔“ شجاع حیدر نے اس کے سندر صبیح

رخ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”ایسے کیسے فشی؟“ وہ جھلا کر بولی تو شجاع حیدر نے اپنی

قیس کی جیب میں سے ایک لاکھ روپے کا چیک نکالا اور اس

کی جانب بڑھا دیا۔

”یہ لو اسے کیش کرو اور کام چلاؤ۔“

”ایک لاکھ روپے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟“ بیا

نے خوشگوار حیرت سے چیک کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ڈاکٹر ال کرا رہا ہوں۔“

”شچی.....“ وہ اس کے مذاق پر چڑ گئی۔

”دو کمیشیاں ڈالی ہوئی قیس تمہارے نام کی..... جمبی

تمہاری ضرورت کے وقت کھولوا لیں دو دنوں حزرے کرو۔“ اس

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شکر یہ لیکن تم نے بھی تو کوئی کام کرنا ہو گا ناں اس رقم

سے؟“ وہ چیک دیکھ کر بولی۔

”تمہارا کام ہو یا میرا فرق کیا پڑتا ہے؟“

”مگر.....؟“

”یہ اگر مگر کیا کیوں کیسے ہماری دوستی اور رشتے میں نہیں

آنے چاہیں۔ رقم رکھو اور ہاں ایک آرڈر میرا بھی نوٹ کرلو۔“

اس نے اسے چاہت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیسا آرڈر؟“ بیا نے متعجب ہو کر پوچھا۔

”ایک شاندار سا ڈیزائنز ڈریس تیار کر دو ناں اپنا

ہی رکھ لینا۔“

”تم لیڈریز ڈریس کا کیا کرو گے؟“

”اپنی محبوبہ کو گفت کر دوں گا اس کی سالگرہ پر۔“

”اچھا تمہاری محبوبہ بھی ہے..... اکون ہے؟“ بیا کے دل

کو جیسے کسی نے شچی میں مسل دیا۔ اس کے منہ سے محبوبہ کا ذکر

سن کر ایک ہل میں وہ اندر سے دھمکی سی ہو گئی تھی۔

”کیوں بتاؤں؟ جب تھو دوں گا تو تمہیں بھی ساتھ

لے چلوں گا دیکھ لینا میری محبوبہ کو۔“ شجاع حیدر مسکراتے

ہوئے بولا۔

”اچھا ٹھیک ہے تو تم اس سے شادی کرو گے؟“

”کس سے؟“

”جس کو محبوبہ کہتے ہو۔ اس سے یا اسے ساری زندگی

محبوبہ ہی رکھو گے؟“

”ہوں..... سوچنے والی بات ہے۔ تم اس سے ملو گی ناں تو

بتانا کیسی گلی تمہیں۔ اگر تمہیں وہ پسند آگئی تو میں شادی بھی

کر لوں گا۔“ شجاع حیدر نےنجیدگی سے جواب دیا۔

”اچھا اور اگر مجھے پسند نہ آئی تو کیا کرو گے؟“

”تو..... تو ساری زندگی کنارہ رواں لوں گا۔“ وہ ایک لمبے کو

سوچ کر بولا۔

”اتنا چاہتے ہو اسے؟“ بیا کا دل ڈوب سا گیا۔

”تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔“

”بس پھر میرے پسند کرنے نہ کرنے کا کیا سوال؟

سالگرہ کے ختمے کے ساتھ ہی اسے منگنی کی انگلی بھی پہنا دینا

اور شادی کی تاریخ بھی طے کر لینا ورنہ انکی سالگرہ تک پورا

ایک سال انتظار کرنا پڑے گا۔“ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

نہ کسی کو بتانا

دل میں ہے پیار

آنکھ میں فسانہ

سو گیا سورج

شب نے ہوا

لگ چھپ جانا

نہ کسی کو بتانا

جاسے پیار سا جن

ایسے نہ مگوانا

لگ چھپ جانا

دل کی سب باتیں

نہ پیاسے چھپانا

لگ چھپ جانا

سدا مسکرانا

ہے جس سے اتنا پیار کرتا ہے وہ کس قدر حسین ہوگی؟

اسے اس لڑکی کو دیکھنے کا شوق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی

کم مائیگی کا احساس بھی شدت سے ہو رہا تھا۔ اوپر سے یہ پیار

ہو جانے کا احساس جب سے ہوا تھا تب سے وہ خود سے شجاع

حیدر سے چھپتی پھر رہی تھی۔

”کیا ہوا؟“ وہ کم مسم او اس بیٹھی تھی۔ جیسی سلٹی بیگم نے

آ کر پوچھا۔ انہیں کچھ اندازہ تو ہو گیا تھا اس کی اس کیفیت کا۔

”وہی ہوا جس کا آپ کو علم تھا مجھے نہیں.....“

”تو پھر اب کیا ارادے ہیں؟“ انہوں نے اس کی ان کہی

بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”نیک ارادے ہیں وہ جس لڑکی سے پیار کرتا ہے۔ اس

کے ساتھ اس کی شادی کرائیں گے۔ ہم مل کر اس کی خوشی میں

خوش ہوں گے۔ اچھے دوستوں کو تو ایسا ہی کرنا چاہیے نا؟“

”ہاں لیکن..... وہ کس لڑکی سے پیار کرتا ہے؟“

”ہے کوئی۔ آپ کی بیٹی کو تو وہ آنکھ بھر کے بھی نہیں

دیکھتا۔ آپ کا آدھا اندازہ درست نکلا کہ میں شجاع حیدر سے

پیار کرتی ہوں اور آدھا غلط نکلا کہ وہ بھی مجھ سے پیار کرتا ہے۔

وہ تو کسی اور لڑکی سے پیار کرتا ہے۔ وہ کسی اور کا ہو جانے کا

مطلب میرا نہیں رہے گا۔ یہ دوستی یہ ساتھ یہ ملنا جانا دکھ سکھ

شیر کرنا یہ سب ختم ہو جانے کا۔ یہ زیادہ اذیت ناک ہے

ای..... کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ شجاع حیدر میرے وجود

میں رگوں میں خون کی مانند گردش کرنے لگا ہے۔ دل میں

دھڑکن بن کر دھڑکتا ہے۔ آتی جاتی سانسوں میں سڑکرتا

ہے۔ یہ سب ختم ہو جانے کا تو یہاں کی زندگی بھی ختم ہو جانے

گی۔ ہے ناں ای؟“ بیانے کھوئے دلوں نے ہوئے لچھے میں

بہت بے بسی اور کرب سے کہا۔ سلٹی بیگم کا دل تڑپ کر رہ گیا۔

”اللہ نہ کرے میری بیٹی کو کبھی کچھ ہو۔ میں بات کروں گی

شجاع سے میرا دل نہیں ماننا کہ وہ تم سے نہیں کسی اور لڑکی سے

پیار کرتا ہے۔“ سلٹی بیگم نے اسے اپنے سینے سے لگا کر کہا۔

”آپ شجاع سے کوئی بات نہیں کریں گی ای..... محبت

بیک نہیں ہوتی کہ کسی سے منت سماجت کر کے حاصل کی

جائے۔ محبت تو اعزاز کی طرح دی جاتی ہے۔ وہ یہ اعزاز کسی

بیا فرقان چوبیس برس کی بہت خوب صورت لڑکی تھی۔

سرخ و سفید رنگت سیاہ آنکھیں ستواں ناک شکرنی ہونٹ

دلکش نقوش جیسے کسی شاعر کا حسین تخیل ہو۔ سیاہ زلفوں کے

ریشم میں کسی کا بھی دل الجھ سکتا تھا۔ اس کی گھنیری سیاہ پلکوں

کی جھال میں ایک کر کوئی بھی مسافر اپنا رستہ بھول سکتا تھا۔ اس

کی آواز کی دلکشی پہروں سننے والے کو اپنی نشست پر براجمان

رکھ سکتی تھی۔ اس کے فکر و خیال احساس و جمال پر ہر صاحب

ذوق اور باشعور انسان کو رشک آ سکتا تھا۔ ایسے اوصاف اور

خوبیوں کی مالک بیا فرقان کو شجاع حیدر کا یہ کہنا کہ ”اس نے

کبھی بھی اسے آنکھ بھر کر نہیں دیکھا۔“ بیا فرقان کو عجیب سے

احساس کسری میں جھکا کر دیا تھا۔ مانا کہ وہ خود بدقول تھا مگر

وہ اسے اتنا غیر معمولی سمجھے گا یہ دکھ بیا کو اندر ہی اندر کھائے

جا رہا تھا۔ اس نے کبھی اپنی ظاہری خوب صورتی پر دھیان نہیں

دیا تھا۔ نہ ہی خود پر کبھی غور کیا تھا۔ نہ خود کو فرصت سے دیکھتے

ہوئے سراہا تھا۔ یہ تو شجاع حیدر کا کہنا اسے آئینے کے سامنے

کھڑا ہونے اور اپنا تنقیدی جائزہ لینے پر مجبور کر گیا تھا اور اسے

شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اگر وہ شجاع حیدر کے ذوق نظر

اور محبت کے معیار پر پوری ترقی نہیں اترتی تو وہ جسے اپنی محبوبہ کہتا

اور کو بخش رہا ہے تو میں اپنا آپ اس کی نظر میں چھوٹا کیوں
 کروں۔ محبت کی بھیک مانگ کر..... آپ کوئی بات نہیں
 کریں شجاع سے کبھی بھی اس موضوع پر اس سے بات نہیں
 کریں گی۔ یوں بھی چند روز بعد اس کی من چاہی لڑکی کی
 سالگرہ ہے اچھا ہے کہ وہ بھی اپنی نئی زندگی شروع کر رہا ہے۔
 ہمیں اس کی خوشیوں بھری زندگی کی دعا مانگنی چاہیے یا نہ؟“
 بیا نے مسکرا کر کہا لہجہ دروہا تھا۔ باہر محسن میں ہر طرف اندھیرا فاس
 رہا تھا۔ بیا کی آنکھیں شجاع حیدر کے پیار سے بھجک رہی
 تھیں اور اس کے چہرے پر پچھلی زردی میں مکمل خاموش سلسلی
 بیگم کو رہنمائی دے رہی تھی۔

”یہ تادمیر آؤ رڈ ریڈی ہے؟“

”ہاں ریڈی ہے۔ چاہو تو دیکھ لو کوئی روڈ بدل کرنا ہو تو ابھی بتا دو تاکہ وقت پر مسئلہ نہ ہو۔“ بیانے کہتے ہوئے سیزگرلز کو آواز دی اور اس سے وہ ڈریس منگوا کیا جو اس نے شجاع حیدر کے کہنے پر تیار کیا تھا۔ سیزگرلز فوراً وہ ڈریس لے آئی۔ سبز و میرون اور گولڈن رنگ کا بہت ہی نفیس کاڈر سوٹ تھا۔ سلک کا چوڑی دار پاجامہ گولڈن رنگ کا تھا۔ سبز میرون اسٹاکش لمبی قمیص اور لمبے سے دوپٹے پر گولڈن کام بہت سچ رہا تھا۔ شجاع حیدر کو سوٹ پہلی نظر میں ہی بہت پسند آیا تھا۔

”یہ دیکھو کیا ہے؟“ بیانے لباس دکھاتے ہوئے پوچھا۔
 ”دیکھنے میں تو ٹھیک لگ رہا ہے۔ تم بہن کر دکھاؤ تب ہی
 معلوم ہوگا کہ اچھا کتنا ہے۔ اگر تم پر بچا تو اس پر بھی جج جائے
 گا۔“ شجاع حیدر نے کہا۔

”اگر تمہیں پسند نہیں آ رہا تو کوئی اور ڈریس پسند کر لو۔ کافی ورائٹی ہے یہاں۔“ بیانیاس کی روکھی پھینکی تعریف پر دکھی ہو کر جواب دیا۔

”تمہارا کام مجھے ناپسند کیسے ہو سکتا ہے؟“
 ”ضروری تو نہیں ہے کہ میرا ہر کام تمہیں پسند آئے؟“ وہ
 ڈریس اینڈنڈ پر ہنگ کرتے ہوئے بولی۔
 ”یاد میں نے صرف یہی نہ کھانے کی فرمائش کی ہے۔“
 ”جس کے لیے بخولیا ہے یہ فرمائش اس سے کتنا اچھا لگے
 گا۔“ بیانے کام میں مصروفیت ظاہر کرتے ہوئے سنجیدگی
 سے جواب دیا۔

”پہلے تم پہن کر دکھاؤ مجھے۔“ شجاع حیدر بضد ہوا۔
 ”پاگل ہو گیا؟ اپنی ہونے والی بیوی کو میری اتارن پہناؤ
 کرے؟“ بیانیہ سچ کر اسے سنگینی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”اس کے لیے تو یہ خوش نصیبی کی بات ہوگی۔“
 ”شجاع حیدر..... تمہارا دماغ ٹھکانے پر نہیں لگ رہا
 مجھے۔ اس سے پہلے کہ میرا دماغ بھی آؤٹ ہو جائے یہ
 ڈریس لو اور جاؤ یہاں سے۔“ بیانیہ پہلی بار اس کا پورا نام
 لیتے ہوئے اس سے غصے میں بات کی تھی۔ اس کا منہ اتار گیا۔

”لو بھئی بیٹھائی کھاؤ چاہو تو پورے محلے کو کھلاؤ۔“ شجاع حیدر اس کی بوتیک پر بیٹھائی لے کر آیا اور بہت خوشگوار لہجے میں بولا۔

”کیا شادی کی تاریخ طے کر کے آرہے ہو جو میٹھائی کی ٹوکری لے آئے؟“ بیانے ملبوسات کو پینگ کرتے ہوئے میٹھائی کو دکھ کر استفسار کیا۔

”ہاں یہی سمجھ لو۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
 ”بہت مبارک ہو تمہیں۔“ بیانے دل ڈوبنے کے
 احساس کو چھپاتے ہوئے مسکرا کر مبارک باد دی۔
 ”خیر مبارک لومنز تو بیٹھا کرو۔“ شجاع حیدر نے خوشی
 خوشی بیٹھائی کی ٹوکری سے گلاب جامن نکال کر بیانے کے منہ
 میں رکھ دی۔

”ڈیٹ کون سی طے ہوئی؟“ بیانے گلاب جاسن کھاتے ہوئے پوچھا۔

”دو اپریل میری سالگرہ کا دن ہے ناں۔ تم نے کہا تھا کہ سالگرہ کا دن دوہری خوشی کا حامل ہوتا ہے۔ اگر شادی بیاہ کے معاملے بھی طے کر دیے جائیں تو اس کی سالگرہ پر میں عقیقہ کی گٹھلی پہناؤں گا اسے اور اپنی سالگرہ کے دن اس کے جملہ حقوق اپنے نام کرالوں گا۔ نکاح نامے کے ذریعے۔“

”تھرپٹ۔“ بیانے اس کے خوشی سے کھلتے چہرے کو

”تم نے کبھی مجھ سے اتنے سخت لہجے میں بات نہیں کی یا“
ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟ میری چھوٹی سی خوش اور خواہش پوری
نہیں کر سکتی تم؟“

یہ دل اس کا دیوانہ
یہ جاں اس پر فدا نہ
لگ چھپ جانا

بیا گھر پہنچی تو ڈرائنگ روم کو خوب صورت غباروں
چھنڈیوں اور مچھلی برتھ ڈے کے چمک دار انٹیکرز سے سجا ہوا
دیکھ کر حیران رہ گئی۔ میرے برتھ ڈے ایک بھی موجود تھا۔
”مچھلی برتھ ڈے تو بڑی مچھلی برتھ ڈے ڈیز بیا۔ پچی برتھ
ڈے سوٹ بیا۔“ شجاع حیدر کی سنگنائی مسکرائی ہوئی برتھ
ڈے وٹس نے بیا کی حیرت دو چند کر دی۔

شجاع حیدر نے اچانک اس کے سامنے آ کر اسے وٹس کیا
تو وہ بے یقینی کے عالم میں اسے تنگے لگی۔ سفید شرٹ براؤن
جینز کی پینٹ اور براؤن بوٹ پہنے اپنے کلین شیڈ چہرے پر
مسرت و مسکراہٹ سجاے وہ سیدھا بیا کے دل میں سارہا تھا۔
”اتنی بے یقینی سے کیوں دیکھ رہی ہو۔ کیا پہلے کبھی برتھ
ڈے وٹس نہیں کیا میں نے تمہیں؟“ وہ اس کی حیرت زدہ
صورت کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا تو اس نے مسکرا کر کہا۔
”کی ہے۔ مگر اتنے اہتمام سے پہلے کبھی نہیں کی۔“
”وہ اس لیے کہ آج صرف تمہاری سالگرہ نہیں.....
تمہاری مچھلی بھی ہے۔“ سلیٹی بیگم خوشی سے ڈرائنگ روم میں
داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

”ای.....! میری مچھلی؟“ وہ حیرانگی سے انہیں دیکھ
رہی تھی۔ شجاع حیدر اپنے موبائل فون پر اس کی تصویریں
بنارہا تھا۔

”ہاں تمہاری مچھلی شجاع کے ساتھ ہو رہی ہے۔“ سلیٹی
بیگم نے اسے خوشی سے گلے لگاتے ہوئے بتایا۔

”کیا.....! شجاع سے میری مچھلی ہو رہی ہے؟“ وہ حیرت
کے سمندر میں غوطے لگائی ایک دم سے ان سے الگ ہوتے
ہوئے بولی تو جواب شجاع حیدر نے دیا۔

”ہاں بھئی۔“ مجھ سے تمہاری مچھلی ہو رہی ہے۔“
”کیوں..... مجھ سے کیوں؟ ایسا کیا کہہ رہا ہے؟“
وہ حیرت بے یقینی کی کیفیت میں کبھی شجاع حیدر کو دیکھ رہی
تھی اور کبھی سلیٹی بیگم کو جن کے چہرے پر خوشی اور اطمینان

”ٹھیک ہے کر دیتی ہوں تمہاری خوشی اور خواہش پوری
میں یہ ڈریس پہن لیتی ہوں۔ ایسی ٹاپ۔ کلر اور ڈیزائن کا ایک
اور ڈریس بھی تیار ہے وہ تم اپنی منگتیر کو گفت کر دینا۔ اس طرح
تمہارا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور مجھے بھی اعتراف نہیں ہوگا۔
اوکے ویٹ کرو۔“ بیا نے شجیدگی سے کہا اور ڈریس لے کر
چونچک روم میں چلی گئی۔

”ہر بات کا جواب ہر مسئلے کا حل اور ہر چیز کا متبادل ہوتا
ہے بیا کے پاس۔“ کہیں میرا متبادل بھی نہ ڈھونڈ رکھے یہ لڑکی۔
ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا شجاع حیدر۔“ شجاع حیدر نے دل میں
سوچا اور سیز گرل کو بتا کر وہ بیا کے گھر جا رہا ہے بیا آئے تو اسے
بتا دے وہ بولتیک سے چلا گیا۔ بیا ڈریس پہن کر آئی تو شجاع
حیدر کے چلے جانے کا اس کراسے بہت غصہ آیا۔

”نیم بہت سوٹ کر رہا ہے یہ ڈریس آپ پر۔ آپ تھوڑا
سامیک اپ بھی کر لیں ڈریس کی مناسبت سے تو سونے پر
سہاگہ ہو جائے گا قسم سے۔“ سیز گرل نے اسے اس خوب
صورت ڈریس میں دیکھ کر ایمان داری سے کہا۔

”کیوں نہ شجاع حیدر کو دکھاؤں جا کر کہ یہ ڈریس میرے
لیے ہی بنا ہے۔“ بیا فرقان بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ اس نے
اگر مجھے نظر بھر کر نہیں دیکھا تو اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ اس حسن
پر مرنے والوں کی کمی تو نہیں ہے۔“ بیا نے دل میں سوچا۔

”شکر یہ۔“ میں چلتی ہوں کل ڈرا جلدی آ جائے گا۔ اب
آپ بھی گھر جائیں۔“ پاپائے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا
کرتے ہوئے کہا اور آئیں میں آ کر اپنے بیگ میں سے
میک اپ کا سامان نکالا اور پلکا سامیک اپ کیا بالوں کو برش
کرنے کے بعد اپنی ضروری چیزیں بیٹیش اور بولتیک بند کر کے
اپنی گاڑی میں آ بیٹھی اور گاڑی اشارت کر کے اس کا رخ اپنے
گھر کی جانب موڑ دیا۔

کیوں لگ چھپ جانا؟
کیوں نہ ساجن کو بتانا

دل سے دعا کی۔

میں پکڑاتے ہوئے کہا۔

”جیتے رہو۔ خوب ترقی کرو۔“ سلمیٰ بیگم نے مسکراتے

ہوئے اسے دل سے دعا دی اور پھر تینوں نے مل کر کیک کاٹا۔ بیا کی سالگرہ کا دن شجاع حیدر کے پیار کی بدولت بہت یادگار اور حسین ہو گیا تھا۔ اس کی سالگرہ شجاع حیدر سے اس کی مگنی اور اس کی سالگرہ کے دن ان دونوں کی شادی کی تاریخ طے پائی تھی۔ شجاع حیدر کو جاب بھی مل گئی تھی۔ ایک ساتھ اتنی ساری خوشیاں مل گئیں تھیں۔ اسے اپنا دامن جنگ پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دل رب کے حضور شکر کے سجدے ادا کر رہا تھا۔

”شچی..... میری سالگرہ کا دن یادگار بنانے کے لیے بہت شکریہ۔“ بیا نے سیز میوں میں بیٹھے شجاع حیدر کے پاس بیٹھ کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر دل سے کہا تو وہ مسکراتے لگا۔

”بیا، مجھے اپنی زندگی میں قبول کرنے کے لیے تمہارا بہت شکریہ اور اللہ تعالیٰ کا بھی بہت شکریہ کہ انہوں نے آج کے دن میرے لیے اتنا پیارا انعام اتنا حسین تحفہ تمہاری شکل میں اس دنیا میں بھیجا۔ یہ تمہارا نہیں میرا جنم دن ہے۔ میری خوشیوں اور چاہتوں کا جنم دن۔ یہ سالگرہ ہم دونوں کو ہی مبارک ہو بیٹا میر۔“

شجاع حیدر نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی اپنے لیے محبتوں کی انتہا کو محسوس کرتے ہوئے نہال ہو گئی اور سرشاری سے مسکراتے ہوئے اس نے شجاع حیدر کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا۔ اس نے بھی متاع حیات کی طرح اسے بہت محبت سے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا تھا۔

(الحمد لله مسلسل اشاعت کہ
چالیس سال مکمل)



”ایک گڈ نیوز اور سنا دوں آپ دونوں کو۔“ شجاع

حیدر بولا۔

”وہ کیا؟“ سلمیٰ بیگم نے اسے دیکھا۔

”وہ یہ کہ مجھے ایک بینک میں بہت اچھی پوسٹ پر جاب مل گئی ہے۔“

”یہ تو واقعی بہت خوشی کی خبر ہے۔ بہت بہت مبارک ہو بیٹا۔“ سلمیٰ بیگم نے خوش ہو کر مبارک باد دی۔

”شکریہ۔“

”مبارک ہو۔“ بیا نے اس کی اس سر پرانہ نیوز پر خوش

ہو کر کہا۔ تو وہ منہ بنا کر بولا۔

”اتنی ٹھیکیں مبارک باد میں نہیں لوں گا۔ مجھے تو شیشی مبارک باد چاہیے۔“

”کیک ہے ناں۔“ وہ ہنسی۔

سلمیٰ بیگم کیک پر موم بتیاں سجائے لگیں۔

”ہاں تو کاٹو ناں کیک۔“ وہ بولا اور پھر آہستگی سے اس کے کان کے قریب منہ کر کے کہنے لگا۔

”ایک بار بیٹھے لہجے میں کہہ دو ناں۔ تمہیں مجھ سے پیار ہے۔“

”ہاں ہے۔“ وہ آہستگی سے شرمیلی آواز میں بولی۔

”کیا ہے؟“

”پیار۔“ وہ مسکرائی۔

”اوئے ہوئے..... پھر سے کہنا۔“ وہ شرمیلہ

”شچی.....“ بیا نے اس کے بازو پر مکدہ سید کر دیا۔

”اف.....“ وہ بازو سلہٹا ہوا ہنس دیا۔ آج اس کی ہنسی

میں بہت بے فکری خوشی اور اطمینان تھا۔ یہ بات بیا نے دل سے محسوس کی اور اس کی حقیقی خوشیوں کے لیے دعا بھی کی۔

”آؤ بیا..... شجاع دونوں مل کر کیک کاٹو۔“ سلمیٰ بیگم نے

محبت سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”دونوں نہیں تینوں۔ آپ کی شمولیت کے بغیر تو ہماری ہر خوشی احموری ہے نا۔“ شجاع حیدر نے چھری ان کے ہاتھ

ان محترمہ کو ماوراءِ بشارت کہتے ہیں۔ آپ اگر عینک کے پیچھے مقید چھوٹی چھوٹی آنکھیں دیکھیں تو آپ ان آنکھیں کو گول گول تیزی سے ہلکا دیکھیں گے نہیں نہیں..... خدا خواستہ آنکھوں کی بیماری نہیں ہے بلکہ یہ خارجی کارروائی کے حق میں مثبت دلائل دینے کے لیے سوچ بچار ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ عاصمہ کسی انکھن میں کھڑی ہے اور یہ انکھن یقیناً اس کے لیے بالوں کی ہو گئی۔

”تم لوگوں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم سب یہاں پڑھنے آئی ہو تاہم ماشہ کرسنہ روز کوئی نہ کوئی کارنامہ سرانجام کر دیتی ہو، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب تم لوگوں کی شکایت نہ آئے۔ میرا بس چلے تو تم لوگوں کو جھگڑ میں چھوڑ دوں وہاں بندوں کی طرح کرب کرتی رہتا۔“ کئی منٹ آنکھوں سے شعلہ کھٹنے کے بعد پرنسپل نے زبان سے انکارے پھینکے۔

”سر کی اردو کتنی خراب ہے، انہیں مس ٹمینہ سے کلاس لینی چاہیے۔ ہم بندوں کے ساتھ کیوں کرب کریں، بشرتی لڑکیاں ہیں بند یوں کو سہیلیاں بنالیں گے۔“ عاصمہ بالوں سے ابھتی ماورا کے کان میں آہستہ آواز میں بولی۔

”ماورا اسے جھگڑ میں نہیں سامنے والے قبرستان میں چھوڑ آؤ، یہاں بے عزتی ہو رہی ہے اور اسے بند بندریا کا فرق سمجھ رہا ہے۔“ عطیہ تک عاصمہ کی آواز پہنچی تو اس نے لاہرولی کا چولا اتار کر جواب دیا۔

”ادو ہو..... بے عزتی بھی عزت والوں کی ہوتی ہے۔“ صدف نے متانت سے جواب دیا تو سب کی دھیمی سی ہنسی نکلی۔

”یہ تم لوگوں کے دانت کس خوشی میں نکل رہے ہیں؟ میرے بولنے کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے بہتر ہے میں آپ ہی انہیں ہینڈل کریں۔“ پرنسپل نے میم لکھی سے کہا اور خود وہاں کان سے لگا لیا۔

”میم ہم نے ایسا کیا کر دیا۔ ساری لڑکیاں تھرڑ تھرڑ پور تھیں ہم کوئی ایسی تو نہیں تھیں۔“ آخر کار ماورا ہمت کر کے بولی تو سب نے امید بھری نظر سے انہیں دیکھا۔

”مجھے سب کانٹیں پتا، میں نے تم لوگوں کو خود دیکھا تھا۔“

آپ نیلے رنگ کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو جائیں۔ اب آپ کے سامنے بڑا سا میدان ہے، میدان سے پرے قطار میں بنے کمرے ہیں۔ میدان کے وسط میں اونچا سا اسٹیج بنا ہوا ہے جس کے ایک کونے میں اسٹینڈ پر مائیک رکھا ہے۔ یہ سارا منظر دیکھ کر آپ کے ذہن میں کسی اسکول کا خیال آئے گا اور میں آپ کے اس خیال کی تائید کرتی ہوں، آپ کا خیال پچاس فیصد درست مانا جاتا ہے۔

اس اسکول سے حق ایک کالج بھی ہے، خواتین کا کالج مگر ان کے ساتھ اسکول کی بچیوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس بے حرمتی پر وہ آٹھا آٹھا انسودنی ہیں اور سوچتی ہیں کہ کاش آنسوؤں کی زیادہ تعداد والا حاورہ بھی ہوتا۔ یہ حوالہ یقیناً آپ کو پریشان کرنے کے لیے کافی ہے اس لیے مزید تعارف چھوڑیے اور واپس مڑ کر دائیں طرف چلتے ہوئے سامنے نظر آنے والے پرنسپل روم کے ادھ کھلے دروازے میں کھڑے ہو جائیں۔

بڑی سی میز کے پیچھے کرسی پر براجمان شخص ظاہر ہے پرہل ہی ہیں مگر میز کے سامنے آسانی رنگ کے دوپٹے اوڑھے قطار میں کھڑی لڑکیاں آپ کی حیرانی کا باعث ہوں گی۔ آپ دماغ پڑھو نہیں ڈالیں، ہم تعارف کروا دیتے ہیں۔ سب سے پہلے کھڑی لمبی، دلی لڑکی شمر

عبدالسلام ہے، ہاتھوں کو مڑھڑاتے ہوئے اس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ مقدس بشیر کھڑی ہے، دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے یہ اس کے ساتھ ہی چلی رہے گی۔ ان دونوں کے ساتھ دو اور لڑکیاں جھپکنے والی بیماری کا شکار ہیں جن میں آئینہ اور صدف شامل ہیں۔ آئینہ کا

بس چلے تو اپنی پیٹشانی پہ ”بے قصو“ لکھ لے کر اب تو ہر حیلہ ناکام ہے اور صدف کا حجاب میں مقید چہرہ بھی بے گناہی کا ثبوت نہیں دے پا رہا۔

صدف کے ساتھ عطیہ کھڑی ہے اور آپ پہلی ہی نظر میں اس کے چہرہ پر بے پرواہی دیکھ سکتے ہیں اور یہ بے پرواہی اس کی طبیعت کا خاصہ ہے اس کے ساتھ ایک لمبی سی لڑکی منہ پر بڑی عینک لگائے کھڑی ہے، اس میں عینک کا

تصور نہیں اس کا منہ ہی ایسا ہے کوئی عینک ہی فٹ نہیں آتی،

میم نے غصے سے اسے دیکھا جو مصیبت کے سارے ریکارڈ توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میم فرسٹ اور سیکنڈ ایئر بھی تھیں، تھرڈ ایئر بھی ہمارے ساتھ تھی۔ میں آپ کو سب کے نام بتا دیتی ہوں۔“ ماورا کے اشارے پر سٹرائپر نے بھی کیس ہینڈل کرنے کی کوشش کی۔

”کچھ شرم کرو فورٹھ ایئر، تم لوگ سب سے سبھی تھیں بجائے سب کو منع کرنے کے خود بھی ساتھ کھڑی ہو گئیں اور اب بہانے بنا رہی ہو۔“ میم کا غصہ سوائیز پر پڑا۔

”میم ہم نے سوچا جتنا زہ دیکھ کر ان کا ایمان تازہ ہو جائے گا جیسے میں نے کتا ہوں سے تو یہ کر لی تھی فوری۔“ مقدس بولی اور میم کے تاثرات اس جج کے جیسے ہو گئے جو سزائے موت سنائے والا ہو۔

”تم لوگ پورا ہفتہ کوئی کلاس نہیں لوگی اور اگر آئندہ تم لوگوں کی کوئی شکایت آئی تو ہم تمہارے والدین سے شکایت کریں گے۔“ میم نے فیصلہ سنایا اور آفس سے نکل گئیں۔

پرنسپل نے بھی ہاتھ سے باہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ سب منہ لٹکائے باہر آ گئیں۔

”گفٹ..... پورا ایک ہفتہ۔“ عاصم نے دکھ سے کہا اور اس کا دھکی ہوتا ہوا ہاتھ بھی تھا۔ کیا عزت رہ جاتی اس کی کہ کلاس کا فرسٹ رول نمبر اور سزا کے طور پر ہفتہ بھر کلاس سے باہر رہے۔

”دروازہ بند کرو۔“ سٹرائپر نے کہتے ہوئے پرنسپل آفس کا دروازہ بند کر دیا۔

ہال میں خاموشی چھا گئی۔ وہ سب سر جھکائے گراؤنڈ سے گزریں تو اسٹیج پر بیٹھی نیچر کی طنزیہ نظریں تیز دھار تواری کی مانند محسوس ہوئیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے سیڑھیاں چڑھیں اور کلاس میں داخل ہو گئیں۔ ساری کلاس کی نظریں ان پر جمی تھیں کہ جیسے وہ کالے پانی کی سزا کاٹ کے آئی ہوں۔

”کیا ہوا؟“ سب سے پہلے اتر آنے پوچھا۔

اس کا پوچھنا تھا کہ کلاس میں طوفان آ گیا۔ سب کے نکتے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

”آج لگتا ہے میں ہواؤں میں ہوں، مجھے اتنی خوشی ملی ہے۔“ ٹیمین پکڑے جیسی ناک کو اوپر اٹھاتے ہوئے مزے سے کلاس میں گھومنے لگی، جیسے وہ پینٹ اس کے پر ہوں اور وہ واقعی اڑ جائے گی۔

”شکر ہے ایک ہفتے تک پڑھائی کی کوئی ٹینشن نہیں۔ مزے سے ناول پڑھیں گے اور پی ایس ایل کے میجز دیکھیں گے۔“ ماورا نے انگلی سے عینک اوپر کی اور اپنی کرسی پہ لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

”سیدی ہو کر تھوہر وقت تمہاری کمر بنی ٹوٹی رہتی ہے۔“ آفشین نے ماورا کا بازو زور سے پرے کیا جو اس کی کرسی پہ قبضہ کیے ہوئے تھا۔

”تمیز سے بات کرو، ابھی تم لوگوں کو بچا کے لائی ہوں۔“ اس نے بھی آنکھیں نکالیں۔

”دلو کیا کہتے تمہارے۔“ بچانے کے ایک ہفتہ کلاس سے بے دخل مل گئی اگر تم نہ بچاتی تو یقیناً ایک دو دن کی بددردی نصیب ہوتی۔“ عطیہ دانت پیٹتے ہوئے بولی جیسے دانتوں میں ماورا کی عینک ہو۔

”خیر تم لوگ زور و مد میں کنٹینن جاری۔“ پرنسپل نے سب بحث بیکار جانتے ہوئے کنٹینن کی ہانگ لگائی اور ساری کلاس دوخت میں خالی ہو گئی تھی۔

سارے کالج میں فورٹھ ایئر کی سزا کی دھوم مچی ہوئی تھی مگر یہ دھوم ثبت تھی۔ فورٹھ ایئر نے سینڈ فلور کا ایک خفیہ کونہ چننا اور اسے اپنی راجدھانی بنالیا، سارے کالج میں جس جس کو بے دخل کی سزا ملتی وہ خاموشی سے فورٹھ ایئر کے آستانے پہ حاضری دے دیتا بلکہ کچھ دل تو حاضری دینے کے لیے جمل رہے تھے مگر ان کو یہ خوش نصیبی صرف فری پیر ڈی میں ملتی تھی۔

روزانہ صبح کلاس کے باہر معصوم صورت بنا کر کھڑا ہوا جاتا تا کہ ایک دفعہ معافی مانگنے کا فریضہ سر انجام دیا جائے مگر دل سے معافی کی منتظر کی صدا نکل رہی ہوتی تھی مطلب کا جواب سن کر واپس اپنے قائم کردہ مقام پر تشریف آوری ہوتی اور گفتگو کا نذر کے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

”اللہ کا نام لو اور سوئے دو، ریڈ یو ایف ایم کی طرح تم

دل ہی دل میں اسے کوسنوں سے نواز اور اگلے ہی لمحے ساری کنکین کی طرف جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”تم کچھ کھانا پسند کرو گی؟“ عاصمہ کو ہی اس پر ترس آیا تو پوچھ لیا۔

”بچے پیسوں سے جولا نا پسند کرو گی میں شکر الحمد للہ کہتے ہوئے کھالوں گی۔“ اس نے ناول میں ہی سر دیئے ہوئے کہا۔

”تسے غور فکر سے کبھی کتابیں پڑھ لو تو نا پ کرو۔“ فہمین نے مفت مشورہ دینا مناسب سمجھا۔

”تم اپنی سلیوں کی فکر کرو میں پاس ہو جاؤں گی اور اب خبردار کسی نے میرے انتہاک میں دخل اندازی کر پنے کی کوشش کی۔“ اس نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا تو ساری فہمین کی درگت پر ہنس پڑیں۔

زرش دن بیتی بیڈ پر بیٹھی ہے مگر اس کے تاثرات کسی چیز پر جیسے ہیں اور اب اس نے اٹھ کر سارے کمرے کا ٹھس ٹھس کر دیا ہے۔ سمعان بیچارے نے نہ جانے کتنے ہزاروں روپے لگا کر کمرہ عروسی حبابا تھا زرش چیزیل نے جملہ عروسی کو میدان جنگ بنایا تھا۔

”ہائے بیچارہ سمعان.....“

تھوڑی دیر پہلے ناظر نے لڑنے مرنے والی اب اس کے گرد دائرہ بنائے بیٹھی تھیں اور وہ کہانی میں اپنی طرف سے تین چار لگا کر ان کی سماعت کے گوش گزار کر رہی تھی۔ باقی کا سارا دن اسی طرح گزرتا تھا، وہ بی بی سی لندن بنی بولٹی رہی، ملکہ جذبات بنی آنسو بہاتی رہے گی، بالی وڈ کی ساری ہیر فیز کی ایکٹنگ کو مات دیتے ہوئے کبھی زرش بنے گی اور کبھی سمعان۔ جب کہ سامنے بیٹھی لڑا کا بلیاں مڑے سے کہانی سنتی ہوئی اتفاق کی نئی مثال قائم کر رہی تھیں۔

فور تھا سائیر کی سزا کا آخری دن ہے اور ان کے ساتھ ساتھ سارا کالج اس تھا کیونکہ مفت کی کہانیاں ختم ہو رہی تھیں، اگلا سیزن نہ جانے کب آئے گا۔ اسی غم میں آج اجتماعی خاموشی تھی۔ نہ کوئی ٹرولر رو رہا ہے اور نہ ہی کوئی چھٹکی بنی دیوار سے لگی سونے کی کوششوں میں تھا۔ اس وقت تو سب کنکین کا

لوگوں کی زبانیں چلتی رہتی ہیں۔“ مادرا جو کہ دیوار سے ٹیک لگائے سونے کی کوشش میں تھی ان سب کی باتوں سے تنگ آ کر چچی۔

”تم رات کو پہرہ نہ دیا کرو اور اس وقت انسانوں کی طرح آرام سے سویا کرو۔“ انشین نے بھی نخوت سے جوابی وار کیا۔

”کون سا دن ہوگا جب تم صبح کے وقت سونے کا مشغلہ ترک کرو گی۔ رات کو مکمل غیند لیا کرو تو دن میں چھٹکی کی طرح دیوار سے چھٹنے کی نوبت نہ آئے۔“ عاصمہ بھی انشین کی تائید میں بولی۔

”تم لوگوں کی طرح پی ٹی وی پر آٹھ بجے کا ڈرامہ دیکھ کے سو جایا کروں، رات کے دو بجے اٹھ کے آسمان کے تارے گنا کروں اور صبح چھ بجے تک فیند سے آنکھ چھوٹی کھیلتی رہا کروں۔“ وہ ہمیشہ سے ان کے اس معمول سے تنگ رہی تھی اور بے نقط سنا بھی دیا کرتی تھی۔

”ساری رات تم لوگوں کی طرح خراٹے نہیں مارتی بلکہ مطالعہ کرتی ہوں۔ کچھ پڑھنے کا شوق ہوتا تو لوگوں کو رات اور مطالعے کا سنگم پتا چلے۔“ اس نے ہمیشہ کی طرح دو ٹوک جواب دیا اور ساتھ رکھے بیک سے ”یہ چاہئیں یہ شدتیں“ ناول نکال لیا۔

”بڑا نیک کام ہے ناں جو تم کرتی ہو ناظر پہلے ہی نہیں آتا اور پھر سے مطالعہ کا شوق چڑھا رہا ہے۔“ ثمرانے بھی حسب معمول بحث میں اپنا حصہ ڈالا۔

”باقی سب کچھ ایک طرف محترمہ پڑھتے ہوئے باقاعدہ آنسو بہا رہی ہوتی ہیں۔ ایک تو کسی ناک اور پھر سے موٹی سرخ کر کے ہمیں ڈرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔“ علیہ کو تو ناظر سے خاص دشمنی تھی اور اس کی باتیں اندر کی جلن نکالنے کے لیے کافی ہوتی تھیں۔

”اچھا ٹھیک ہے آئندہ کہنا ہمیں کوئی کہانی سناؤ کوئی پیار محبت کی داستان سننے کی فرمائش کرنا تم لوگوں کا منہ توڑ دوں گی۔“ وہ بھی غصے سے کہتے ہوئے منہ پھیر گئی اور دوبارہ سے ”سمعان“ اور ”زرش“ کی محبت میں گھوٹی۔ ان سب نے بھی

راستہ بھی بھولے ہوئے تھے۔

”اے بہارو..... گولہ رہتا..... ہم سب نے واپس آنے کی قسم کھائی ہے.....“

صدف لہک لہک کر اپنے واپس آنے کی نوید سناری تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو سب اس کی آواز کو داد دیتے مگر اس وقت تو سخت سوگ کا عالم تھا۔

لگ جا گلے کہ پھر یہ

حسین دن ہوتا ہو

شاید پھر اس کلاس میں

ملاقات ہونہ ہو

بادرانا دل گلے سے لگائے، گانا گاتے ہوئے تان بننے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

ہم کوئی ہیں آج یہ

گھر یاں نصیب سے

جی بھر کے دیکھ لیجئے

ہم کو قریب سے

پھر آپ کے نصیب میں

یہ بات ہونا ہو

ان سب نے ایک دوسرے سے گلے ملتے سر بلند کر دیئے تھے ساتھ ہی آنکھوں سے ان دیکھے آنسو بھی صاف کیے۔

”اب قدر آئی میرے ڈائجسٹ اور نالز کی۔“ وہ عینک کو واپس ناک پہنکاتے ہوئے بولی۔

”پہلے کب ہم ان سے سون جیسا سلوک کرتے رہے ہیں، اب تمہاری طرح کتابوں میں رکھ کے نہیں پڑھ سکتے تو ہمارا کیا تصور؟“ مقدس فوراً بولی۔

”بس چپ کر جاؤ تم لوگ تو ہر وقت لڑائی کے لیے تیار رہتی ہو۔“ علیہ منہ چڑاتے ہوئے سیزر جیوں پہ بیٹھ گئی۔

”ہم کب لڑیں؟ ہم تو پیار سے بات کر رہی ہیں۔ تمہارا دل ہی کرتا ہے کہ ہم زرش اور سمعان بنی رہیں۔“ مقدس نے اسے فوراً جواب دیا۔

”چلو اب آخری دفعہ آزادی سے کشمیر کے سمو سے کھا

لیں ورنہ تو پتا نہیں چلتا سمو سے کتاب پہ رکھنا ہے یا کتاب سمو سے پتہ۔“ ایشین ایک گھٹنے میں دس دفعہ کھانے کی بات نہ کر کے اس کی انرجی ضائع ہونے کا خدشہ رہتا تھا۔

”ہاں..... چلو سب چلتے ہیں۔“ اس بار سب نے ہی اس کی تائید کی۔

”ارے واہ آج ساری پلٹن اس کشمی آگئی۔“ کشمیر والے انکل بھی انہیں دیکھ کر ان حد خوش ہوئے کیونکہ ان سب سے باتوں کے دوران ان کا وقت اچھا گزرتا تھا۔

”انکل جی سولہ سمو سے اور ٹھنڈی پیپسی کی آٹھ بوتلیں۔“ انہوں نے آڑ کر کیا اور گروینڈ کی ایک سائڈ پیہ آکر بیٹھ گئی۔

”چل ماورا ایک آخری کہانی ہو جائے۔“ ثمرانے پھر سے فراموشی پروگرام جاری کیا۔

”ارے چھوڑو کہانی، میرے ذہن میں ایک خیال آرہا ہے۔“ اس نے کہنے کے ساتھ پہلے کن اکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر سرگوشی والے انداز میں اپنا خیال انہیں بتائی لگی۔

”خیال تو اچھا ہے۔ چلو سب مل جل کے کر لیں گئے۔“ سب نے قراوداد پاس کی اور گراؤنڈ میں بیٹھ کر مزے سے پیٹ پوجا کرنے لگیں اور ساتھ ہی ایک نئی کہانی شروع ہو چکی تھی۔

☆☆☆.....☆☆☆

وسیع و عریض میدان میں دھوپ کا راج تھا۔ موسم اچھا خاصا بدل چکا تھا۔ اب دھوپ میں کھڑا ہونا مشکل امر تھا مگر کیا کہیں اس پڑھائی کو جس نے اتنی دھوپ میں گرم فرش پہ بٹھا رکھا تھا۔ فوراً تھکائی ہوئی ڈیٹ شیٹ آجگئی تھی، پچہر نہ بہت نزدیک تھے اور ایسی سلسلے میں لگا تار ٹیٹ جاری تھے ان کی باہمی کوشش سے ٹیٹ پاس کرنے کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے کالج کے گروینڈ میں بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ سب ایک قطار میں بیٹھی تھیں مگر فاصلہ ملتا تھا کہ کچھ بھی پوچھنا محال تھا۔ ماورا کو تو خاص طور پر دور بٹھایا گیا تھا کیونکہ وہ کچھ زیادہ ہی مدد کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

”ماورا تیرے سوال کا جواب کیا ہے؟“ آواز آئی تو اس

نے سراٹھا کر دیکھا، دوسرے سیکشن کی لڑکی اس سے کچھ پوچھ رہی تھی۔

”مصطفیٰ“ اس نے کہہ کر سر جھکا لیا۔

”یہ تاہم تو پورے سلیپس میں کہیں بھی نہیں ہے، تم کہاں سے بتا رہی ہو۔“ وہ لڑکی جیسی آواز سے دوبارہ بولی۔
 ”سلیپس میں نہیں ہے مگر میرا کہنے ناول کا ہیرو ضرور ہے۔ آچل پڑھا کرو ناولق پھر تمہیں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ اس نے آرام سے تفصیلی جواب دے کر سر دوبارہ ٹیٹ پہ جھکا لیا۔ وہ کیا بتاتی جب اس کے اپنے دماغ میں ناول گھوم رہا تھا جب کہ مقابل لڑکی گہرے شاک کی زد میں تھی۔

ٹیسٹ ختم ہوا تو ان سب نے کلاس کا رخ کیا۔

آج ہی وہ خاص دن تھا جس کی منصوبہ بندی وہ اپنی جلا وطنی کے آخری دن میں کر چکی تھیں۔ شرانے خاموشی سے مقدس کو اشارہ کیا تو وہ باہر نکل گئی اور باقی ساری بھی جلدی میں شروع ہو گئیں۔ چند لمحوں میں کلاس روم کا نقشہ بدل چکا تھا۔ ساری کرسیاں دیواروں کے ساتھ لگا دیں اور ڈاس جو کہ اچھے طریقے سے عاصمہ نے سجا دیا تھا درمیان میں رکھا گیا، مقدس کنٹین کی فریج میں رکھا گیا ایک اٹھالائی اور ڈاس پہ رکھ دیا۔ علیہ اور اشہین نے برتن اسٹاف روم سے لانے کا انتظام کیا جب کہ شمر اور صدف کلاس روم کی کھڑکیوں پہ پردہ ڈال رہی تھیں کہ باہر سے کوئی اندر کی ہمرگرمیاں دیکھ نہ سکے۔ ساری کلاس ڈاس کے گرد کھڑی تھی۔ ایک کے اوپر خوب صورتی سے ”سالگرہ مبارک پیارے آچل“ لکھا تھا۔ ایک کے اوپر کیڈنل لگائی تھی۔ سب نے ل کر ایک کا نا اور کمرہ تالیوں سے گونج اٹھا۔

پپی برتھ ڈے آچل

پپی برتھ ڈے پیارے آچل

پپی برتھ ڈے

کئی لمحے کانوں پر ڈی آواز سنائی نہیں دی اور پھر بلورانے آٹچ پہ کھڑے ہو کر آچل سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔
 ”جیسے ننہ کیوں تو چین مجھے آتا نہیں ہے

ایک تیرے سوا کوئی اور مجھے بھاتا نہیں ہے
 نہیں مجھے پیار ہوا تو نہیں ہے“

ماورا کے ساتھ سب نے سر ملائے اور یہی سب کی محبت تھی۔

اچانک ہی میم لپٹی کلاس میں داخل ہوئیں اور ان سب کی اس حرکت پر پہلے حیرت سے پھر غصے سے ان سب کو دیکھا۔ وہ سب کی سب بولکھلائی گئیں فوراً سمجھ میں نہیں آیا کیا کریں تو جلدی سے ایک میم کی طرف بڑھا دیا۔

”تم سب کبھی سدھر نہیں سکتیں، جاتے جاتے بھی قوانین تو زنا تم لوگوں نے ضروری سمجھا۔“ سر اشفاق بھی اس وقت کلاس روم میں آئے اور میم لپٹی بنار کے بول رہی تھیں۔

”میم آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے۔ ہم نے تو اب کچھ بھی نہیں کیا۔“ وہی معصومی آوازیں نکلی۔

چند لمحے میم انہیں غصے سے گھورتی رہی تھیں اور پھر ہاتھ سے انہیں جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ سب منہ لٹکائے باہر آ گئیں۔ سب کے تاثرات یوں تھے جیسے کالے پانی کی سزا ہو گئی ہو۔ آپ مذاق نہ سمجھے گا اس دفعہ تاثرات درست ہیں کیونکہ اب کی بار ان سب کی رول نمبر سلیپس پہ قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے گھروں میں بھی کالز کر دی گئی تھی۔

اب ہمارا انجام آپ تصور کی آکھ سے دیکھ کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں مگر ہم بھی کوئی موقع ہاتھ سے خالی نہیں جانے دیتے ہم نے بھی اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے اپنا دوسرا ناول سوچ بھی لیا ہے۔

(الحمد للہ مسلسل اشاعت کہ
 چالیس سال مکمل)



ایک ننگہ نگار

ریحانہ آفتاب

خوشبوؤں کا اک نگر آباد ہونا چاہیے
اس نظام زر کو اب برباد ہونا چاہیے
ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ و بازار میں
عدل کو بھی صاحب اولاد ہونا چاہیے



میں پردہ وہ سائیں بیچتے ہیں

بظاہر جو غبارے بیچتے ہیں

عبدالحمید غباروں کو اپنے کندھے پہ چائے کڑا تھا اس کی عمر بچپن کے لگ بھگ تھی۔ یہ ایک فوڈ اسٹریٹ کے منظر تھا جہاں مختلف کھانے تیار ہو رہے تھے۔

بڑی بڑی گاڑیاں آجاری تھیں۔ بچوں کی ٹافیاں جا کلپٹس بیچنے والا اپنا ٹھیلہ لپیٹے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ ماں باپ کی نظر بچا کر بچوں کو چیزوں کی طرف متوجہ کر رہا تھا جو اس کے ٹھیلے پہ لگی ہوئی تھیں۔

فقیر نے اپنی مخصوص جگہ پہ بٹھی اپنی آمدن میں اضافے کی نیت سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس ریٹائرڈ کے باہر عبدالحمید بھی سالوں سے کھڑا ہوتا تھا۔ دن بھر اسکول میں چڑھائی کی ذمہ داری ادا کر کے سر مشاہد وہ اس عجیبے ریٹائرڈ کے باہر غباروں کا ڈھیر اٹھائے کھڑا ہوا جاتا تھا۔ لو کہ وہ کام مرض لائق تھا اب سائیں بیچنے کا کام اس کے لیے وقت طلب تھا مگر عرصہ ہوا ان غباروں میں اب اس کی جوان بیٹی اپنی سائیں بھر رہی تھی۔ وہ رات بھر میں غباروں کا ڈھیر تیار کر دیتی تھی۔ اس کے چھوٹے سے گھر میں ان غباروں کے باعث چھوٹے موٹے دھماکے ہوتے رہتے تھے۔ باقی جو غبارے بیچ جاتے انہیں بیٹی پہلے ہی چھوٹے سے ہاس میں تیار کر کے کھدیتی تھی روز بڑھ دوسوی آمدن ہوتی جاتی تھی۔ پہلے وہ بارہ بجے تک گھر لوٹ جاتا تھا لیکن پچھلے کچھ مہینوں سے وہ دو بجے کے بعد ہی جاتا تھا جب ریٹائرڈ بند ہونے لگا اور گاڑی کی امید ختم ہو جاتی۔

ایک بڑی سی گاڑی اس کے قریب کی گئی گاڑی سے عام سی شکل و صورت والی عورت نکلی۔ اس کے لپٹنے کے ساتھ ہی مچھلی سیٹ سے پانچ سالہ بچی بھی برآمد ہوئی تھی۔ مرد گاڑی کو پارک کرنے لگا تھا۔ عورت اور بچی سائیڈ پر پارک کر مرد کا انتظار کرنے لگیں تھیں۔ بچی اس کے بہت قریب تھی جب ہی رنگ برنگے غبارے دیکھ کر مچھل گئی۔

”مما بلون۔۔۔ بلون۔۔۔“ بچی ضد کرنے لگی۔ عبدالحمید کے ہاس کو اچھل اچھل کر چھوٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ بچی کے اشتیاق کو دیکھتے عبدالحمید نے ہاس کندھے سے نیچے کر دیا۔

”بیٹا! اندہ بہت سارے بلون لکھوئے ہیں آپ کے لیے آج آپ کی سالگرہ ہے۔ میں نے اپنی بیٹی کے لیے اندہ بڑی اچھی چلاوت کر دی ہے۔“ سمجھت بچی کا ہاتھ پکڑنا چاہتی تھی۔

”لیکن مجھے یہ بلون بھی چاہیے ماما بلون چاہیے۔“ بچی سفید پیش قیمت فرماک میں سر پہ تاج سجائے بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ عبدالحمید بچی کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔ لیکن عورت کو غائب عبدالحمید کی یہاں موجودگی کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی تب ہی اس کے چہرے پہ بے زاری آگئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے عبدالحمید کو گھور کے دیکھا جیسے بچی کو بے قابو کرنے میں وہی قصور وار ہو۔ عبدالحمید اس کے تیز دیکھ کر کچھ ہمہ سہا گیا تھا اس کی مسکراہٹ سن کر بچی تھی۔

”چلیں! اندہ“ اسی اثناء میں گاڑی پارک کر کے مرد بھی گاڑی سے نکل آیا تھا۔ بچی اب ماں کی طرف سے مایوس ہو کر باپ سے ضد کرنے لگی تھی۔ باپ نے بھی ماں کی بات دہرائی لیکن بچی کی خند سے ہار گیا۔

”دو بھئی بلون! جو یہ مانگ رہی ہے۔“ مرد نے بے زاری سے عبدالحمید سے کہا۔

”سارے اندہ ہے۔۔۔ آپ منجھٹ سے مل کے کھد بیچے گا پہلے ہی سب کچھ اے دن ہوتا چاہیے۔۔۔ آج میری بیٹی کی سالگرہ ہے۔۔۔ کوئی کئی نہ رہے آج کی دعوت میں۔۔۔ لائیو آرکیسٹر!۔۔۔ کھانا سوٹ ڈشز۔۔۔ سرؤں۔۔۔ کسی چیز میں بھی۔۔۔“ عبدالحمید بچی کو غبارہ پسند کر رہا تھا اور عورت مرد کو تنبیہ کر رہی تھی۔

”مجھے پتا ہے بیگم۔۔۔ پہلی بار تو کوئی تا کر رہا ہوں اپنی بیٹی کی سالگرہ۔۔۔ ہاں اس بار یہ ہے کہ تم نے ڈشز کی تعداد میں اضافہ کروا ہے۔۔۔ بل میں لاٹھوں کا اضافہ ہوگا۔ اس بار لوگ بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔“

”پیسوں کی فکر مت کریں! کون سا روز روز دعوت کرتی ہوں۔۔۔ ایک دن کی تو دعوت ہے۔۔۔ سارا سال آخر آپ کما تے کس کے لیے ہیں۔“ عورت نے ٹیکس درست کرتے اٹھلا کر ہاتھ مرد دسکر لایا۔

”ایک غبارہ نہیں لکھا ابھی تم سے؟“ مرد عبدالحمید کی طرف متوجہ ہوا۔

”دے دیا صاحب۔“ عبدالحمید نے بچی کی طرف اشارہ کیا جو غبارے لکراتے جہاز کی طرح اڑانے کی کوشش میں مگن تھی۔

”اچھا اچھا۔۔۔ کتنے پیسے؟“ مرد نے فوراً والٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”دس روپے صاحب۔“ مرد والٹ کھولے آگے پیچھے اس

کے اندر جھانک رہا تھا پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں سے والٹ بھرا ہوا تھا عبدالحمید نے والٹ پہ پڑنے والی غیر لاری لگا دی بٹائی۔
”تمہارے پاس ہیں دس روپے؟“ مرد نے پوچھا ہو کر عورت سے دریافت کیا۔

”میرے پاس کہاں سے آگئے دس روپے میں تو صرف کارڈ لے کر نکلتی ہوں۔“ عورت نے شاندار انداز میں کہا۔ وہ بہت عام سی لکھی گئی اس کا پہناؤ اور انداز اسے بہت خاص بنا رہا تھا۔
”بھئی ایسا ہے کہ ہمارے پاس کھلے نہیں ہیں ہم واپسی میں تمہیں پیسے دیں گے تم تک یہاں پہنچو؟“ اس نے عبدالحمید سے استفادہ کیا انداز بگلتا میسر تھا جیسے جلد از جلد اندر جا کر اپنی عزیز بیٹی کی تقریب کا آغاز کرنا چاہ رہا ہو۔

”کوئی بات نہیں صاحب۔۔۔۔۔۔ آپ اندر جائیں میں ابھی ہوں یہاں۔“ عبدالحمید نے جلدی سے کہا۔ وہ ایک باپ اور بیٹی کی خوشی کے بیچ رہ کر مزید ان کا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا تھا اسے خبر تھی بیٹی کی خوشی کے لیے باپ کتنا بے چین رہتا ہے۔ عبدالحمید کی دریا دلی پہ دونوں اس پر سرسری نگاہ ڈالتے اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ دربان نے انہیں دیکھ کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر چلے گئے اور عبدالحمید ہمیشہ کی طرح اس دروازے کو بار بار بند اور کھلتے دیکھتا رہا۔

عبدالحمید ابھی گھر جانے کی سوچ رہا تھا۔ ابھی اس کے پاس چند غبارے بچے تھے مگر ان کا خریدنا تاہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب تو ریٹورٹ بھی بند ہونے کی تیاری ہونے لگی تھی۔

”بھئی آج کی دعوت تو ہمیشہ یاد رہے گی۔ بہت اچھا انتظام کروایا تم نے۔۔۔۔۔۔ کھانا تو بے حد لذیذ تھا۔“ اسی وقت وہی عورت اور مرد لوگوں کے ساتھ آتے نظر آئے۔۔۔۔۔۔ وہ اپنے مہمانوں کو رخصت کر رہے تھے اور مہمان جاتے ہوئے کھانے پینے کی تعریف کرتے الوداعی انداز میں کہہ رہے تھے جب سب چلے گئے تو دونوں میاں بیوی اور بیٹی رو گئی۔

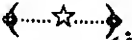
”دیکھا سب کیسے متاثر ہو کر گئے؟ آپ کہہ رہے تھے ایک دن کی دعوت پاتا سب کچھ کراؤ۔“ عورت دلا دلا رہی تھی۔
”جی بیگم ہاں لایا آپ کو۔“ مرد نے سر کر کہا تب ہی اس کی نظر عبدالحمید پہ پڑی۔

”ارے ہاں تمہارے دس روپے۔“ مرد کو بے ساختہ یاد آیا۔ اس نے والٹ نکالا تو اب کے اس میں دس کا نوٹ نکل آیا۔ شاید بل کی ادائیگی پہنچ گئے ہوں گے۔

”یہ بوجھی قسمت سے دس روپے مل گئے تمہارے۔۔۔۔۔۔ شاید تم اسی کے انتظار میں رکے ہوئے ہو اب تک۔“ مرد نے دس کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو جانے کیوں عبدالحمید کو فزٹ نفس پہ چوٹ محسوس ہوئی۔

”میں دو بجے تک ہوتا ہوں جب تک ریٹورٹ کھلا رہے بس ابھی جا رہی رہا تھا صاحب۔“ وہ جانے کیوں بلبلاتا عزت نفس پہ صفائی دے رہا تھا لیکن اس کی سینے والا کون تھا مرد گاڑی نکالنے چلا گیا اور عورت خون پر مصروف تھی عبدالحمید نے بیٹی کو دیکھا وہ مسکراتے ہوئے اس کے غباروں کو دیکھ رہی تھی عبدالحمید نے ہنس بھینچ کر اور آخری چار غبارے نکال کر بیٹی کے ہاتھ میں تھما دیے تھے۔

”سنگھ مبارک ہو گڑیا۔“ وہ ریٹورٹ سے دور جانے لگا تھا عورت نے فون سے نظر ہٹا کر عبدالحمید کے عمل کو دیکھا۔



دروازہ عبدالحمید کی غم گسار بیوی سعیدہ نے کھولا تھا۔ جو ہر سرگرم میں اس کا ساتھ بھائی آتی تھی۔

”آج پھر دیر کر دی تم نے۔ کیا ضرورت ہے اتنی دیر لگانے کی۔۔۔۔۔۔“ سعیدہ اس کی بوڑھی بڑبڑوں کا خیال کر کے فکر مند رہتی تھی۔

”وقت تو دینا پڑے گا سعیدہ۔۔۔۔۔۔ پیسے جو پورے کرنے ہیں لیکن آج کی آمدن ملا کر بھی دو ہزار کم ہیں۔۔۔۔۔۔ کل تک کیسے دو ہزار پورے ہوں گے؟“ عبدالحمید مزے مزے کرے دس دس کے نوٹوں کو سیدھا کر کے آج کی آمدن گن رہا تھا اس کے چہرے سے فکر مندی ظاہر ہو رہی تھی۔

”گتے مہینوں سے پیسے جوڑنے کے باوجود کی رہ گئی۔“ عبدالحمید سر پکڑ کر میٹھا رہا۔

صبح اس کے گھر چل پھل ہونے والی تھی۔ اس کی بیٹی کی شادی تھی۔ نکاح جمعہ کے بعد تھا۔ مہینوں سے وہ بیٹی کی شادی کے لیے دیگ بنانے کے لیے بیسے جوڑ رہا تھا لیکن دس کو کی دیگ کے بیسے نہیں رہے تھے ابھی بھی دو ہزار کم تھے۔

”تھوڑا گوشت کم کرو ادیں ان تھیلوں میں ہو جائے گا۔“ سعیدہ نے مہاں کو تنگ کر دیکھا تو فوراً اصلاح دی۔

”نہیں لوگ باتیں بنائیں گے میری بیٹی کو سسرال میں طعنہ سننا پڑے گا کہ باپ نے صرف بریلی کھائی اور اس میں بھی گوشت نہیں تھا۔“ عبدالحمید انکاری ہوا۔

سباں گل راحت وفا عفت محرّ نادیدہ فاطمہ رضوی کہتے عبد اللہ سے شکوہ کر دیتی تھیں کہ انہوں نے اب کم کم آمنا شروع کر دیا ہے آئی کے شکوے پر وہ مسلسل یقین دہانی کروا رہی تھیں کہ اتنے ایسا نہ ہوگا۔

جنگ انجم عوان عاکشہ پرویز ریحانہ اعجاز نے بھرپور خوشی کا اظہار کیا کہ اب مزہ آئے گا جب یہ ساری راسخوں دو بارہ سے آئیں گی۔ شکوے شکایات کے بعد فیصلہ ہوا کہ آج کل کو گفٹ دیئے جائیں تو کیک کا ناجائز..... خریدہ فریڈیا سین کنول نے شور ڈال دیا کہ ہم نے بھی گفٹ دینا ہے ان کے گفٹ دیئے کی دیر تھی کہ فیصلہ آباد سے ارم کمال دعائے سحر عمل ہمارے خوب صورت سوٹ گفٹ دیئے۔

جزا نوالہ سے کوثر خالد اپنے ساتھ ابن ابن شہزادی کمرل اور دوسری بہت سی قارئین کی ساتھ خوش کوثر کا تحفہ لائیں ملتان سے حرا قریشی انجم زہرہ اور دوسری لڑکیوں کی نمائندہ بن کر آئیں اور خوب صورت الفاظ میں آج کل کی تعریف کر کے اپنا حق ادا کر گئیں، بھانگلگر سے پروین افضل اور دوسری لڑکیوں نے کہا ہم تو پہلے ہی اپنا سب سے خوب صورت تحفہ آج کل کی نظر کر چکے ہیں نازی دے دی اس سے بڑا کوئی تحفہ ہوگا آئی نے ان کا بے حد شکریہ ادا کیا، انیلا طالب کو جرنالہ سے سمیرا شریف طود کا نام لے کر آئیں، اقراریات نورین مسکان طیبہ خاور سلطان محترمہ یونس، اقرار جٹ، جاذبہ عباسی اپنے اپنے علاقوں کی بہترین چیزیں لے کر آئیں، پھر میری باری آئی میں چوکی کی ہر خاموش قاری کی نمائندہ بن کر گئی اور پھولوں کے شہر کی سب سے خوب صورت سوغات ہر رنگ ہر نسل کے پھولوں کے گلہ سے پیش کیے۔ جن کی خوشبو سے سارا ہال مہک اٹھا سب نے خصوصی شکریہ ادا کیا..... اتنے میں طلعت آغاز کیک لائیں تو آج کل کے کیک کاٹنے سے پہلے ساری ٹیم کو بلوایا گیا، روین احمد بیوٹی گائیڈ دے کر خوب صورتی میں اضافہ کر رہی تھیں اور شہلا عامر ہاتھ میں آئینہ لیے خوب صورتی کا یقین دلاتی پھرتی تھی، ہما احمد دوستوں میں دوستوں کے پیغام وصول کر رہی تھی میوز روہان ایمان وقار نے اپنی خوب صورت آواز میں اشعار گنگنائے تو آج کل نے ہم سب کی تالیوں کے دوران کیک کاٹنا بھی کیک

کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ ڈاکٹر طلعت نظامی، آپ کی صحت آپ کی صحت کی گردان کرتے چلی آئیں، ہم سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا جب شاملہ کاشف اپنے مخصوص انداز میں چلنے چھوڑنے لگیں..... حنا احمد بھی ”کام کی باتیں“ کرتی آئیں اور علیہ احمد نے ”ہمارا آج کل یہ پیارا آج کل ڈائجسٹوں میں سب سے حسین آج کل ہمارا آج کل اتنی خوب صورت آواز میں گایا کہ مزہ آ گیا اور پھر جویرہ سالک نے ان تمام لمحات کو یادگار محلوں میں تبدیل کر دیا، روین علی اور مدیحہ نورین پوچھ رہی تھیں مزہ آ؟ مجھے تو آج کل ہاؤس میں بہت مزہ آ یا اس سے پہلے کہ ہم آخر میں سبلی لیتی آئی اور مشتاق صاحب کی نظر آج کل کی دوسری جانب گئی جہاں آج کل کے کچھ دوست وقاص عمر بنگر، سید عبادت کاظمی، قدیر ناظمین، محمد عرفان، کامران خان جیسے کچھ مرد حضرات گہری سوچوں میں غرق تھے کہ آج کل نے ہمیں بلوایا تو کیا ہے مگر اتنی لڑکیوں کے درمیان ہماری دال ملتی نظر نہیں آتی۔ جب مشتاق صاحب نے ان کو بلوایا تو وہ منہ لٹکائے آگئے۔ (اتنی لڑکیوں میں ہم کہاں کھڑے ہوں) ہم سب لڑکیوں نے مشترکہ طور پر یک زبان ہو کر آج کل کے کان میں سرگوشی کی ”بے چارے“ پھر ہم نے سب سے آگے ”آج کل افق“ حجاب“ کو کھڑا کیا پیچھے ساری ٹیم حلقہ، بھولال، امبر گل کو اپنے آگے اور ایک یادگار سبلی سمیٹنی اور یہ خوب صورت تقریب اختتام کو پہنچی۔ اب اس تقریب کی تصاویر آپ سب میری فیس بک وال پر ضرور دیکھیے گا۔

(الحمد لله مسلسل اشاعت کھ
چالیس سال مکمل)



محکم دلائل سے مزین

مکمل مباحثات

سب کو بلند آواز سلام کیا اور ساتھ ہی آچل میں جھگڑائی اپنی تحریر کا درشن کروایا۔

”اف یار ایسی ہوتی ہے تحریر.....“ صائمہ نے تحریر بڑھ کر اپنی رائے دی اور ساتھ ہی منہ بنا کر لگا بیٹی وی پر مرکوز کر دیں۔

”یہ کیا لکھا ہوا ہے اگر لکھنا ہی تھا تو کم از کم ہم سے مشورہ تو کر لیتیں ہم تمہیں کچھ خاص بتاتے.....“ یہ اس کی کزن پلس ہونے والی بھابی نے کہا تھا سدرہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

”ہاں مجھے بھی کچھ خاص نظر نہیں آیا تحریر میں غالباً ان کاغذوں میں پنہاں تمہاری محبت کو محسوس کر کے یا پھر ان سے اپنی محنت کی داد دی ہے چل جو بھی ہے اس طرح تیری آچل سے دلی محبت تو اور بھی بڑھ گئی ناں۔“ دونوں نے ہنسنے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ تعریف نہیں کرنی تھی تو نہ کر تیں تنقید کے تیر بھی نہ چلا تیں۔ ساری خوشی و جوش ان کے بر فیلے جلوں کی بے حس سے اڑن چھو ہو گیا جو مان و محبت اپنے دامن میں سیپے ان کی سلطنت میں آئی تھی سب وحشت و ادا کی نظر ہو گیا۔

ان کے بے حس جلوں کی بدولت اس کی بادامی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں جو جھل دل سنبھالے آہستہ آہستہ تیر حیاں اترنے لگی بظاہر تو آنسو گالوں پر پھسل رہے تھے پھر دل کیوں بیگیا بیگیا سا ہو رہا تھا..... دکھ کی برسات میں۔

☆.....☆

وہ ہاتھ میں پانی کا جگ لیے روم میں سونے کے لیے آئی جہاں آبی اپنے ہاتھ کے جلے ہوئے حصے پر مرہم لگا رہی تھیں۔

”آبی ہاتھ اور پاؤں جل جائیں تو لوگ مرہم لگا لے ہیں دل جل رہا ہو تو کیا کرنا چاہیے.....“ کمرے کی خاموشی میں اس کی مدد آواز آئی کی سماعت سے ٹکرائی۔ تو انہوں نے چہرہ اٹھا کر تاک سیکڑ کر سو گئیں کی ایکٹنگ کی۔

”بھئی کس کا دل جل رہا ہے مجھے کیوں محسوس نہیں ہو رہا یا پھر ان دنوں میری سو گھنے کی حس کمزور پڑ گئی ہے۔“

”میں سنجیدہ ہوں۔“ جیلہ نے منہ بسورا۔

”اچھا مگر امی نے تو تمہارا نام جیلہ غزل رکھا تھا یہ سنجیدہ

دست نازک میں آچل کا نیا شمارہ تھا سے نگاہوں میں خوشی کا ایک جہاں آباد کیے آبی نے اسے دیکھتے ہی وہیں سے آواز لگائی۔

”جیلہ..... او جیلہ غزل تیری تحریر آچل میں جلوہ افروز ہوئی ہے.....“ وہ بھاتی ہوئی آئی اور بڑی وارفتگی سے ”آچل“ کو دیکھا اور نگاہوں سے بوسہ دیتے مسکرائی بارہا اسے نام کو ٹٹولا ”جلت“ بے یقینی پھر خوشی چہرے پر درقصاں ہوئی تو آبی سے لپٹ گئی اور کودنے کا فحش بھی جاری ہو گیا۔

”کیا کر رہی ہو بیڈ توڑنے کا ارادہ ہے یا بیڈ سے چھٹا لگ کر خودکشی کرنا چاہ رہی ہو۔“ آبی نے احساس دلایا تو کودنے کا سلسلہ موقوف کر کے ای کامو بائیں اٹھایا اور جھٹ اپنی دوست کو کال ملائی۔

”بھئی کیسی ہو پاکیزہ.....“ خوشی سے چپکی دوسری جانب پاکیزہ کی ہنسی بھری آواز ابھری۔

”یار میں نے آچل میں تمہاری تحریر پڑھی کیا بونگی سی تحریر لکھی تھی تم نے۔“ نہ سلام نہ دعا جس چٹختی تھی وہ جو اسے خوش خبری سنا کر اس سے دوا سنبھالنا چاہتی تھی الٹا اس کے منہ سے بات سن کر دل پر اڑاں پر کی تھی۔ فوراً کال کاٹ کر اسے لعنت و ملامت کرنی بیڑ حیاں پھلاتی چچی کی طرف آئی۔

”چچی جان..... چچی جان..... ارے کہاں ہیں آپ.....“ آچل تھا چپے سے تر از نظر دل سے اطراف میں نگاہ دوڑائی تو چچی ہاتھ پوچھتی کچن سے برآمد ہوئیں۔

”کیا بات ہے کیوں شور مچا رہی ہو؟“

”چچی یہ دیکھیں میری اسٹوری آچل میں آئی ہے۔“

ساتھ ہی آچل بھی خوشی سے دکھایا۔

”ہاں بھئی تجھے اور کام ہی کیا ہے بس کہانیاں ہی پڑھنی اور لکھنی ہیں تیری ماں نے تجھ سے کون سا کام کروانا ہے۔“ وہ نخوت سے سر جھٹکتی پھر سے کچن کی جانب چل دیں۔ خود کو حوصلہ دلا سہ دیتے اس نے لائونج کی جانب قدم بڑھا گئے جہاں اس کی سدرہ صائمہ ڈرامہ دیکھنے میں مجھ تھیں۔ اس نے

پُر نور کرتی جاری تھی اس کا چہرہ کسی مادرِ باری روشنی سے چمک رہا تھا۔ بہت سی قارئین نے اس کی تحریر کو سراہا تھا اور ساتھ ہی مبارک باد بھی دی تھی۔ خوش کیا ہے اور خوش ہونا کے کہتے ہیں اس وقت کوئی اس سے پوچھتا جس شے کو بانی کے لیے وہ ہے قرآن تھی وہ تعریفی سند اسے آچل سے مل گئی تھی وہ اندر تک شامت ہوگئی خوشی سے دیکھنے لگا بی گال اس کی دلی کیفیت کی بھرپور نشاندہی کر رہے تھے۔

”مجھے تم سے پیار ہے میرے آچل جانو.....“ آچل کو بخور دیکھا اور پھر اسے گلے لگائے انھیں بچ کر خود سے زور سے بھینچ لیا۔

☆.....☆.....☆

نہایت انہماک سے وہ رائیگ ٹیلی بریٹھی قلم اور کاغذ تھامے مطالعہ آچل میں محو تھی دروازہ کھلا اور آبی اندر داخل ہوئیں۔ چونک کر انہیں دیکھا اور قمراس پر رنگ بکسیر رہی تھی۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ اس کے سر پر ہنچ کر آبی نے پوچھا

سر اٹھا کر اس نے انہیں دیکھا۔

”چاہنے والوں کی چاہت کا جواب محبت و عقیدت سے لکھ رہی ہوں..... یہ دیکھیں آچل فریڈز..... طیبہ یوسف صدیقہ بلبل گل بہار رشید پر دین افضل شاہین مونا شاہ قریشی فوزیہ سلطانہ مدیحہ کنول سرور زین مسکان فریدہ فری مدیحہ نورین آفرات ممتاز شبنم کنول عزہ یونس آفرات لیاقت عائشہ رحمن غوثی اکرم آفرات جنت فوزیہ شربت ام شامہ شازیہ ہاشم ہاجرہ کشف مون قریشی سمیرا سواتی کرن شہزادی سمیعہ کنول شہزاد بلوچ تمنا بلوچ عابدہ زیا حسن ملالہ اسلم مارن سیال عنبر فاطمہ فیاض اسحاق نجم انجم حنا رشدر قریہ ناز شارسول کوثر خالد انیلا طالب عائشہ پروین صائمہ مشتاق میزاب جاریہ عباسی اویہ احمد طیبہ خاور ماریہ کنول اسما گل رابعہ شاہ روشنی وفا پارس شاہ دعا قریشی رومانہ قریشی پرسنہ اتوارم کمال بنت سحر فائزہ بھٹی ثمرانہ مانو فائزہ جہانزیب نصرت خان حنا اشرف نادرا طلحہ عباسی نورا المائل منورہ عطا صائمہ سکندر طاہرہ منورہ ایند حسینہ راج ایس..... سب کے محبت و خلوص کے پیرا میں لیے پیتاموں کو انہیں پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی استفسار کیا۔ ”کیا بتانے آئی تھی؟“ آبی نے اس کے جوشیلے انداز کو ملاحظہ کیا

کس نے رکھ دیا۔“ وہی ازلی شرارت مسکراتا لہجہ اسے خوش دیکھنے کے لیے اوٹ پٹانگ بولنا..... جیلہ نے کچھ کہا نہیں بس کھلی سے تنکیر درست کیا اور لینے کی تیاری کی۔

”آہ کیا ہوا منجیدہ جی..... آپ تو شاید سونے لگیں۔“ آبی نے ہنسنے لپٹی مسکراہٹ کنٹرول کی اور بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ کر بخور اس کی سمت دیکھا۔

”مجھے لگتا ہے تم نے ان لوگوں کی باتوں کو دل سے نکال لیا ہے جو لوگ خود کچھ نہیں کر سکتے ناں تو وہ دوسروں کو بھی کچھ کرنا نہیں دیکھ سکتے..... اس لیے وہ تعریف کی بجائے تنقید سے کام لیتے ہیں تو میری پیاری بہن ایسے لوگوں کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دینا چاہیے بہت آسان حل۔“ جانے وہ مطمئن ہوئی یا نہیں لیکن اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کتنے دن یوں ہی گزر گئے وہ اوپر چڑی کے پورشن میں بھی نہیں مگنی تھی ابھی کچھ دیر پہلے اماں نے اسے چچی کے یہاں طلوہ دینے کا حکم صادر کیا اسے امی کے نخی پن پر پیش آ رہا تھا وہ لوگ تو کبھی خیریت تک نہیں پوچھتے ماسوائے چاچو کے اور امی کچھ بھی پکاریں جب تک اوپر نہ بھیج دیں ہنسنے نہیں ہوتا ان سے..... بھلا ایسے ہوتے ہیں اپنے جن سے دوسروں کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی نہیں دیکھی جاتیں۔ اپنے تو اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ میٹھی باتوں کو دل جذبوں کی اعلیٰ اخلاق سے لیکن یہ اپنے تو بس نام کے اپنے ہیں سوچوں میں غرق چار پانی پر پڑتی وہ ایک ہی نقطے پر سوچ رہی تھی۔ معاً اس کی نگاہ علی پر تھی جو مسکراتا ہوا اس کی جانب آیا اور سبزی کے شاپر سے آچل نکالے اس کو حیرت میں ڈال کر مسکرائی لگا ہوں سے داد طلب کرنے لگا۔ بند ہونوں کے باوجود بھی خوشی کی ایک تحریر اس کی آنکھوں میں روشن ہوئی۔

”تھنک یو سوچ۔“ بھائی آچل تھا اسے منوں نظروں سے بھائی کا شکر یہ ادا کیا۔ ”بھائی کچن میں آپ کے لیے طلوہ رکھا ہے وہ بھی کھا لیں اور چچی کو بھی طلوہ دے آئیں۔“ علی اکی کو آواز لگا تا شایر زکڑے چن کی جانب چل دیا۔ اپنا کام اسے سوپ کر مطمئن ہو کر آچل مگنی میں مصروف ہوئی۔ جیسے جیسے وہ پڑھتی جاری تھی ایک الوبی چمک آنکھوں کو

ساتھ ہی آنکھوں میں بے پناہ محبت سموئے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں میں نہ کہتی تھی محبت رنگ دیتی ہے اور محنت رنگ لاتی ہے، ایک نقطے کے رد و بدل سے دونوں یکساں ہو جائیں تو دونوں میں انٹ نفوذ رہ جاتے ہیں۔ واویلا زبردست۔ بچوں کی طرح اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے اپنے روم کی طرف جانے لگی۔

”آؤ تمہیں کچھ دکھانا ہے۔“

”کیا دکھانا ہے؟“ جمیلہ نے حیرانگی سے پوچھا۔ اس کا انداز اتنا ہوشیار تھا کہ آبی نے مہذبانہ طریقے سے اسے چیز پر ہشیا جھٹ اسی کو بھی بچن سے ہمت نہ کیا۔ پھر الماری سے ایک نکال کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا جس پر ڈرائی فروٹ اور کریم سے آبی لوہ لکھا تھا۔

کیسے بھول سکتی ہوں جانو

ہاتھ میں آج کل نگاہوں میں شوخ نگارہ

مجھے یاد ہے جانو.....!

تیس اپریل سن دو ہزار اٹھارہ!

تمہاری اور آج کل کی سالگرہ کا دن اب جلدی سے ایک شریف پر چھری پھیرو۔

”اودہ سو سویت۔“ خوشی میں اس کے گلے میں ہانپیں ڈال کر اس کے گال پر بوسہ لیا۔ محبت کے اس عظیم الشان مظاہرے پر آبی نہال ہو گئیں۔ دونوں کو خوش دیکھ کراہی کے دل سے ان کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا نکلی۔ آج جمیلہ کی سالگرہ تھی اسے سر پر انڈ دینے کے چکر میں بیچ سے بچن میں ایک بنانے کے جن کے اسے کافی ٹھہرا لیا تھا لیکن جمیلہ کے اس درجہ محبت نے اسے اندر تک سرشار کر دیا تھا۔

”یار میری اور آج کل دونوں کی سالگرہ ہے تو پھر تم نے آج کل کا نام کیوں نہیں لکھا۔؟“ جمیلہ نے فحشی سے امی کی سمت دیکھ کر تائید چاہی۔

”ہاں بھئی آج کل کا نام کیوں نہیں لکھا؟“ امی نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

”اودہ بھول گئی۔“ آبی نے سر پر ہاتھ مارا اور بچن سے کریم لے آئی۔ ”لو اب لکھ لو۔“ جمیلہ نے بڑی خوب صورتی سے آج کل لکھا۔ سویت ایک پرانی لوہا آج کل بہت سویت لگ رہا تھا۔

”آج کل کی سالگرہ پر ایک کون کاٹا ہوگا جمیلہ تمہاری

قصر آبا سعیدہ آبا تمہارے اکل مشتاق احمد یا طاہر احمد۔“ امی نے بچوں کی خصوصیت لہجے میں سموئے بہت اشتیاق سے پوچھا۔

”پتہ نہیں امی غالباً سارا آج کل و حجاب اسٹاف مل کر زبردست طریقے سے سالگرہ منانا ہوگا۔“ چشم تصور میں آج کل اسٹاف کو کیک کھاتے ہوئے دیکھا اور مسکرا کر چھری اٹھائی۔

”اب کاٹ بھی دو تمہیں پتہ ہے مجھ سے انتظار کرنا ناممکن ہوتا ہے۔“ جمیلہ نے کیک کاٹ کراہی اور آبی کو کھلایا اور پھر کیک کو چار حصوں میں کاٹ دیا۔ یہ امی ابو علی کے لیے اور یہ والا حصہ ہم دونوں کے لیے۔ آبی نے اثبات میں سر ہلایا۔

”امی..... بھائی کو نہیں بتایا ناں..... کہیں وہ ناراض نہ ہو جائیں، کیک بہت میٹھا ہے آبی۔“

”مطلب.....؟“ آبی نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”مطلب یہ ہے میری پیاری آبی کہ میٹھا کھاتے ہی انسان کا موز خوشوار ہو جاتا ہے اور مٹھاں بھری زبان سے فحشی بھری باتیں نہیں کی جا سکتیں سو تمہیں اگر یہ خدشہ لاحق ہے کہ بھائی سالگرہ میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے ناراض ہوں گے تو یہ سراسر غلط فہمی ہے۔“

”اچھا بی بھالو..... بڑی باتیں آگئی ہیں تمہیں دیکھ لیں امی آپ کی بیٹی بہت سیانی ہو گئی ہے۔“

”آؤ خر کو ایک عرصہ گزارا ہے چاند جیسے دوست آج کل کے ساتھ۔ اب تو باتیں کرنی ضرور آئیں گی۔ کیوں امی جان ٹھیک کہاناں میں نے۔“

”ہاں میری تو دونوں بیٹیاں ہی بہت سمجھدار ہیں۔“ امی نے آگے بڑھ کر دونوں کو گلے لگایا تو دونوں نے ماں کی ہاں میں ہاں ملائی، واقعی محبت کا رنگ بہت گہرا ہوتا ہے۔ چاہے اس کی کوئی بھی صورت ہو۔

الحمد لله مسلسل اشاعت کہ

چالیس سال مکمل



ہونیکا

طبعیتِ انسانی

بھوک

بھوک کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ Appetite سے لیا گیا ہے جس سے مراد کسی چیز کی خواہش ہے۔ بھوک ایک قدرتی خواہش ہے جو کہ ہر جاندار میں موجود ہوتی ہے اور یہی خواہش خوراک کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔
بھوک کا تعلق خون میں موجود گلوکوز کی سطح سے ہوتا ہے عام طور پر گلوکوز کی سطح خون میں 80mg سے 120mg تک ہو خون میں شکر یعنی گلوکوز کی سطح جیسے ہی اپنی عام سطح سے نیچے چل کر رہتی ہے اس کی اطلاع دماغ کے ایک حصے Hypothalamus میں موجود مراکز تک جاتی ہے جو کہ احساس بھوک پیدا کرنے اور مشغور کرنے سے متعلق ہے۔ یہ مرکز بالترتیب Society اور centre کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

جب خون میں گلوکوز کی سطح گر جاتی ہے تو اسی وقت Appetite سے Ampules معدہ تک جاتے ہیں اور معدہ میں ایک خاص قسم کی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے Hunger Pain شروع ہو جاتا ہے اور ہر گھنٹہ کھانے کی طلب یعنی بھوک پیدا ہو جاتی ہے جب خون میں گلوکوز کی سطح معمول کے مطابق ہو جاتی ہے تو یہ اطلاع Satiety centre تک جاتی ہے جو کہ معدہ آپس تک جاتی ہے جس کی وجہ سے معدہ کی حرکت اختتام پزیر ہو جاتی ہے اور بھوک کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

انسانی جسم میں گلوکوز کا کردار:-

غذا کی طلب انسان کے جسمانی اور نفسیاتی ضرورتوں کا لازماً حصہ ہے۔ بعض اوقات بھوک اس قدر تیز اور بے قابو ہو جاتی ہے کہ دل پہ کچھ بھی کھانے کو چل جاتا ہے۔ یہی کیفیت کچھ طاری ہوتی ہے سائنس نے اس بارے میں تحقیق سے جو کچھ ثابت کیا ہے اس کے پیش نظر انسان کی تخلیق کے وقت ہی اس کے جسم میں ایسی چیزوں کی طلب و رغبت ڈال دی جاتی ہے جتنا تجربہ ہر شخص خواہ وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ہو اسے شریکِ ایشیا دیگر خوردنی لوازم میں زیادہ مطلوب و مرغوب ہو جاتی ہیں سائنسی اصول کے مطابق ہی انسان جب بھوک کے ہاتھوں بے قرار ہوتا ہے تب بھی اس کے جسم میں شفا کی مقدار کم ہونے کے باعث اس کی اشتہا یعنی بھوک عروج پہ ہوتی ہے جو اسے خوراک پر پکڑ کر بڑے پر مجبور کرتی ہے سائنس نے اپنے دعوئی کی دلیل کے لیے بتایا ہے کہ گلوکوز اپنے ہی زبان پر اکر چینی کا

ایک دانہ رکھ دیا جائے تو وہ بال تامل و تردد اسے چوسنے کی کوشش کرے گا۔ قصورِ حقیقت یہ ہے انسان کے حواسِ خمسہ کے ایک جزو قوتِ ذالقی کی طرف سے زبان پر رکھے چینی کے دانے کی خیر ایک مضبوط اعصابی تار کے ذریعے دماغ کی قوتِ محسوس کو ملتی ہے چنانچہ ذہن اور دماغ بچے کو دانہ چوسنے کی ہدایت کر دیتا ہے اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ شفا اور شریکِ ایشیا اس کی جبلی خواہشوں میں شامل ہے انسانی خوراک کے بارے میں ماہرین نے جو رائے دی ہے اس کے پیش نظر بھی اس کی بے قابو اشتہا کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی چیزوں کے علاوہ مٹین اور چکنائی والی اشیاء بھی انسانی جسم کی ضرورت ہیں اگرچہ بیٹھا اہمیت کے لحاظ سے ان میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ تینوں چیزیں انسانی بدن کے لیے ناگزیر ہیں ان سے فراہم ہونے والے حرارے اور کیکلوریز پروٹین اور کاربوہائیڈریٹس کی شکل میں انسان کو توانائی مہیا کرتے ہیں چنانچہ ماہرین کے مطابق چینی، نمک اور چکنائی میں سے کسی ایک کی کمی کسی مقدار غذائی طلب اور اشتہا کو بڑھا رہی ہے یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ بچے کو بڑے یکساں طور پر چاکلیٹ اور چپس پسند کرنے ہیں دفاتر اور سفر میں بھوک کے قوری اڑنے کے لیے بھی انہیں ہی استعمال کیا جاتا ہے اس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی اشیاء کے علاوہ نمک اور چکنائی ملی چیزیں جسم کو قوری توانائی مہیا کر کے غذائی ضروریات پورا کرتی ہیں عام طور پر دیکھا گیا ہے ہائی بلڈ پریشر کی صورت میں چینی کا ایک پیچ اشتہار خون کو متوازن کر دیتا ہے جبکہ جدید تحقیق کے مطابق بھوک کے محرک دماغ میں موجود بعض نیوریل بھی ہوتے ہیں، ان میں دو نیوریلز بہت ریتا شہ اور اشتہا کو دو چند کرنے میں دور اثر دماغ کا ایک نیوریل گالا لین انسان کو بھوک کے معاملے میں بے حوصلہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی کارکردگی سے انسان کھانے میں کچھ بھری تاخیر برداشت نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ "نیو پینٹا ڈیوالی" بھی دماغ کا پاسی نیوریل ہے اس کی ذمہ داری تو جسم میں "کاربوہائیڈریٹ" کی شرح کو متوازن رکھنا ہے مگر بعض اوقات اس کے افعال کا رد و جز بھی بھوک کو چمکانے میں معاون ثابت ہوتا ہے بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ بھوک کی شدت اور کھانے کی طلب ان دونوں نیوریلز کی ہر منہ ہوتی ہے دماغ میں گالا لین کی مقدار کی نوعیت مختلف انسانوں میں مختلف ہوتی ہے چنانچہ جن لوگوں میں گالا لین کی سطح بلند ہوتی ہے وہ بسیار خوردنی نہیں بھوک کے معاملے میں بڑے بے صبر بھی ہوتے ہیں اگر انسان کو ان نیوریلز کے بارے میں علم ہو تو وہ بھوک کی شدت میں باؤلا ہونے کے بجائے نیوریلز کے افعال پر غور کرے سائنس دان اور ماہرین غذا کا کہنا ہے کہ بھوک کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے چنانچہ جبلی اشتہا پر آئے تو انسان بھی چیزوں کی طلب زیادہ کرے گا ہر شخص کو

ابھن بھی بھوک کم کرنے کا سبب بنتی ہے معدے کی رسوائی بھی
 بھوک کی کمی کا سبب بنتی ہے اگر معدے میں اسریتنی دھم ہو تو
 بھی بھوک کم ہو جاتی ہے جب مریض میں جذباتی خرابی یا
 جائے یا اس میں اسریتنی کی حالت ہو تو بھی بھوک میں کمی
 ہو جاتی ہے۔

بھوک کا بڑھ جانا (Bulimia)
 زیادہ تر بھوک، ذہنی خرابی اور بھوک کی زیادتی عام طور پر اعصابی بیماریوں کی نشاندہی کرتا ہے مثلاً اس میں پیٹ بھرنے کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

غیر فطوری خوراک کی خواہش :-
یہ مرض ذہن اور فکر کے فطری حوالیہ کو خارج ہونے سے
متاثر کر دے اور حجابِ انفرادی کی طرف موجبات سے جو کہ کتنا
سے عاری ہوں اور محسوس ہونے والی ہوں یہ عام طور پر حاملہ
عورتوں اور بچوں میں پایا گیا ہے۔ میں پایا جاتا ہے مثلاً کتے کی
سینٹ کی مانند اور ریت وغیرہ کا استعمال یا بعض کو کسی مخصوص
خوراک سے نفرت ہو جائے۔

آزیم، میکیم..... مٹھائی کھانا پسند نہ کرے۔
انکار نہ کر..... ایسی اشیا جو قسم نہ ہو سکے۔
کمکم بکا کر..... جاگ باقی کھانے کی خواہش۔

اپنی جسمانی قوتوں سے خبردار رہا ہونے کے لیے دن میں ایک ہزار حرکیات کی ضرورت ہوتی ہے ان کی عدم فراہمی کی صحت میں وہ تحیف و زہر ہوجاتا ہے مگر جو بھی اس کے مطلوبہ حرارے سے مل جائیں وہ ایک مندف ہوجاتا ہے اور حرکیات کی تیزی سے قوت رسائی کا کام صرف یہی اشیاء ہی کرتی ہیں عورتوں کے ہارمونز میں مابینہ ترسیم بھی خوراک کے اجار چڑھاؤ سے ہوتی ہے نسوانی ہارمونز کا اسر و جن بڑھ جاتا ہے تو خواتین کے دماغ میں کالائین کے مقدر میں اضافہ ہوجاتا ہے نتیجتاً ان کی بھوک کی شدت بڑھ جاتی ہے اور بعض اوقات ڈانٹیک کی شوشن لڑکیاں بھی خوراک پر ٹوٹ پڑتی ہیں عورتوں میں بھی چیزیں مردوں کی نسبت زیادہ پسند کی جاتی ہیں اس کی وجہ بھی ہارمونز کی ہی کلیر فرمائی ہے ایسی کیفیت عموماً تو عمر لڑکیوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ سن بلوغت کا پہلی ہیں محل کے دوران بھی عورتوں میں ہارمونز کے اجار چڑھاؤ میں اضافے سے بھوک کی شدت اور اشتہا بڑھ جاتی ہے۔

یہو کی کمی Anorexia
 بھوک کا احساس ختم ہونا یا کم ہونا مندرجہ ذیل صورتوں کی ہے،
 پر ہوتا ہے منہ یا حلق کی سوزش معدہ و آنت کا السر، معدہ کی
 سرطان، خون کی کمی، تپ دق، معدہ کی چھلکی کی سوزش کوئی نفسیاتی

حشہ قبائلی

طالعہ آفتاب

اسٹیشن ڈوڈی کا حلوہ

اجزاء:-

لکھنیش یعنی

7 عدد

بادام پیسے ہوئے

7 عدد

دو کپ

سو جی

چار عدد

چھوٹی الائچی بیس لیں

7 عدد

کا چر پیسے ہوئے

ایک کپ

اصلی مٹی

سوا کپ

چینی

ترکیب:-

سو جی کو تین کپ پانی میں ۳۲۳ گھنٹے کے لیے بھگو دیں اس کا پور پانی تھار لیں ایک کڑھائی میں مٹی گرم کریں اس میں سو جی ڈال کر مسلسل جھج چلاتے رہیں حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی گھٹلیاں ہی بن جائیں رنگت ہلکی لگانی ہو جائے اس میں چینی ملا دیں اور مسلسل چلاتے رہیں حتیٰ کہ سو جی چینی کو جذب کر لے ان گھٹلیوں کو جھج چلاتے ہوئے توڑ لیں اس میں بنز الائچی پسی ہوئی بادام لکھنیش کا جو ملا دیں اب کوئنگ ہلکی آئج پر کریں گرم گرم حلوہ رو کریں۔

جی کنول خان..... موی خیل

”پیٹھے کا حلوہ“

اجزاء:-

پٹھا

ایک کلو

مٹی

ڈیڑھ پاؤ

چینی

ڈیڑھ پاؤ

کھویا

ایک پاؤ

سبز الائچی

بارہ عدد

کیڑہا چاندی کا ورق

حسب پسند

ترکیب:-

پیٹھا چھیل کر کدو کش کر لیں۔ اب اس کو پانی میں ڈال کر جو لہے پر چڑھا دیں تاکہ کھل جائے آئج ہلکی گرمیوں اور پانی خشک ہونے دے۔ جب پانی خشک ہو جائے تو چینی ڈال دیں

اور بھونٹی جائیں۔ یہاں تک کہ چینی کا پانی بھی خشک ہو جائے اب کڑھائی میں مٹی ڈال کر گرم کریں جب کڑھائی گئے تو الائچی کے دانے ڈال دیں۔ مزید گرم کریں اور جب دوبارہ کڑھائی گئے تو پیٹھا ڈال کر بھویے۔ جب خوشبو آنے لگے اور پیٹھے کا رنگ سنہری مائل ہو جائے اور حلوہ مٹی چھوڑنے لگے تو اس میں کھویا کیڑہ اور بادام ڈال کر اتار لیں۔ پیش کرنے سے پہلے چاندی کے ورق سے سجادیں۔

طیبہ سعید..... گوجرانوالہ

قیمہ آلو کباب

اجزاء:-

آلو

دو عدد

ہر اوضیا پودینہ

حسب ضرورت

تیل

تلنے کے لیے

ہری مرچ

دو سے تین عدد

اورک لبس کا پیسٹ

دو کھانے کے کچ

لال مرچ

کئی ہوئی آدھا کچ

نمک

حسب ذائقہ

قیمہ

آدھا پاؤ

زیرہ

تھوڑا سا

انار دانہ

تھوڑا سا

ترکیب:-

پہلے پین میں تیل گرم کر کے اورک لبس کا پیسٹ نمک اور قیمے میں تھوڑا سا پانی ڈال کر سوتے کر لیں۔ اب آلو کو کباب لیں پھر ان میں ہر اوضیا پودینہ ہری مرچ نمک لال مرچ زیرہ اور انار دانہ ڈال کر مکس کر لیں تیار کیا ہوا قیمہ آلو میں ڈال کر مکس کریں اور کباب بنائیں پین میں تیل ڈال کر کبابوں کو کھڑی کر لیں مزہ سدا قیمہ آلو کباب تیار ہیں۔

ایس این شہزادی..... جرنوالہ

چائیر رائیہ

اجزاء:-

شملہ مرچ

آدھی کئی ہوئی

پاز سلاٹس میں کئی ہوئی

ایک عدد

بند کھجی کدو کش کی ہوئی

ایک چھانٹی کپ

دہی

ڈیڑھ کپ

نمک اور کالی مرچ

حسب ذائقہ

کھیریز سے بنادیں۔

ترکیب :-

دہی کو اچھی طرح پیسٹ لیں، پھر اس میں شلہ مرچ پیاز
بند کو بھی نمک اور کالی مرچ ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں اور
ٹھنڈا کر کے سرد کریں۔

مارہ طفیل..... حافظ آباد

پائن اپیل ایک

اجزاء :-

ایچ کیک

چار باباچ انڈول کا

پائن اپیل

200 گرام

پائن اپیل جوس

200 گرام

فریش کریم

300 گرام ٹھنڈی کی ہوئی

آئسنگ شوگر

100 گرام

پائن اپیل اسنس

چند قطرے

ترکیب :-

ایچ کیک کو درمیان سے ایک بڑی چھری کی مدد سے دو
حصوں میں کاٹ لیں۔ ایک حصہ کو ایک پلیٹر پر لگا دیں پائن
جوس کو برش کی مدد سے ایچ پر لگائیں۔ کریم اور آئسنگ شوگر کو
بیٹر سے خوب پیسٹ لیں اور فلیور ڈال دیں تیار کریم ایچ پر
پھیلا دیں اور دوسرے حصے کو اس پر رکھ دیں۔ دوسرے حصے کی
اوپر والی برش پر برش کی مدد سے پائن اپیل جوس لگائیں پائن کریم
ٹاپ لگائیں اور اسٹیل ٹائف سے صفائی سے پھیلا دیں۔ پیپر
کون کی مدد سے پھول والے ٹوئل کے ذریعے ایک کے اوپر
خوبصورت پھول بنائیں۔

پھول کے اوپر پائن اپیل پیس سے گارلش کریں۔ لیجے
پائن اپیل ایک تیار ہے۔

نوٹ: پائن اپیل کی جگہ آپ اورنج بھی لے سکتے ہیں۔

جویریہ ضیاء..... کراچی

دودھ دلار

اجزاء :-

دودھ

ایک لیٹر

وینلا کسٹرڈ پاؤڈر

دو کھانے کے چمچے

انناس

چار سرائس

چمچ (چھوٹے سائز)

دس عدد

زکین سویاں

دو کھانے کے چمچے

جیلی (دورنگ کی)

آدھا کیکٹ (الگ الگ بنالیں)

چینی

75 گرام

چیکو

دو عدد

کیلے

چار عدد

محسن عزیز حلیم..... کوٹھاکلاں

بلیک فارسٹ کیک

اجزاء :-

انڈے

چار باباچ

چینی (پسی ہوئی)

95 گرام

کارن فلوئر

ایک کھانے کا چمچ

میدہ

138 گرام

بیکنگ پاؤڈر

ایک چائے کا چمچ

مکھن (بھنا ہوا)

ایک چائے کا چمچ

پانی (تیز گرم)

چار کھانے کے چمچے

ٹوکو پاؤڈر

ایک کھانے کا چمچ

چیری یا کس فروٹ

آدھا ٹن

ترکیب :-

انڈوں کو خوب پیسٹ کر آ، ہسکی سے چینی ملا تے ہوئے
دس منٹ پیسٹیں میدہ کارن فلوئر ٹوکو پاؤڈر بیکنگ پاؤڈر کو ملا
کر تین بار چھان لیں اور لکڑی کے چمچے کے ساتھ آہستہ آہستہ
کر کے مرکب میں ہلکے ہاتھ سے ملا دیں۔ مکھن گرم پانی میں
ملا کر مرکب میں شامل کر دیں 160C پر 35 سے 40 منٹ تک
بیک کریں اور پھر تیار ہونے کے بعد ٹھنڈا کر لیں اور تین حصوں
میں کاٹ لیں۔

کوٹھانگ :-

ایک کھانے کا چمچ ٹوکو پاؤڈر اور ایک کھانے کا چمچ شوگر ایک
اونس مکھن اور ایک کپ پانی میں ملا کر ہلکی آ آج پر پکائیں حتیٰ کہ
گاڑھا ہو جائے۔

نصف ڈبے کی چیری کو باریک کاٹ کر ایک چمچ آئسنگ
شوگر ملا کر ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک بیکٹ تازہ کریم
کو خوب پیسٹ کر آدھا کپ آئسنگ شوگر ملا دیں اور اس میں
کٹی ہوئی چیری ملا دیں۔

اب کیک کو ٹھنڈا ہونے کے بعد تین حصوں میں کاٹ
لیں۔ پہلے میں فلینگ بھر کر دوسرا حصہ اوپر رکھ دیں دوسرے حصے
میں فلینگ بھر کر تیسرا حصہ اوپر رکھ دیں اور اس پر کوٹھانگ کی لگا

ایک کپ
چندہ عدد
ایک کپ
ایک پاؤ
آدھا سپون

سوگھارودھ
باوام
چینی
کھویا
الاچھی

آوهایاؤ
ووعو
آوهایاؤ

انگور
آم
تازه کریم
ترکیب:-

سب سے پہلے جلی کے آدھا آدھا پکٹ الگ پکائیں اور
جننے کے لیے رکھیں۔ چم چم کو نیم گرم پانی میں ڈال کر اس
کا شیرہ چھڑو دیں۔ تمام فروس کو آدھے آج کے سائے میں کاٹ
لیں۔ دودھ کو ابال کر اس میں نیلین سویاں ڈال دیں اور پتیلی
ڈھک کر ہلکا آگ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ سویاں مکھ جائیں تو
کسر پڑاؤڑ کر کاؤکی پیالی پانی میں کھول کر دودھ میں ملا دیں اور
چینی بھی ڈال دیں۔ ابال آنے پر چھلے پر سے اتار کر ٹھنڈا
کر لیں۔ پھر اس میں تمام فروس چم چم تازہ کریم اور جلی بھی
ملا دیں۔ فریج میں ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

صبا ایشل..... بھامگو وال

خوبانی کا بیٹھا

اجزاء:

آدھالیٹر
ایک پاؤ
تین چھٹانک
دو کھانے کے چمچے

دودھ
خوبانی
چینی
ونیل کسٹرڈ
ترکیب :-

خوبانی صاف کر کے رات کو بھگو دیں۔ صبح جھٹکلی نکال کر ڈیڑھ یا دو پانی ڈال کر ہلال لیں۔ جب خوبائیاں خوب گل جائیں تو انہیں کاچ کی خوب صودت ڈس میں نکال لیں۔ خوبائیوں کی کھٹیاں توڑ کر نکال لیں اور انہیں جھیل کر خوبانی کے آمیزے پر تبادلیں۔ دودھ ہلال کر اس میں چینی ڈال دیں۔ اب تھوڑے سے ٹھنڈے دودھ کو ایک پیالی میں لے کر کسٹر ڈھولیں۔ اچلے ہوئے دودھ میں چھچھو چلاتے جائیں اور کسٹر ڈالتے جائیں۔ ہلال آنے پر چوبل بند کر دیں۔ کسٹر کو خوبانی کے آمیزے پر ہستہ سے ڈال دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر پیش کریں۔

ماوراء طلیحہ..... گجرات

گاجر کا حلوہ

از: -

ۛۛ

ایک کلو

از: _____

انڈے
دسی گھی
کھویا
زردے کا رنگ
چینی (پسی ہوئی)
الاجھی پاؤڈر
کیوڑہ

ایک درجن
آدھا کپ
ڈیڑھ کپ
ایک چٹکی
ڈیڑھ کپ
آدھا چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
گازٹنگ کے لیے

پادام

ترکیب:

پالے میں انڈے چینی الائچی پاؤڈر اور زرد رنگ ڈال کر اچھی طرح پیسٹ لیں۔ کڑھائی میں بھی گرم کر کے کھلائیں اور انڈوں کا سچر ڈال کر چھچھ چلاتے رہیں اتنی دیر پکائیں کہ انڈے دانے دار ہو جائیں۔ اس میں کھویا ڈال کر بھونیں کھویا کس ہو جائے تو میوہ ڈالیں اور سرونگ ڈش میں نکال کر باہم اپتے سے گلاش کر کے گرم گرم مہر کریں۔
کرن خیرا دی..... فیصل آباد

الحمد لله مسلسل اشاعت کہ
چالیس سال مکمل



ہسٹری کلک

روبین احمد

ادویات و مکمل کے استعمال کو سرے سے ترک کرنے کے ساتھ ساتھ کوشش کو بالکل ترک کر دیا جائے اور اس کی جگہ پانی پر سکون ملے نیند اور متوازن خواب کا استعمال شروع کر دیا جائے تو اس نسخہ سے چاہے مکمل طور پر نہیں لیکن فرق تو ضرور محسوس ہوگا۔ اگر آپ پورانی اس پریشانی سے نجات پانا چاہتی ہیں تو آپ کو اسے اپنی مامک کے ساتھ کچھ خاص قسم کے میڈیکلڈ کا استعمال بھی کرنا ہوگا لیکن اس کے لیے آپ کو ایک ماہر پیشہ اور میڈیکل کیمیا ایسپرٹ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی ویسے تو ان کا اثر دل تک رہتا ہے لیکن اگر آپ اپنی پیشہ کی رائے کے مطابق لائف اسٹائل اپنا سہ تو اس کا دورانیہ مزید بڑھ جائے گا چاہیں pedglyco کی جگہ pedgold کا استعمال کریں کیونکہ یہ آپ کی آنکھوں کے نیچے کی جلد میں اچھی طرح جذب ہو کر حلقوں کو چھپانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

میک اپ کی مدد: حلقوں کی پریشانی کو وقتی طور پر چھپانے کے لیے میک اپ کا سہارا لیا جاسکے تاکہ چہرے کے جموی تاثیر کی ناخوشگواریت کا خاتمہ کیا جاسکے اس مقصد کے لیے لکسیر آپ کا بہترین دوست ثابت ہوگا اس کو اپنی رنگ نمبری مدد ہے آنکھوں کے نیچے اور ناک کی ارن لائن پر جو آنکھ سے جا کر ملتی ہیں ہلکے ہلکے آنکھوں سے لگا میں اور انہی لگائیں چھٹی آپ کو ضرورت ہے لکسیر کو یوں لگائیں کہ اس سے اچھا نتیجہ ملتا ہے اور آپ کے حلقے چھب جاتے ہیں اگر آپ کے حلقے کا لے رنگ ہے تو اپنی نایل جلد کے رنگ سے ہلکے رنگ کے لکسیر کا استعمال کریں اور اگر آنکھ کے نیچے کا حصہ چھلا ہوا ہے تو گہرے رنگ کے لکسیر اس کے حلقے کا لکسیر کا استعمال کریں اس کے علاوہ نیچے کی طرف کی پلکوں پر مسکارے کا استعمال بند کر دیں، جب گہرے باہر پلکوں کو سن گلاسز کی مدد سے اپنی آنکھوں کو سورج کی روشنی سے محفوظ رکھیں کسی بھی تقریب سے واپس آ کر فوراً ہی آنکھوں کا میک اپ یہاں تک کہ کاٹل بھی صاف کر دیں ویسے بھی رات کو سونے سے پہلے ہر قسم کا میک اپ صاف کر کے منہ دھو کر سونا چاہیے ورنہ میک اپ مصنوعات میں شامل بیسیک اور دیگر معزز اجزاء چہرے کی جلد خاص طور پر آنکھوں ہونٹوں وغیرہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ڈرل فلرز: اندر کی طرف دھنی ہوئی آنکھوں میں حلقوں کا مسئلہ زیادہ ہی نمایاں ہو جاتا ہے کیونکہ اس طرح کی آنکھوں میں ہمارے آنسو چہرے اور آنکھ کو ملانے والے حصے میں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس جگہ کی کھال مخصوص انداز میں ابھر جاتی ہیں اس کے لیے ڈرل فلرز کا استعمال کر سکتی ہیں اس کے علاوہ آنکھوں کے نیچے حصے میں می واپس لانے کیلئے ہائیڈریشن یعنی جلد کو نمی بھر پور مقدار فراہم

آنکھوں کی خوب صورتی کو ہمیں بچانے کے لیے آنکھوں کے نیچے حصے کو ہائیڈریشن اور کی معیاری و مستحکم کریم یا ماسک آئی جیل کے استعمال کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنائیں۔ میک اپ چاہے کتنی ہی مہارت سے کیوں نہ کیا گیا ہو مگر میک اپ کا یہ سبب انداز بھی آنکھوں کے نیچے موجود سیاہ حلقوں کی وجہ سے چہرے کو خوب صورتی فراہم کرنے سے قاصر رہتا ہے حلقوں کی بنیادی وجہ نیند کی کمی اور پانی کے مناسب استعمال میں کوتاہی ہے بعض خواتین تو ہر سکون نیند سے کر حلقوں کی پریشانی سے نجات پانے میں کچھ خواتین کی طرح کے چہرے کے بعد بھی ان سے نجات حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہیں آنکھ کھینچنے کی نیند اور پانی کا مناسب استعمال سے یوں تو حلقوں کی پریشانی کا سادہ سا حل ہے تاہم آنکھوں کے نیچے پڑنے والے حلقوں سے نجات کے کچھ طریقے اس مضمون میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

علامات: حلقوں کی اصل وجہ کافی نیند ہی نہیں بلکہ تھکن اور بوجھ کی وجہ سے جلد پر مرمی و کمزوری کا شکار ہو جاتی ہیں اور حلقے نمایاں ہونے لگتے ہیں آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں ہونے کی دیگر اور بہت سی وجوہات بھی ہیں جن میں الرجی آنکھوں کو نہایت سختی سے متاثر کرنا منظر کی ایک دم سے زیادہ وزن کم ہو جانا یا کیزیمیا اور پیشہ وغیرہ کو بھی شکار کیا جاتا ہے ہماری آنکھوں کے نیچے کی جلد قدرتی طور پر پکی اور تازہ ہوتی ہے اور بعض لوگوں میں تو یہ ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہوتی ہیں آنکھ کے نیچے کا حصہ باریک شریانوں سے گھرا ہوتا ہے یہ جلد کا نہایت حساس حصہ ہوتا ہے جسم میں دو گنا ہونے والی تبدیلیوں کا ظہور سب سے پہلے یہیں ہوا کرتا ہے جیسے کہ جسم میں خون کی کمی اور غذائی اجزاء کے فقدان سے لاکھ ہونے والی کمزوریوں کا اثر نمایاں طور پر آنکھوں کی زیریں جلد کی سطح پر مرمی اور اس جگہ کی جلد کی رنگت کے سیاہ پڑنے یعنی حلقوں کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وجوہات: آنکھوں کے زیریں حصوں میں نمایاں ہونے والے سیاہ حلقوں کے نمودار ہونے کی وجہ چاہے کوئی بھی ہو لیکن ان کا نظر آنا خوش آئند بات نہیں ہوتی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لکسیر کیا ہے؟ لکسیر جس کے ذریعہ اس سے چھٹکارا پایا جاسکے ہم اپنی زندگی میں کھڑی بہت صحت مند تبدیلیاں پیدا کر کے سیاہ حلقوں کی پریشانی پر قابو پاسکتے ہیں یعنی شہ آور

کرتے ہوئے اسے بہتر انداز میں منیجر ایئر کئے پر بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ انھوں کے نیچے لگانے والی کسی اچھی کریم یا پام آئی جیل کے استعمال کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنائیں، دوسرے تو پچیس سال کی عمر کے بعد فرد کو اس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اگر آپ احتیاط کریں گی تو زیادہ عرصے تک محفوظ رہ سکیں گی۔

فیٹ کرافٹنگ: اس کو چہرے کے کسی عناصر کی تشکیل پذیری یا فیٹل فیٹ ریکوویریشن بھی کہتے ہیں اس طریقہ کار میں راتوں اور اس کے اوپر سے حصے میں موجود فاضل چکنائی کو ہاں سے نکال کر ہماری آنکھوں کے نیچے والے حصے میں داخل کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ جگہ اس وقت ہو جائے اس کے علاوہ اس چکنائی کو چہرے کے دیگر حصوں کو اٹھانے یا بھرنے کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں مثلاً ناک اور منہ کے گھڑے بھرنے کے لیے یا پھر گال اور ہونٹ وغیرہ کے لیے، اس کے علاوہ ایک اور طریقہ کار تمام عمر کی خواتین کے لیے مناسب رہتا ہے خاص طور پر Pigmented اسن کے مریضوں کے لیے فائدہ مند ہے جس میں ایک خاص دوائی کو آنکھوں کے نیچے والے حصے میں داخل کیا جاتا ہے تاکہ وہ چکنائی تک پہنچ سکے جس سے حلقے ختم ہونے لگتے ہیں۔

تھریپری: اس تھریپی میں انتہائی کاسٹیک تھریڈ کو پھر لائن کے اطراف میں داخل کیا جاتا ہے اور پھر ایک دم سے اٹھ کر دوسرے سے لڑا جاتا ہے پھر جلد کو اس انداز میں حرکت دیتا ہے جس سے آنکھوں کے نیچے کاربک ہلکا پڑنے لگتا ہے اور حلقے ماند پڑنے لگتے ہیں۔

گلاؤنگ ایڈوائس: اسے چونکہ آنکھوں کے نیچے کی جلد برنگا جاتا ہے اس لیے اس کو پرنسپل ڈراماوسٹ کی زیر نگرانی ہی استعمال کریں تاکہ وہ آپ کے سیاہ حلقوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بات کا اندازہ کر سکے کہ اس کی کتنی مقدار آپ کے لیے بہتر رہے گی یہاں خواتین کے لیے زیادہ ضروری رہتا ہے جن کے حلقے ختم ہونے سے ضرور ہوتے ہوں اور ان کا دوری ازالہ ممکن ہو۔

لیزر تھریپی: یہ کوئی نئی ٹیکنالوجی نہیں ہے لیکن بہت کم لوگ اس کے بارے میں جانتے ہیں اس کے ذریعہ آپ کے حلقوں کی جگہ کو چمکداریا جاسکتا ہے اس کے علاوہ پھر یوں اور پھر سے کے پھولے ہوئے حصوں کو بھی بہتر کیا جاسکتا ہے لیکن اس ٹیکنالوجی کا استعمال بہت کم کیا جاسکتا ہے۔

کاسٹیک سرجری: یوں تو مندرجہ بالا تمام ہی طریقے حلقوں کے علاج کے سلسلے میں مناسب ہی رہتے ہیں لیکن پھر بھی اگر مندرجہ بالا تمام ہی طریقے سے بے اثر ثابت ہوں تو صرف سنگھاری جراثیم کا کاسٹیک سرجری کا طریقہ کار باقی رہ جاتا ہے جس کے ذریعے آپ اپنے حلقوں سے نجات پاسکتی

ہیں لیکن جو خواتین ان تمام مندرجہ بالا طریقوں کو کرنا چاہتی ہیں بلکہ دوسری طریقوں سے اپنی آنکھوں کے حلقے دور کرنا چاہتی ہوں تو وہ مندرجہ ذیل طریقوں پر عمل کر کے اپنے سیاہ حلقوں کی پریشانی دور کر سکتی ہیں اپنی آنکھوں کے نیچے کے ڈراک سرکلو یعنی سیاہ حلقوں کو دور کرنے کے لیے ایک دن چھوڑ کر ایک دو کا سکوڑا اپنی آنکھوں کے نیچے میں منٹ کے لیے لگانے کو اپنا معمول بنائیں اس معمول کا آغاز دن کے وقت کریں جلد ہی حلقے ختم ہوتے ہوئے ختم ہو جائیں گے مدت کو سونے سے پہلے چند قطرے خالص پکلی سرسوں کا تیل لے کر اپنی آنکھوں کے نیچے حلقوں پر مساج کیجیے اس لیے آنکھوں کے نیچے حصے کا مساج گرم پاؤں سے کریں آنکھوں کے مساج کے لیے پتھر کی تیسری انٹلی استعمال کریں۔ اپنی آنکھوں کے گرد بننے والی نیچے نما لکیروں کے خاتمے اور شفاف رنگت کے لیے دو لکھانے کے نیچے شہد دو چائے کے بیج دی اور دو قطرے زیتون کا آئل کس کریں اس سوچہ اثر تک ماسک کو زنی سے آنکھوں کے زریں حصوں پر لگائیں اسے دس منٹ تک لگا رہنے دیں پھر پانی سے دھوئیں آنکھوں کے گرد بننے والی نیچے نما لکیروں کا خاتمہ ہو جائے گا اس عمل کو سب سے پہلے دن تک کریں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کے خاتمے کے لیے ایک دوسری نسخہ ہے کہ کھیرے اور آلو کے رس سے آبی ایک بنا میں انہیں فریق میں تھوڑی دیر کے لیے رکھ کر خشک کریں اور پھر انہیں اپنی آنکھوں کے اوپر کم از کم دس منٹ کے لیے رکھیں اور دو دن خون کو بہتر بنانے اور نیم کو سکون بخشنے کے لیے دونوں پیروں کے نیچے دو گھنٹہ تک گرم کر کے نیچے کوئی ٹیکہ نہ رکھیں یعنی سو اوپر نہ کریں یہ آبی ایک آب کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کو ہلکا کرنے میں بھی مدد کریں گے۔ یاد رکھیں رات کو دیر سے سونا کام کی زیادتی دھان سی اور نیم کی کمی کے باعث آنکھوں کے گرد حلقے بڑھ جاتے ہیں اس کے لیے متوازن غذا کا استعمال پانی کی زیادہ مقدار دودھ اور دھان سی وافر مقدار میں استعمال کریں رات کو جلدی سونا اور آنکھوں کی حفاظت کرنا انہیں صحت سے بچانا ضروری ہے ان پر عمل کرنے سے تھوڑے ہی دنوں میں حلقے ختم ہونا شروع ہو جائیں گے۔

نرسین شاہین.....

الحمد لله مسلسل اشاعت کہ
چالیس سال مکمل



نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ

تیرا سب سے اونچا مقام ہو
تیرا سب سے اونچا نام ہو
مدیخو نور بن مہک گجرات
سالگرہ مبارک آ چل
لفظ لفظ ہو بڑا ہوا نگینہ جیسے
ورق ورق ہو شہر طلسم کا سفینہ جیسے
خواب و خیال کے لفظوں کی جادوگری ایسی
کہ ہزاروں کی خوشیوں کا بحر کروے
منجی بھی منجاس کا انداز پیاں ایسا
ہر لفظ میں عیاں ہو زندگی کی صداقت
ہر کہانی میں ملتا ہے پاک سبق کا خلاصہ
پڑھ کر میں نے سیکھی ہے اپنی تہذیب و ثقافت
اک رنگ میں ملتے ہیں نئے رنگ ہزاروں
آچل کے دھنک رنگ جسیں سال ہزاروں
خدید مجھ میر فراموشوار
سالگرہ
آچل تیری سالگرہ کے موقع پہ
قبول کرو ہمارا نذرانہ
دعاؤں کا گلستہ
محبوبوں کا اشیانہ
سدا چمکتا رہے تو
فلک پیارا بن کر
گزر رو تیرا
کا میابیوں کے دروازے
دعا ہے ہماری دل سے
اے آچل تیرے لیے (آمین)
راشدہ شہزاد بصیر پور
جنم دن
آج جنم دن ہے تمہارا
فرما دو کرتا ہے دل ہمارا

اندھیرا تیرے پاس کبھی نہ آپائے
سو رنج سے کبھی روشن ہو مقدر کا ستارہ
خدا کرے تو ڈوب جائے خوشیوں کے سمندر میں
نبیل پائے پھر نکلتے کامیابی کنارہ
کھلیں ہر سو تیری زندگی میں کنول
آج کے دن وہ مل جائے جو ہو تجھے
خود سے بھی پیدا
بشری کنول چکوال
آچل کی سالگرہ کے موقع پر ایک پیاری سی نظم
”آچل“ اور ”سب سکویوں کے نام
یہی دعا ہے میری
تو سلامت رہے
زندگی کی راہوں پر
گامزن
باقیات رہے
دل میں میرے
فقط اک
تیری ہی چاہت رہے
نہ سنائی دے
کوئی صدا مجھے
کانوں میں صرف
تیری ہی آہٹ رہے
تیرے صبح چہرے پر
حقیق چھوٹے نرم کونوں سے
حسین چہرے پر
ایک ملاحت رہے

نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ

[illegible]

2 3 4 5 6 7 8 9 10 11 12 13 14 15 16 17 18 19 20 21 22 23 24 25 26 27 28 29 30 31 32 33 34 35 36 37 38 39 40 41 42 43 44 45 46 47 48 49 50 51 52 53 54 55 56 57 58 59 60 61 62 63 64 65 66 67 68 69 70 71 72 73 74 75 76 77 78 79 80 81 82 83 84 85 86 87 88 89 90 91 92 93 94 95 96 97 98 99 100 101 102 103 104 105 106 107 108 109 110 111 112 113 114 115 116 117 118 119 120 121 122 123 124 125 126 127 128 129 130 131 132 133 134 135 136 137 138 139 140 141 142 143 144 145 146 147 148 149 150 151 152 153 154 155 156 157 158 159 160 161 162 163 164 165 166 167 168 169 170 171 172 173 174 175 176 177 178 179 180 181 182 183 184 185 186 187 188 189 190 191 192 193 194 195 196 197 198 199 200 201 202 203 204 205 206 207 208 209 210 211 212 213 214 215 216 217 218 219 220 221 222 223 224 225 226 227 228 229 230 231 232 233 234 235 236 237 238 239 240 241 242 243 244 245 246 247 248 249 250 251 252 253 254 255 256 257 258 259 260 261 262 263 264 265 266 267 268 269 270 271 272 273 274 275 276 277 278 279 280 281 282 283 284 285 286 287 288 289 290 291 292 293 294 295 296 297 298 299 300 301 302 303 304 305 306 307 308 309 310 311 312 313 314 315 316 317 318 319 320 321 322 323 324 325 326 327 328 329 330 331 332 333 334 335 336 337 338 339 340 341 342 343 344 345 346 347 348 349 350 351 352 353 354 355 356 357 358 359 360 361 362 363 364 365 366 367 368 369 370 371 372 373 374 375 376 377 378 379 380 381 382 383 384 385 386 387 388 389 390 391 392 393 394 395 396 397 398 399 400 401 402 403 404 405 406 407 408 409 410 411 412 413 414 415 416 417 418 419 420 421 422 423 424 425 426 427 428 429 430 431 432 433 434 435 436 437 438 439 440 441 442 443 444 445 446 447 448 449 450 451 452 453 454 455 456 457 458 459 460 461 462 463 464 465 466 467 468 469 470 471 472 473 474 475 476 477 478 479 480 481 482 483 484 485 486 487 488 489 490 491 492 493 494 495 496 497 498 499 500 501 502 503 504 505 506 507 508 509 510 511 512 513 514 515 516 517 518 519 520 521 522 523 524 525 526 527 528 529 530 531 532 533 534 535 536 537 538 539 540 541 542 543 544 545 546 547 548 549 550 551 552 553 554 555 556 557 558 559 560 561 562 563 564 565 566 567 568 569 570 571 572 573 574 575 576 577 578 579 580 581 582 583 584 585 586 587 588 589 590 591 592 593 594 595 596 597 598 599 600 601 602 603 604 605 606 607 608 609 610 611 612 613 614 615 616 617 618 619 620 621 622 623 624 625 626 627 628 629 630 631 632 633 634 635 636 637 638 639 640 641 642 643 644 645 646 647 648 649 650 651 652 653 654 655 656 657 658 659 660 661 662 663 664 665 666 667 668 669 670 671 672 673 674 675 676 677 678 679 680 681 682 683 684 685 686 687 688 689 690 691 692 693 694 695 696 697 698 699 700 701 702 703 704 705 706 707 708 709 710 711 712 713 714 715 716 717 718 719 720 721 722 723 724 725 726 727 728 729 730 731 732 733 734 735 736 737 738 739 740 741 742 743 744 745 746 747 748 749 750 751 752 753 754 755 756 757 758 759 760 761 762 763 764 765 766 767 768 769 770 771 772 773 774 775 776 777 778 779 780 781 782 783 784 785 786 787 788 789 790 791 792 793 794 795 796 797 798 799 800 801 802 803 804 805 806 807 808 809 810 811 812 813 814 815 816 817 818 819 820 821 822 823 824 825 826 827 828 829 830 831 832 833 834 835 836 837 838 839 840 841 842 843 844 845 846 847 848 849 850 851 852 853 854 855 856 857 858 859 860 861 862 863 864 865 866 867 868 869 870 871 872 873 874 875 876 877 878 879 880 881 882 883 884 885 886 887 888 889 890 891 892 893 894 895 896 897 898 899 900 901 902 903 904 905 906 907 908 909 910 911 912 913 914 915 916 917 918 919 920 921 922 923 924 925 926 927 928 929 930 931 932 933 934 935 936 937 938 939 940 941 942 943 944 945 946 947 948 949 950 951 952 953 954 955 956 957 958 959 960 961 962 963 964 965 966 967 968 969 970 971 972 973 974 975 976 977 978 979 980 981 982 983 984 985 986 987 988 989 990 991 992 993 994 995 996 997 998 999 1000 1001 1002 1003 1004 1005 1006 1007 1008 1009 1010 1011 1012 1013 1014 1015 1016 1017 1018 1019 1020 1021 1022 1023 1024 1025 1026 1027 1028 1029 1030 1031 1032 1033 1034 1035 1036 1037 1038 1039 1040 104

محبت کے دیپ جلاتے ہیں
 اس کے قارئین ہیں بڑھے لکھے
 مصنفہ کا مان بڑھاتے ہیں
 اب اس کے شایان شان جو تحفہ ہے
 وہ ہیں خلوص سے سچ حرف ہمارے
 جس میں ہیں دعاؤں کے رنگ سارے
 تیرے علم و فن کو عروج ہو
 ناس کا سورج غروب ہو
 تیری سوجھیں آزاد رہیں
 اوپکی تیری پرواز رہے
 تو سچائی کا بن کے اجالارہے
 دور تجھ سے جھوٹ کا ہالہ رہے
 عروج بھی تجھ پر ناز کرے
 خدا تیرے کارواں کی عمر دراز کرے
 آمین

نئے روپ میں اسے پایا
 باتیں کچھ ظاہر ہیں
 کہیں کچھ ہے چھپایا
 چلو چھوڑو سب
 دوبارک اسے کہ
 سالگرہ کا دن ہے آیا
 رہو یونہی آباد سدا
 خود کو پاؤ تم سدا
 کہکشاں کے گرد گھرا
 دو آنچل سے سایہ
 سب کو یونہی تم سدا
 لوگوں دوا سے مبارک کہ
 ساگرہ کا دن ہے آیا

زمین مرھو..... حیدر آباد
 پھل اقدار بنے ادوار کا سنگم آنچل

پچھلی اقدار نے ادوار کا سنگم آچل

چاند تارے میں سمجھی توڑ کر لانا چاہوں

تیرے آچل یہ سجادوں میں ستارے لیکن

توافق ہے وہ کہ کئی مہتاب سچے ہیں تجھ یہ

چاہوں میں آچکل کو مہکنا بگلاب پھولوں سے مگر

یہ گلابوں سے مہکتا ہوا آچل جس پہ رنگ ہر رنگ

دیکھتے مہکتے ہوئے گل ہاتھوں نے

جذبات، احساسات کے گلستان اگر کھجے ہیں

تتلیاں جلنی بھی ہیں مہکی ہوئیں روشن رئیس اڑتی

ہاں ہیں آچل کی حسیں سیڑوں پہ

پریاں جن جن کے لائی ہیں جیسے

کرن، خوشبو، دھنک، بادل کی طرح

نئے احساس، نئے انداز، نئے جذبے، نئی رت

جانو قظموں کے دلوں کو ہیں منور کرتے

سُعل بن جاتے ہیں بھٹلے ہوئے لوگوں کے لیے

راہ دھلاتے ہیں تہذیب کے درلی

سازمان تامین اجتماعی - سازمان تامین اجتماعی - سازمان تامین اجتماعی

محبت کے درپے جلاتے ہیں
اس کے قارئین ہیں پڑھ لکھے
مصنف کا مان بڑھاتے ہیں
اب اس کے شایانِ شان جو تحفہ ہے
وہ ہیں خلوص سے سچ حرف ہمارے
جس میں ہیں دعاؤں کے رنگ سارے
تیرے علمِ دُن کو عروج ہو
نااس کا سورج غروب ہو
تیری سوچیں آزاد ہیں
اوچکی تیری پرواز ہے
تو سچائی کا بن کے اجالار ہے
دورِ تجھ سے جھوٹ کا ہالہر ہے
عروج بھی تجھ پر ناز کرے
خدا تیرے کارواں کی عمر دراز کرے
آمین

عینی غزل..... ہری پور ہزارہ

اک نام یوں آیا تھا
 گویا آتے ہی چھا گیا تھا
 نجانا سا ہے کچھ رابطہ
 یہاں ہر بار نیا کچھ پایا
 ہیں چھپی مسکراہٹیں
 تو ہے کہیں ادھورا سا
 احساسِ محبت زندہ سا
 یہی نام محبت کا
 یہی زندہ دیائے وفا
 تو کھلتیوں کی آڑ میں
 تو کہیں ہے حجاب آیا
 آج کل کو یہاں تھا
 ہر اک نے سے مانا

دکھانہ

ما

آنچل سے وابستہ لوگوں کے نام
آنچل سے محبت کرنے والے سب دوستوں کا آنچل کی
جالیوں میں لگ کر ہلک ہو جاوے خوب ہو یا چھایا ہونٹن ہو کہ
رات بے آنچل ڈانچٹ کا کلو ہمارا ساتھ ہمیشہ آج میری
ڈائری کا بدوق ان لکھاریوں کے نام سے جن کے قلم سے لفظ
جب صفحہ قرطاس پہ ٹپکتے ہیں تو ہم جیسے بڑھنے والوں کا دل
بہانے بے احساس سونپنا فکر کھرکھری اور فوٹو شگفتہ ہوتا ہے علم اور قلم
کے اس چہرے سے وابستہ ہونے والے کسی کرناٹکس ہوتے

میرا جسم نہیں اوزار اس نقب زن کا
جوانے کھری ہی چھت میں شگافِ نثار ہے
میرا فکرمیں اس..... نیم شب کا سبق
جو ہے چراغ کھروں پہ کندہ اچھا ہے
میرا فکروں امانت ہے میرے لوگوں کی
میرا فکرموعدات میرے سمیر کی ہے
اس لیے جو کھسکا خاک جاں سے لکھا
بھی تو لوچ کمال کا زبان تیری ہے
میں کٹ کڑوں کہ سلامت رہوں یقین ہے مجھے
کہ یہ حصہ رسم کوئی تو کرانے گا
تمام عمر کی ایذا نصیبوں کی رسم
میرے کلم کا سفر رائے گا نہ جانے گا

عائشہ پرویز - کراچی

حافظ! یاد رکھو! اس نام پر کون سا عمل کرنا چاہیے؟

اسلام علیکم! کہے ہیں آپ سب؟

قرآن اوقات غزہ پر کس نام پر چل کر خوبصورت میراں کیسی ہیں؟

جب بھی اپنے پیارے شہر کا نام چل میں دیکھتی ہوں ناں تو یقین کر لیں جو خوشی ہوئی ہے ناپتا نہیں سکتی غزہ پر کس نام پر چڑھنا بہت اچھا لگتا ہے؟

آپ کا انزو پر چڑھنا بہت اچھا لگتا ہے؟

میں میرے پاس ہیں میں تمہیں پاری آپ کو جیسے

وفا پر عمل کرنا بہت اچھا لگتا ہے؟

پلیز آپ لوگ ہر دفعہ سچل میں آیا کریں ناں بہت اچھا لگتا ہے۔ دیکھیے، سب ہم ایک ہی شہر میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ سب کے پیغام بڑھتی ہوئی بہت دفعہ خط لکھا..... حتیٰ کوئی بات نہیں اس دفعہ زیادہ امید ہے کہ میرا خط شائع ہوگا اور سب تک میرا پیغام پہنچ جائے گا۔ ان شاء اللہ سیدہ لوبجا چلا آئے کے بارے میں جان کے اچھا لگا

آپ بھی مجھ جیسا سوچتی ہیں آپ اپنی فیملی کا نام ان شاء اللہ ضرور روشن کریں گی آپ سب اپنا خیال رکھیے گا۔

سیدہ مائرہ منورہ حافظ آباد

اپنوں کے نام.....!

اسلام علیکم اچھی کیسی ہیں آپ؟ دفعہ مائرہ جٹ آپ سے مخاطب ہوں، مجلس آج سے میں اودا آپ دوست ہیں۔ تھوڑا لیٹ جواب دے رہی ہوں مجھے اچھا لگا آپ نے تعریف کی اور دوست بھی بن گئی دعا ہے اللہ آپ کو دنیا آخرت میں کامیابی عطا فرمائے انرا حفظ آپ کیسی ہیں؟ ویسے جتنا آپ کوئی سے سیکٹر سے ہیں؟ ماسٹر نہ کریں جیتنا چاہیں تو بھادیں..... کنول خان کو بھی سلام حاضر ہے کیسی ہیں؟ اس کے علاوہ ان میں کچھ دوسرے دوستوں سے چل کے توسط سے کچھ کہنا چاہتی ہوں تو ذرا غزل ملاحظہ کریں۔

جوا کچھ مجھ سے ملے ہیں
وہ سب یہی کہتے ہیں
کہتے مغرور ہے یہ۔
کسی سے بات کرتی اور
کسی کو خاطر میں لاتی ہے
مگر ان کو کیسے سمجھاؤں
نہیں ہوتا کوئی مغرور
فقط مجھ کو ہوتا ہے
اُزل سے یہ دستور آیا ہے
جسے جاوید پھوڑ جاتا ہے
بھلا اب یہی بتاؤ
جاکے جوڑ دے ان سے
جوا کفر ل توڑ جاتے ہیں

اب یقیناً آپ کو سمجھا آئی ہوگی میری مختلاط طبیعت کا کارخانہ
سب لکھنے کا مقصد صرف اور صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ میری
دوستیں بھی نیچے ہوتی ہیں تم اپنے کام سے کام لے کر کھتی ہو، ہمیں لافٹ
دی نہیں کر لیتی تو آج سب صحیح طرح سے سمجھ جائیں گی اب
اجازت جانتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ زندگی نے وفا کی تو
پھر حاضر ہوئی ان شاء اللہ میری دوستوں اور میرے رشتہوں
کی ہمیشہ خوش و خرم رکھے اور کامیابی سے ہمکنار کرے آمین۔
سکلی عنایت حیا۔ کھلا بیٹاؤں شپ
”جائے اولوں کے نام.....!“

اسلام علیکم! کہے ہیں جب؟ پیاری انظار طالب میں پائل
 ٹھیک ہوں اور زندگی بس گزرتی ہے آپ کیسی ہیں؟ فریب
 دلبر احوال انہی محبت کا بہت شکر ہے ہمیشہ خوش رہو پیارے سکرانی رہو
 آئین! طیبہ خاور دعا کے لیے بہت شکر ہے اللہ آپ کو بھی بہت سی
 خوشیاں دے! آئین غزیرہ مجھ میں ٹھیک ہوں آپ اپنا سناں
 آپ کیسی ہیں؟ حسینہ ایچ ایس میں تو نہیں بھی بڑی نہیں ہوں

تمہیں یاد ہو اس دنیا میں ایک تہذیبی دور سے بھی روٹی ہے کبھی
اسے بھی یاد کر لیا کہ دم توڑ جوں کہ بالکل کنارہ کر گئی ہو۔ لیکن بھی
کیا ہے مردی۔ تو رن فاطمہ کے نام پر
کدی نہ کدی تینوں ساؤ کی یاد دے گی
اج نہیں ہے کچھ چار ازل بعد دے گی

بچڑے ہوؤں کے نام.....! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب امید کرتی ہوں سب خبر و عافیت سے ہوں گے۔ آج لکھتے ہوئے قلم بھی ساتھ نہیں دے رہا اور لفظ ہیں کہ روٹھ گئے ہیں میں کس طرح آج خط لکھ رہی ہوں یہ بس میں ہی جانتی ہوں۔ میں ابوی کو کتنا یاد کرتی ہوں! شاید کوئی نہ سمجھ پائے مگر ہاں وہ بیٹیاں میرا دکھ محسوس کر سکتی ہیں جن کے سر سے ان کے والد کا سایہ اٹھ گیا ہے۔ 3 نومبر جمعہ کی رات کہیں وہ سب کچھ ہو گیا جو مجھے چاہی نہیں تھا۔ ابوی بالکل اچانک دل کا دورا پڑنے سے ہمیں یوں تنہا کر جائیں گے کہ محسوس تھا وہ وحیات وہ دکھ اذیت ہے کتنی شاید سب لفظ جو انسان کی روح تجڑ لینے کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں کم پڑ جائیں گے اور پھر مجھ میں تو اتنی سکت رہی ہی نہیں کہ میں کچھ لکھ پاؤں۔ دلکش مریم نے جو احساسات بیان کیے تھے نومبر کے شمارے میں 2 نومبر کو وہ خط پڑھ کر میں اتنا روئی اور عجیب حادثہ ہے کہ اگلے دن جب ابوی کو ایک ہوا اور انہیں ہسپتال لے کر جا رہے تھے تب میری چوٹی حس نے مجھے دلکش کا خط یاد دلایا کہ ہمیں میرے ابوی کو کچھ ہونہ جانے کہ کب علم تھا کہ یہ نبوتی ہو کر ہے کہ میں انہی بہادر نہیں ہوں کہ وہ سارے واقعات لفظ بہ لفظ دہرا سکوں اور انہیں کیسے لکھوں کچھ سمجھ نہیں آ رہی ان کے بغیر زندگی کی ہر خوشی اور مصیبت ہو گئی ہے۔ ان کے جنازے پر ہر آنکھ اشک بار ہو گئی۔ ہر ایک کی زبان پر ان کی اچھائیاں رہیں میں اپنے ابوی بہت کمزور دل بنتی ہوں مگر اللہ کے کاموں پر صبر کرنا پڑتا ہے آپ سب سے انتہا ہے کہ ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین۔ میری امی جی کے لیے بھی دعا کروں اللہ پاک انہیں صحت والی زندگی عطا کرے ان کی بیماریوں کو ختم کرے اور انہیں اپنے بیٹیوں اور بیٹیوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرنے آمین تم آ آئین۔ دعاؤں میں یاد رکھیں اپنے والدین کا خاص خیال رکھیں زندگی رہی تو پھر نہیں گے۔ اللہ حافظ۔

مدیر کرن۔ وزیر آباد شیری اور تزیلہ کنول کے نام! السلام علیکم! بیانی کی تزیلہ بیٹی ہوں میں نے سوچا کہ آپ کو کیسے دس کروں تو مسٹر مجھ کو آج ہی اپنا لگا۔ حالانکہ مجھے ابھی سات ماہ ہی ہوئے آج کی قاریہ بنے (اگست کے مہینے میں میں ماموں کے ہاں گئی ہوئی تھی کہ وہاں رمشا کزن کو پڑھتے دیکھا اور اس سے لے کر پڑھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ہے ہوا کہ اب ہر ماہ منگوا لی ہوں) تو تزیلہ جی میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو! آخر کو ہمارے خاندان میں پہلی عالمی ہو! آخر میں دعا کرتی ہوں۔

جنت کے ٹکڑوں میں ہو چل آپ کا پھولوں کی وادی میں ہو

شیر آپ کا۔ دعا ہے کہ سب سے خلیہ صورت ہو مقدر آپ کا عبادت سے دل کٹا یاد رکھنا گناہوں سے دل کٹا یاد رکھنا ہماری بس اتنی عرض ہے آپ سے کہ اس زندگی میں ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ارے ہاں شیری رحمن اور محمد عثمان اسکول جانے لگے ہیں ماشاء اللہ ہائی کیوٹ بھانجے اور سویت سے شیری 17 مارچ آپ کو میری طرف سے یعنی (خدیجہ ایمان) کی طرف سے بہت بہت پکڑی تھوڑے اور جی جناب آپ کی تمام رائز اور پرنٹرز کو محبت اور غلوں بھر اسلام اور جی آپ کی اسٹاف دیکھتے ہیں آپ تک میرا خط و پتہ ہے ہاں پہلی بار لکھنے کی جسارت کی ہے آپ کی ماہیرا پیغام شائع کر کے شکر یہ کاموں دیں۔

خدیجہ ایمان۔ شیخوپورہ

آج کل فریڈز کے نام.....! السلام علیکم! دوستوں کیا حال چل رہا ہے آپ سب لوگوں کا امید ہے آپ سب ٹھیک ہوں گی ارم کمال اور طیبہ خاور سلطان آپ دونوں کا کسراوٹل ہے کتنی آپ دونوں تو دوستی کر کے بھول ہی گئی ہو مجھے چلو کوئی بات نہیں میں تو یاد کرتی ہوں ناں آپ دونوں کو۔ اور سناؤ کتنی چارہ می سے زندگی اور ایٹلا طالب میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں جواب ضرور دینا۔ سب آپ آج کل کرکٹر سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور باقی میری محلے والی دوستوں جو فدا احمد ناحیلہ اسلام ٹائلز ایجنڈا عائشہ صابرہ ماریہ سلطان کو بہت سارا پیار اور سلام اور میری کزن ام حبیبہ کو بھی اس شعر کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں۔

تو مجھے اس کی دعا میں یاد رکھا کر

پھر خوشی ملے یا کبھی میرا نصیب ہے

ایمیل میں جس کی کی سالگرہ ہے اس کو میری طرف سے سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ حافظ!

شکافیہ قمر ڈھیری

ایسے لوگوں کے نام جن کے

بغیر زندگی اور پوری کی سچ

اسلام علیکم! اچی سونیائی زندگی کی حسین راہ پر چلتے آؤ وہ مقام آئی جاتا ہے جب کانٹوں سے بھی اچھٹا پڑتا ہے اور ہوسیدی کی بات ہے کہ

کچھ خوشیاں پچھتا سوسے کرنا مل گیا

جیون کا آگ اور سنہرے لہلہ بیت گیا

ہاں تو میں یہ کہہ رہی کی کہ مارچ میں تمہاری سالگرہ تھی دس نہیں کر رہی یاد دلانی ہوں کہ اس دفعہ تم نے مجھے لازمی گفٹ دینا ہے لو کہ کیلکات ہوئی (بیت کہنا اذکرے) اللہ پاک ہمیں ایسی ہزاروں سالگرہ دکھائے جس میں تم مجھے کوئی اچھا سا گفٹ دے اور تم لوگ کیوں ایسے ٹھوکرے ہو بھلا کینے کو لوگوں کو بھلا

کون بھول سکتا ہے مدینہ سعدیہ حافظ احم رشید شمرہ حسین
شمر لیس حرا نذر حرا تہارے پایا کی ڈبچہ کا بہت اسوس ہوا اللہ
پاک ان پرانی رحمت کرے اور ہمیں اور تہارے گھر والوں کو
میرزا نعل عطا فرمائے آمین۔

سار شاہن ٹلوٹی بھٹیاں
میری پیاری فیملی اور دوست کے نام!
السلام علیکم! آج کا عرس ہے کہے ہیں آپ سب؟ میرے
پیارے ابو کی اور امی کی جی آپ دونوں کو اپنی شادی کی سالگرہ بہت
بہت مبارک ہو ابھی آپ کی 20 فروری کو سالگرہ بھی ہماری
طرف سے بہت بہت سالگرہ مبارک ہو ابھی کیا ساگ ہماراوش
کرنے کا طریقہ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کا سایہ
ہمارے سر پر رہتا ہوا قائم رکھے (آمین) اور میری پیاری دوست
عفر کو بھی ہمیں بھی سالگرہ بہت مبارک ہو یادیں 11 مارچ
کو سالگرہ بھی تہاری اور میری ٹیڈورٹ رائٹر نازیہ کنول نازی اللہ
تعالیٰ آپ کو صحت اور خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے (آمین)
دعاؤں میں یاد رکھنا والسلام!

سعدیہ حسن انار حسن ٹلوٹی بھٹیاں
زندگی کے نام!
السلام علیکم! کیسے ہو ابھی سوٹ پارٹ آف ایک تو میں بھی
نہ تم سے پوچھ رہی ہوں کہ کیسے ہو مجھے پتا ہے کہ تم بالکل ٹھیک
ہو کیونکہ ہر وقت میری دعاؤں میں جو رہتے ہو
تم کیسے ممکن ہے کہ میں ہاتھ اٹھاؤں اور تیرا نام نہ لوں
تو تو میری دعاؤں میں شامل ہے آمین کی طرح
پتا ہے میں نہیں ہے لیڈر تہاری برکھ ڈے پر لکھنا چاہتی تھی
بٹ تم نے میرا سا پلان چوٹ کر لیا مصطفیٰ انی ایم وری کی
کہ مجھے تم ملے تہارا پیار ملا اور میں نے تم سے کہا تھا کہ
ہر انسان کی لائف میں کوئی ایک ایسا ضرور ہوتا ہے کہ جس کی جگہ
کوئی بھی نہیں لے سکتا اور میری لائف میں وہ ہم جو جس کی جگہ
کوئی نہیں لے سکتا۔ اور جب تم مجھے طاہرہ مصطفیٰ کہتے ہو تو
بڑے پیار سے لگتے ہو۔

اتھا لگتا ہے تیرا نام میرے نام کے ساتھ
جیسے کوئی جگہ جڑی ہو کسی حسین شام کے ساتھ
ایک بات بتاؤں میں تم پر لفظ سے جڑے ہونا نہیں
تک کرنے کے لیے ہی تو میں سرکتی ہوں تم جب چڑکے کہتے
ہو کہ سر مت بولا کرو مجھے مصطفیٰ بولا کرو جب تم مصطفیٰ کہتی ہو
بہت پیارا لگتا ہے تہارے منہ سے مصطفیٰ کی جڑ بڑا آتا ہے
میں تک کرنے میں ایک بات مانو گے میری کہنا راض مت
ہوا کرو مجھ سے آئی ریکی لو جو مصطفیٰ وہ کیا کہتے ہوں کہ زندگی میں
تہارا ساتھ ہو اور جی زندگی میں ہم تو مصطفیٰ انشاء اللہ ہم زندگی
بھر ساتھ رہیں گے ایسے ہی تو ہم ایک دوسرے کو زندگی
نہیں کہتے۔

نہ رھوں میں نہ میرا نام نہ میری ہستی
اتنی شدت سے کہیں خود میں بسا لے مجھ کو
طاہرہ مصطفیٰ ملتان

”سوٹ فریڈ ایمان کے نام!“
السلام علیکم! سوٹ ایمان کی ہوا بے یقینانف ہوگی تم خدا
جہیں سدا خوش رکھے شعر آپ کے لیے میری دلی دعا ہے
تمنا اس قدر پوری ہو جائے تیری
کہ سینوں کی دنیا حقیقت ہو جائے تیری
ہو تیرا مقدر اتنا روشن اتنا روشن
کہ آمین کہنے سے پہلے دعا قبول ہو جائے تیری
ایمان آپ کی دوستی دل و جان سے قبول ہے آج کل بڑھتی
رہا کریں آپ کے تمام گھر والوں کو سلام آپ کی کزن جانا جہ
کو بھی ڈیجیر سارا پیار سورا کو بھی سلام اور پیار خدا آپ کو ڈیجیر
ساری خوشیاں عطا کرے آمین آپ کو شاعری پسند ہے میری
کوشش ہوئی کہ زیادہ سے زیادہ شعر لکھنا آپ کے لیے میں آپ کو
دل سے دوست مانتی ہوں پھر آپ بھی دوستی ضرور نبھائیے گا
کیونکہ میں بہت حساس دل لڑکی ہوں میری دعا میں ہمیشہ آپ
کے ساتھ ہیں مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا انی اللہ زندگی
راہی تو پھر ملاقات ہو ان شاء اللہ۔

کچھ لوگ میری دنیا میں خوشیوں کی طرح ہیں
محسوس تو ہوتے ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے
ماروی یا مین سرگودھا
بہنوں کے نام!

سب سے پہلے میں اپنی لاڈلی نند فریدہ جاوید فری سے
مخاطب ہوں کہ وہ کم کم آچل اور حجاب میں نظر آ رہی ہیں زیب
دلیر رویہ کوڑ بیٹا خالی نذر بجہ افراد جٹ جو رہی ہیں حسینہ بیج
ایس سعدیہ جو میں جنم کنول مجھے یاد کرنے کا شکر ہے مجھے بھی
آپ کی دلی پنا ہے سعدیہ آپ کو بھی مریتا مدد خوش آمدید
کہتے ہیں۔ میری نگارشات پسند فرمائے رر قینا ناز گل نند لڑکی
کا بے حد شکر ہے میں بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آچل آکٹا بیوس
سال میں داخل ہو گیا ہے یہ سب آچل کے اشاف کی محنت
اور ہم لکھاریوں اور اسے پڑھنے والوں کی وجہ سے ہے ویڈیو
آچل اشاف۔

پروین افضل شایہا۔ بہاولنگر
الحمد لله مسلسل اشاعت کہ
چالیس سال مکمل



سایکال

جو یہ سب کا

موت اور تعلق بالہذا

سب سے پہلی اور ہم چیز اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اس ذات باری تعالیٰ پر یقین کامل کہ وہ تمام اختیارات کا مالک ہے۔ ہر شے اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہی ”علیٰ کل شئی قدير“ ذات ہے۔

ایک مسلمہ کو دل سے یقین ہوتا ہے کہ حالات بظاہر خولہ کیسے ہی ہوں اس کے رب کے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہوتی ہے مسلمان عورت کا ایمان ہوتا ہے اس بات پر کہ بہترین فیصلے فرمانے والی ذات ”احکم الخائنین“ ہے اس سلسلے میں ہمارے سامنے بہترین مثال سیدہ ہاجرہ سلام علیہا کی ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام انہیں اور شیر خوار ننھے اسماعیل علیہما السلام کو دلی مکہ میں چھوڑ کر واپس جانے لگتے ہیں اور پوچھنے پر جب جواب ملتا ہے کہ یہ رب کا حکم ہے تو سیدہ کا ایمان مزید بڑھ جاتا ہے۔ (یقیناً سب بہنوں کو یہ واقعہ خوب یاد آگیا ہوگا) عام حالات میں یہ واقعہ کتنا عجیب اور سخت لگتا ہے کہ ایک مرد اپنی نوجوان بیوی اور محرم بچے کو بآب و گیاہ جگہ پر چھوڑ کر خود درواز ملک شام کی طرف لوٹ رہا ہے کہ بیوی بچے کے لیے سوائے ایک مشکیزہ پانی اور ایک چھوٹی بوٹی چھوروں کے کچھ نہیں چھوڑ کر جا رہا مگر گھر ایمان آپ ملاحظہ فرمائیں سیدہ ہاجرہ کو کہ جب یہ پتہ چلا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سب کچھ حکم الہی کے مطابق کیا ہے تو ان کا دل مزید یقین سے بھر گیا اور احساسات و شعور پہلے سے زیادہ مطمئن ہو گئے۔

حاکم علاء الدین

تین چیزیں

☆..... تین چیزوں کو قابو میں رکھیں۔

(دل، غصہ، زبان)

☆..... تین چیزیں حاصل کریں۔

(علم، اخلاق، شرافت)

☆..... تین چیزوں پر ایمان رکھیں۔

(توحید، قیامت، رسالت)

☆..... تین چیزوں کو یاد رکھیں۔

(موت، احسان، نصیحت)

☆..... تین چیزوں کو نہ ٹھکرائیں۔

(تغذیہ، صوم، خلوص)

طیبہ سعیدہ کو جرأتوالہ

نکستہ دانش

☆..... جاہل کے خیال اور عمل میں بہت کم وقفہ ہوتا ہے۔

☆..... نصف عمر امیدوں کے پالنے اور بقیہ نصف نامرادی کے نام میں کٹ جاتی ہے۔

☆..... فداوی لینت اگر ٹیڑھی رکھی جائے تو آسان تک دیوار ٹیڑھی بنے گی۔

☆..... ذلت کھاتے کھاتے گھس گئے لیکن زبان شکایت کرتے کرتے نہ گھسی۔

☆..... نیک مسالہ دور کے بھائی سے اچھا ہے۔

☆..... بڑھاپا کو یا عمر از غم کی کاکتیں ہے۔

☆..... گمن شہزادی۔ نامہرہ

زندگی

زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے اسے جاننا اور پہچاننا بھی مشکل ہے ایک داز ہے ایسا داز کہ جس نے یہ داز جان لیا وہ مر گیا اور جو نہ جان پایا وہ مارا گیا۔

زندگی سند ہے اپنے بالوں کو نامعلوم سفر پر روانہ کرنے والا آتش بالوں کے دلا اور پھر یہی سند اپنے مسافروں کو اپنے دریاؤں کو خوش آمدید کہنے والا بھی ہوتا ہے۔

(دعوت علی وادع)

مشی خان مولتی۔ بھیر کنڈ

کچھ باتیں

□..... انسان کی اصل موت تب ہوتی ہے جب وہ کسی

کدیل سے نکلتا ہے۔

□..... خدا سے جب بھی مانگو تو اچھا مقدر مانگو کیونکہ میں نے بہت سے عقل والوں کو قدر والوں کے در پر دیکھا ہے۔

□..... کسی کو تمہارے دل سے چاہو اور وہ تمہیں ٹھکرا دے تو وہ اس کی بد نصیبی ہے تمہاری نہیں۔

□..... انسان کو اچھی سوچ پر وہ انعام ملتا ہے جو اسے اچھے اعمال پر بھی نہیں ملتا کیونکہ سوچ میں دکھاؤ آتش ہوتا۔

□..... اپنے بہترین وقت کو نماز میں وقف کرو کیونکہ

□..... جانور میں خواہش اور فرشتے میں عقل ہوتی ہے مگر انسان میں دونوں ہوتی ہیں، اگر وہ عقل دبا لے تو جانور اور اگر خواہش دبا لے تو فرشتہ۔

ایک آدمی کی شادی موبائل کمپنی میں کام کرنے والی لڑکی سے ہوئی۔ شوہر کھونٹ اٹھانے لگا تو بیوی بولی۔

برائے مہربانی اس مینو سے انتخاب کریں، کوئی گھٹ اٹھانے کے لیے ایک دباؤ نہیں پائیں کرنے کے لیے دو دباؤں میں منہ دکھائی کے لیے تین دباؤں، کوئی پہانے کے لیے چار دباؤں۔

شہر حصے سلب کی بھی دستخط لادینے کے لیے گیا اور کہا؟
بیوی بولی۔ آپ کا موجودہ پینٹل اس کام کے لیے ناکافی
ہے۔ ہمارے مہرانی پہلے حق مہر کے پیسے جمع کرائیں اور مزید
معلومات کے لیے میری امی سے رابطہ کریں۔
مجھ سے شادی کرنے کا شکریہ۔

خدیجہ ایمان۔ شیخوپورہ

☆ تم کب صحیح تھے یہ کوئی یاد نہیں رکھتا..... تم کہاں غلط ہو یہ کوئی نہیں جھوٹا۔

سارہ شاہین۔ ٹیوٹی بھشیاں
دس گناہ گار عورتیں

- (۱)سے پردہ!
 (۲)جیز زبان والی!
 (۳)دین کا ناقص اڑانے والی!
 (۴)چقل خور!
 (۵)ہر وقت موت مانگنے والی!
 (۶)احسان جستانے والی!
 (۷)شوہر کی نافرمان!
 (۸)غیبت کرنے والی!
 (۹)بال کھول کر چلنے والی!
 (۱۰)بلا ضرورت مگر سے گلنے والی!

شازیہ ہاشم میواتی۔ کھڑیاں خاص قصور
آج کی خوب صورت بہات

رشتے بنانا بہت آسان ہے لیکن بھانا بہت مشکل ہے اس
 باپ، بہن، بھائی، دوست احباب یہ وہ خوب صورت رشتے ہیں
 جن کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے لیکن یہ رشتے ہم بعض اوقات چھوٹی
 چھوٹی لافروشاں اور بدگمانیوں کی وجہ سے کھو بیٹھتے ہیں۔ ہم رشتے
 اگر سنبھال کر رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں بھانا سیکھیں۔ اپنے آپ کو
 بعض دفعہ ماننا بھی پڑتا ہے کہ بہت سی باتیں نظر انداز بھی کرنا پڑتی
 ہیں اگر ہم ایک دوسرے کو حاف کرنا نظر انداز کرنا سیکھ لیں تو
 شاید ہم سکون سے رہیں۔ والدین اور اولاد کا رشتہ تو دنیا کا
 سب سے خوبصورت ترین رشتہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ یہاں اولاد کی
 چھوٹی چھوٹی کٹاہیاں والدین بڑی خوشی سے بھول جاتے ہیں
 کہ ہم اپنے رشتوں کو بچانا چاہتے ہیں تو نظر انداز کرنا اور بھولنا
 سیکھنا ہوگا دوسروں کے لیے بھانا ہوگا۔

ملالہ اسلم۔ خانیوال

۲۲ نو

آنسو چار حسی لفظ ہے۔ یہ اپنے اندر دنیا جہاں کی خوشیاں اور غم سموئے ہوئے ہیں۔ اگر کیا آنسو یا خاموش بریس تو انسان کی بخشش کا باعث بنتے ہیں اگر کیا آنسو کی دکھ بریس تو انسان کے دل سے غم کا غبار ختم ہو جاتا ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم آنسوؤں کی قدر کریں۔

شبنم حنیف لاہور

☆..... کسی کے گم ہو کر جھکاؤات ہوا اور کسی مجبور کو اپنے آگے جھکاؤات ہے بھی زیادہ ذلت ہے۔
☆..... فزع کی کی کار میں خالقو تار نہیں ہوتا ایک تار بچہ ہوگا تو سرفہرہ ہوگا۔

☆..... عمل کے بغیر صرف علم کے ساتھ زندگی گزارنا ایسے ہے جیسے کیمت میں بیج ڈالے بغیر پل چلانا۔
☆..... تنہائی اگای خوشی اور خوب صورتی چاروں سکی بہنیں۔

☆..... زندگی کی مشکلات آپ کے لان کی گھاس ہوتی
ہے آپ تو جہنہ کریں گے تو یہ بڑھتی جا رہی گی۔
☆..... آپ اس دنیا میں دن و رات ٹکٹ لے کر نہیں آ سکتے
اپنی کاکٹ بیلڈ آنے کی شرط ہے۔

☆.....گرتے ستاروں کو اپنی جیب میں سنبھالو تاکہ جب
مانتار مک ہو جائے تو تم ان کا روکنے سے استوار ہو سکو۔

اے نچل.....!
تم جیو ہزاروں سال
جہیں کامیابیاں ملیں بے شمار

رابعہ یعنی۔ شہانہ

کلام یارم
♥..... علم جس وسعت پر محیط ہے شاعر داس کا کوزہ ہے۔
♥..... اعمال نفس پاکیزہ محفل پر تجزیہ نواری رباعی ہے
جسے برگزیدوں کے سائے میں آپ جی سے لکھا جاتا ہے۔
♥..... محبت کرنے سے پہلے احترام کرتا سیکھیں۔
♥..... انسان وہی ہے جو اپنی خود نمائی بے شک کرتا
پھرے لیکن دوسروں کی خامی کی پردہ پوشی ہر حال میں کرے۔
♥..... اڑو کے اڑنے کا حق صرف پروانوں کے پاس
نہیں۔
♥..... ہار جانے والے لوگ ان لوگوں سے ہزار درجے
بہتر ہیں جو مقابلہ ہی نہیں کرتے۔

♥..... ساری کائنات کتاب بنی کھلی پڑی ہو تو انسان کو
شاگرد ضرور بن جانا چاہیے۔
♥..... اسلام میں لہنت کا جواب پتھر نہیں..... اسلام
کا جواب برداشت ہے۔

(اقتباس یارم..... سیر احمد)
انتخاب۔ ماروی یا کمین۔ سرگودھا
کانفیڈنس
ایک بند نے شیرنی کو برپوز کر کے گھٹ میں ریڈ روز
دیا..... شیرنی نے بند سے کہا: کبھی آئینے میں اپنی شکل دیکھی
ہے۔

بندر نے فخر یا اعزاز میں کہا۔
پاکل صورت پر مت جاؤ کانفیڈنس تو دیکھو۔
سیر اسوالی۔ بھیر کنڈ
الحمد لله مسلسل اشاعت کہ
چالیس سال مکمل)



موت پر صبر اور اس کا اجر ثواب
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”کہ جب میں کسی ایمان
والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو اٹھاؤں پھر وہ ثواب
کی امید پر صبر کر لے تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا
کوئی معاوضہ نہیں۔“
(صحیح بخاری معارف اللہ ص ۷)

ارم کمال۔ فیصل آباد

زندگی
زندگی کیا ہے؟ بس یہی کہ میں کے پیٹ سے نکلے روز میں
کے پیٹ میں چلے گئے نہایت بشر جس زندگی چنکی کر کے
دنیا کا اصل مقصد تو یہ ہے نماز روزہ زکوٰۃ حج اور غریبوں کی
لدا کرو۔ اور ہر قسم کے گناہ سے پاک زندگی گزارو پھر ماں کے
پیٹ سے لے کر زمین کے پیٹ تک کا سفر طے ہوتا ہے۔
نظم

جلتی شمعیں روشن چہرے
حسین پھول چاند اور ستارے
نغمہ سبیلی موتی کی
جواہر چپا اور نقشہ
ہر کوئی شاد ہے ناں
آج تمہاری ساگر ہے ناں
دیکھو، ہم کو یاد ہے ناں
سوچ رہی ہوں کیا تھک دوں
پردے سے بڑھ کر تھک کیا ہے
پھولوں کے گلے سے تمہارے لیے ہے ناں
آج تمہاری ساگر ہے ہدیکھو
ہم کو یاد ہے ناں
کبھی یہ جینے کا ڈھنگ سکھائے
کبھی کروادوں کے ساتھ رولائے
کبھی ملن کی گھڑیاں لائے
کبھی بچھتاوے کے نور لائے
جہاں محفل آباد ہے ناں
آج تمہاری ساگر ہے ناں
اے نچل!
دیکھو، ہم کو یاد ہے ناں

آئینہ

شمارہ کا شرف

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ رب اعزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض و سماں کا مالک ہے آپ قاری بہنوں نے اس بار پھر پور طریقے سے بزم آئینہ میں شرکت کی آپ کی یاد ہمارے لیے خوشی کا باعث بنی اور ہماری ڈاک ہم نے آئندہ ماہ کے لیے سنبھال رکھی ہے امید ہے اب ہر ماہ ہر تحریر پر اسی طرح آپ تبصرہ کریں گی تاکہ مصنفین تک بھی آپ کی آرا پہنچ سکے اب بڑھتے ہیں بزم آئینہ کی محفل کی جانب جہاں آپ سب کے تبصرے آئندہ نگل بہکدے ہیں۔

ڈاکٹر تنویر انور خان..... کراچی محترمہ مشتاق بھائی! قیصر آرا! بہن! السلام علیکم اسب سے پہلے میرا ناول ”کیا وہ حسن پرست بھی“ شائع کرنے کے لیے بے حد شکرین شاہ اللہ! چل کو جاؤ دہائیاں ہوئی اور آج کل سے میری دہائیوں کی عین دہائیوں پر محیط ہے۔ ادب میں نصف صدی ماشاء اللہ پوری کر چکی ہوں۔ آج کل کے چالیس سال پورے ہونے پر دلی مبارک باد۔ پورے ادا کے اور آپ سب لوگوں کو جن کی دن و رات کاوش اور محنت سے یہ مقام حاصل ہوا ہے ماشاء اللہ! فرحت آرا! باجی کی یادداشت سے آری ہے اللہ تعالیٰ میری بیماری دوست اور بہن کو جنت الفردوس میں جگہ دے! میں ایک نایک دن سب جیلے جائیں گے مگر چند سالوں کے اندر میری بیماری بیماری دس سال چلی گئیں..... دل لاس ہے آج کل کے لیے گاہے بگاہے ماشاء اللہ! گھولوں کی بشرطیکہ زندگی رہے۔ میری طبیعت ماشاء اللہ! ٹھیک ہے بس کتابوں کی اشاعت میں مصروفیت ہے آج کل کو کسرا مبارک ہو۔ آج کل کے ساتھ تن دہائی.....!

میرا ادبی سفر ماہنامہ پھول (لاہور) 1958ء کی اشاعت سے شروع ہوا۔ میں نے اپنے نصاب کی کہانی Naa's Windmill کا ترجمہ کیا اور وہ چھپ گئی۔ بس وہ میری حوصلہ افزائی کا پہلا موقع تھا۔ سینٹ جوزف کالج لاہور ہائی اسکول کراچی سے تعلیم حاصل کرنے والی میں ایک ایسی لڑکی تھی جسے اردو سے شوق تھا۔ حالانکہ میں نے سینٹ جوزف میں Elective English اور سلیس اردو پڑھی تھی مگر ایک عادت تھی کہ اخبار پڑھنا نہیں چھوڑا..... پھر بچوں کے صفحات پر انجام اور جنگ اخبار میں دو حیرت انگیز کہانیاں لکھیں۔ 1965ء میں ماہنامہ ”خود“ رسالے میں میرا پہلا افسانہ چھپا جسے اس وقت زبیدہ مگر لڑکا کالج حیدرآباد سے انٹرسائنس کر رہی تھی۔ پھر ماہنامہ بانو جام نو حرم زیب النساء اردو رسائل میں افسانے لکھتی رہی۔ 1967ء میں ڈاؤ میڈیکل کالج میں داخلہ ملا اور ڈاکٹری کا سفر شروع ہوا پھر طبی لکھنا نہیں چھوڑا۔ خواہن اور طلبہ کے صفحات پر بھی مضامین لکھے۔ پھر 1970ء کی دہائی میں ڈائجسٹوں کا دور آ گیا..... بانو اور حور رسالے میں جب پہلا انعام ملتا تو چندہ روپے ہوتا تھا، مگر میں نے بھی پیسوں کے لیے نہیں لکھا..... پاکیزہ ڈائجسٹ میں ”میری قسمت کے ستارہ“ پر اول انعام ملا وہ شاید کسی روپے تھا! پاکیزہ میں بھی خاصہ لکھا۔ آج کل سے دہائی 1980ء سے ہوئی اور ماشاء اللہ اب تک جاری ہے۔ 1980ء کی دہائی سے 1990ء کی دہائی میں بیشتر نئے ڈائجسٹوں میں بھی لکھا جس میں قاضی شریلیچا کا ”دن“ ڈائجسٹ بھی تھا۔ پر نچانے کیوں اس میں میں زیادہ لکھ نہ سکی محترمہ مشتاق احمد قریشی بھائی کی حوصلہ افزائی اور پھر فرحت آرا! باجی سے دوستی نے مجھے آج کل کا ہی بنا کر رکھ دیا۔ آج کل میری زندگی کے ہر دور میں خوشی غم سب کا ساتھی رہا مجھے یاد ہے میری بیٹی ڈاکٹر راحت اور خان (اب NHS لندن) میں کچنی اور ادوس کی Consultant ہیں جب انہوں نے میٹرک بورڈ کراچی سے سینٹ جوزف کالج لاہور سے پہلی پوزیشن لی تھی تو آج کل نے میری بیٹی کی خوشی میں ناٹھل تصویر اور انٹرویو شائع کیا تھا..... ہماری خوشی کی انتہا نہ تھی۔ بار بار میرے بھی انٹرویو شائع ہوئے..... فرحت آرا! باجی میری ایک ایسی دوست تھی جنہیں میں اب تک بھول نہ سکی..... دیکھا بھی نہیں مگر فرحت آرا! باجی سے جب بھی فون پر بات کرتی تھیں گھنٹوں بات ہوتی، نفسی نشی دیتیں، بہترین مشورے دیتیں، انکوئی اولاد ہوں 1986ء میں پاپا انتقال کر گئے اور 1992ء میں امی..... دل اداس اور پریشان رہتا تھا باجی نے سمجھایا

ڈاکٹر تنویر لکھو..... لکھنے سے دل کے جذبات کا غنہ پر کچھ جاتے ہیں اسے آپ کو معروف کرو۔ میں ایک الٹرا سائڈ اسپیشلسٹ بھی ہوں اور ایم بی بی ایس ڈاکٹر بھی..... اس کے باوجود لکھتی رہی..... لکھنا نصف صدی سے میرا جنون ہے اور آخری سانسوں تک رہے گا ان شاء اللہ۔ فرحت آرا باجی کے چلے جانے کے بعد دل بے حد اداس ہوا آج کل کو کچھ بھی نہیں چھوڑا اور نہ ہی چھوڑوں گی۔ نصف صدی کی تحریروں کی طرف پلٹ کر دیکھوں تو ساڑھے تین سو تحریروں ہوں گی اپنی پروفیشنل اور گھریلو مصروفیات کے باعث بھی کتاب شائع نہ کروا سکی۔ 2017 اور 2016 کے دوران اپنے افسانے اور ناول مرتب کر کے چار کتابوں کی اشاعت کی ہے۔ میری کتابوں کے چار مجموعے ماشاء اللہ شائع ہو گئے ہیں۔ (۱) زنجیریں (۲) پرچھائیں اور عکس (۳) پانی کا بلبل (۴) وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی..... میری پانچویں کتاب ”میت رے“ بھی اس ماہ میں منظر عام پر ان شاء اللہ آ جائے گی۔ میرے گئے ایسے انٹرویو میں اکثر آج کل میں سوالات کئے کہ میری کتاب شائع ہوئی یا نہیں..... جواب یہ کہ نہیں اور بھائیوں فرصت ملی ان شاء اللہ دس بارہ کتابیں شائع ہوئی جائیں گی۔ میں اپنے پیارے آج کل کے پیارے محترم شائق احمد قریشی بھائی کی مشکور ہوں کہ انہوں نے ”زنجیریں“ میں اپنی رائے دی تھی۔ قیصر آرا باجی کی بھی شکر گزار ہوں کہ ان کی قیمتی آرا بھی میری کتاب میں شامل ہے۔ طاہر قریشی بیٹا اور پورا ادارہ اپنی تمام بلی کیٹشن کے لیے اور چالیس سال پورے ہونے پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ محترم شائق قریشی بھائی، قیصر آرا باجی اور طاہر قریشی کا اپنے ادارے کو لے کر چلنے کا عزم قابل ستائش ہے میرے پیارے آج کل کو چالیس سال مبارک ہو اور میرے ساتھ رہنے کے کس سال بھی مبارک ہوں۔ ہر انسان زندگی میں کچھ نہ کچھ گول لے کر پیدا ہوتا ہے اور جب قسمت اور قدرت اور ہمت ساتھ دے تو وہ سارے گول حاصل ہو جاتے ہیں۔ جب پیدا ہوئی تو میری امی کی گود میں ڈاکڑنے کا پورا غریبا میں یہ بات کہہ دی تھی ”بیاری بچی ہے ڈاکڑ بنانا“ میں نے امی سے سنا تھا کہ ہمارا بیٹے بچے ہم تمہیں کا ٹونٹ میں پڑھا نہیں سکتے حیثیت ہی نہیں۔ پہلا گول..... سینٹ جوزف کا ٹونٹ میں پڑھ کر حاصل کیا دوسرا گول..... میرٹ پتہ کر ڈاکڑ میڈیکل کالج میں داخلہ لے کر ڈاکڑ بنی تیسرا گول..... اپنے شوہر پروفیسر ڈاکٹر محمد انور خان ماہر امراض چشم (متفواختیار) کے ساتھ کلکریٹوں بچوں کی انجمن پرورش کرنا انہیں اعلیٰ تعلیم اور وقت دینا چوتھا گول..... ڈاکڑ کا پروفیشن بھی جاری رکھنا 1974ء میں ڈاکڑ بن کر امی تک سبجاری ہے۔ پانچواں گول..... ادبی سفر سے بھی منہ نہ موڑنا لکھتے رہنا اور الحمد للہ اس نصف صدی کے ادبی سفر کے بعد کتابوں کی اشاعت کی طرف توجہ مرکوز کی..... مگر بھلا ہومیرے پروفیسر صاحب کا کہ میری حوصلہ افزائی کی..... اور ماشاء اللہ چھٹا گول..... کتابوں کی اشاعت بھی جو اب بھی جاری ہیں نصف صدی کا میٹرٹل موجود ہے سو مرتب کر لیا۔ آج کل کے قارئین مجھ سے انٹرویو میں پوچھتے تھے کتابوں کے بارے میں..... اگر خریدنا چاہیں تو مجھ سے رابطہ کریں۔ میں نے صرف افسانوں اور ناول پر ہی نہیں لکھا میں نے میڈیکل کے مضامین بھی لکھے..... دیگر معاشرتی موضوعات پر بھی لکھا کتنی لکھاری بہنوں کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے نہ کہیں سے کسی کی کوئی چیز چرا کر چھپوانا چاہیے ادیب یا ادیبہ یا شاعر بننا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ یہ تو قدرت کا ایک ایسا عطیہ ہوتا ہے کہ خود بخود سب کچھ ہو جاتا ہے..... میرے ہاتھ میں قلم اور کاغذ آ جائے نہ کوئی مہینوں پلاٹ سوچا جس لکھنا شروع کیا اور افسانہ بننا چلا گیا..... شاید میرے لیے یہ قدرتی عطیہ تھا اور بے اپنی پروفیشنل گھریلو اور بازنہ کی مشکلات کے باوجود دھیرے دھیرے اپنے گول حاصل کرتی رہی۔ ہمیشہ اپنی دلی سکین کے لیے لکھا..... اب لوگوں کے پاس وقت نہیں ہے کہ بہت لمبے لمبے ناول پڑھیں پڑھائی کا پر جان ختم ہو گیا ہے بچوں کے لیے بھی کوئی کچھ نہیں لکھتا میں نے بچوں کے صفحات پر بہت کہانیاں لکھی ہیں ان کا مجموعہ بھی مرتب کر رہی ہوں ان شاء اللہ میری طرف سے میرے کرینڈ بچوں کے لیے تحفہ ہوگا۔ ہمت بھی نہ ہارو لکھتے رہو بڑے ادیب بن جاؤ گے زندگی کے حقائق سامنے لا کر اور گردہ پھلکی کہانیوں اور کرداروں کو قلم کی نوک سے سنوار کر قارئین کو دہائیوں میں اس زمانے سے لکھ رہی ہوں! جب بشری رحمن قدسیہ بانو قرۃ العین حیدر خدیجہ مستور فردوس حیدر (مرحومہ) کے افسانے اور کہانیاں مختلف رسائل میں چھپتی تھیں اور مجھے خبر ہے کہ میں نے آج کل کے ساتھ بھی وہ دہر دگر ارا۔ ان صفحہ کو بہت پڑھا مگر یہ نہیں پڑھا کہ وہ میری بیاری فرحت آرا باجی کے چہن ساسھی تھے..... میں زیادہ تر انگلش لٹریچر پڑھتی ہوں..... خود لکھنا شروع کیا تو کسی کو بھی بہت زیادہ نہیں پڑھا..... بس آخر میں یہی کہنا ہے کہ آج کل کو اور اس میں لکھنے والی

ہیروئن ہوں، بھی بڑھی حسادت لی ہو ہے کہانی میں ہیرو جان ڈالتا ہے پر پناہ یہ دے کے اتنی مکمل کہانی مزہ سے کہی کہانی نے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ سنسلی کی ہیروئن بننے کی خواہش میں اپنی جان جو کھول میں ڈالنا مجھے یادیلا گیا ایسا ہی ہوتا ہے تال بڑے بڑے کام کرنے کے چکر میں چھوٹے چھوٹے لہر آسان کام کا مگر جاتے ہیں اور کسی پچوٹن میں امی کی مانند جتنے لاشیں کہا کرتی تھیں، جیسی نصیحتیں بھی سہانے پہ ساک کا کام کرتی ہیں۔ ”دو حاکم میں تھا“ یا تمین کی بہت خوبصورت ناول موضوع کا چپتا و منفرد انداز تحریر بلاغظ گویا اچھا ہاند سے کفر ہے جس لیے لفظ لفظ سے دلہنی پا شنی جھلک دی ہے نہایت کچھ سکھا ہم نے بقیم ناول کا شدت سے انتظار رہے گا۔

”کیادہ حسن پرست تھی“ کا اکثر تو میر نے دیا کا کوڑے میں بند کیا ”میر“ اعتبار رکھنا ”قرآنِ عظیم“ کی میں نے آپ پر اعتبار کر لیا کیا خوب لکھا آپ نے اسلم احباب بننے اچھا شوہر ہے پودین سے ایسے بی ہوئیں کرنا چاہیے مگر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا یہی کافی ہے۔ صاحبزادہ تحسین انجم منگلی غزل ٹمنڈ فیاض نور میں کی محبت کے انوث رشتے میں میں کندمی لا جواب شمار نہیں۔ ”آزنگ“ میں خرافاتی رنگ کا جناح کی یاد“ بھی نہیں بھولے گا۔ دش مقابلہ میں ہر مینے چون کی شامت آئی رہی۔ ہر آسان دش تقریباً زبانی کرتی ہوں اور اب پہلا پارکٹ میاں جی کو بتائی ہوں، چائیس ہوں (آسم) کیونی کی گائیڈ میں نہیں رہتی کیونکہ میں ایک لک نہیں کرتی، سارگی میں بھی فغیب کی لگتی ہوں فیاض دل میں چاروں موسم میں چار طرح کی شاعری پڑھنے کوئی۔ گرمی میں کھوتے پانی کی طرح گرم تو سردی میں اتنی بریلی شاعری کہ بندھا تھا لگے تو مجھ جائے..... برسات میں شاعری بریلی مینڈک کی طرح لگی تو خروس میں 1960ء کی غزوة ہیروئن کی طرح پیچی ہوئی نظر آئی، ہم سے پوچھیے میں شامل نا کی کے جہلات شاعر مرچ کی طرح محسوس ہوتے رہے جو صرف نام کی مرچ ہے مگر لگتی نہیں۔ دوست کا پیغام آئے میں بہت سے دوستوں نے اہلے نام پیغام دیا اس سے پہلے ہم جواب دیتے میاں جی، ہمارے دوستوں کے درمیان کہ کتاب میں بڑی دن گئے کام کی باتیں مفید لکھا تاہم ہیں، کافی ساری معلومات ان سے ملیں انضر ضجنوری 2017ء سے لے کر مارچ 2018ء تک کے شکے جو وہیں۔ کہ جانے کی مانند اپنی کروں سے جھلکا ہے پیغام خوشیوں بھرے ملکیتی شاعری نیز نگ خیالی کی جگہ میں سمجراتے جواب آنیہ کے ہر بار میں فرض کرتے شہزادوں کے تبرے غرض ہرایک کو میر عدل نے قانون اول کا لقب دیا اب اجازت ذمہ کیخیز نو بدباد حاضری ممکن بنانا جس کے لکھ حافظ۔

اور میری دوست کو یاد رکھا اور ہمارا تبصرہ پڑھ کر کیا شہر لڑی کھل صاحب آپ کا تبصرہ شان دار جان دار طویل القابات بہت اچھا ہے اور تھا لیجیے اب تو خوش ہیں ناں؟ شعل حسن سعد حسن سعدہ خود شید شازیہ حصہ آپ لوگ کسی ہیں بھی آپ بھی چھل کد اور انگریز دیں ناں آچل میں شیدہ جی کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کریں آپ نے ترقی نگاہوں کو طرف دیدار عطا کیا خوش رہو امتیاز بہنا نظر آتا تھا میرا تبصرہ؟ معاف کیجیے گا آچل کے صفحات میں اضافہ کی درخواست ہے بتائی تمام سلسلے اب دن ہوتے ہیں اب اس دعا کی ساتھ اجازت اللہ ہم سب کو زیست کی قدر کرنے والا بنائے آمین تم آمین۔

محسن عزیز حلیم..... کوٹھان کلان السلام علیکم اتمام آچل اسلاف شاز زیند ریلز کو ہماری طرف سے چاہت ہمرا اسلوب خوبصورت ناٹل کے ساتھ اس دفعہ آچل جلد ہی مل گیا مگر یہ کیا؟ میں تو ہر بار وقت بری ذاک ارسال کرتا ہوں مگر مارچ کے شمارے میں میرا نام و نشان تک نہیں تھا یہی باری بہن شہلا اپنے بھائی کے ساتھ اتنی بڑی نا انصافی کو خیر کوئی بات نہیں ایسے ہوتا رہتا ہے۔ میں نے اپنے پورے گاؤں میں آچل ڈائجسٹ کو مشہور کر دیا ہے بہت سارے لوگ اب آچل ڈائجسٹ پڑھتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں آچل کے لیے کوئی افسانہ یا ناٹل لکھوں مگر کہیں رجسٹر نہ ہو جائے۔ سب سے پہلے میری جی کی سرگوشیاں پڑھیں پھر خدمت سے مستفید ہوں پھر وراثت کدہ میں الگڑ کا مطالعہ کیا ہمارا آچل میں بیٹا خالد شہناز کو شیدہ لوبا سجاد حرم ملک کا تعارف پڑھا اچھا اس سلسلہ و ناٹل میں تیری زلف کے سر ہونے تک اور شب جگر کی پہلی بارش بہت ہٹ جا رہے ہیں ہم نٹل ناٹل میں وہ جواک میں تھا میرب کا کردار باکل ناٹل میں ہے جیسے سسٹریا سٹین شاطی میری نفورٹ ناٹل میں کیا وہ حسن پرست بھی زیروست غریب نظر فرح بخاری ویری گڈ ناٹل بھی بیٹ تھے افسانے بھی بیٹ آف بیٹ تھے فیاض دل میں پروین افضل شایین بیٹا کا زگر گڑھا ارشد قاص عمر کمال نے بیٹ لکھا تھا صبا زگر گڑھ کا زگر گڑھوں آچل کی پرنسز معلوم ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ آپ پروین افضل شایین کو جلدی بولاد سے نوازے آمین اب اس دعا کی ساتھ اجازت لکھا آچل ہمیشہ ترقی کرتا رہے آمین۔

☆ پیارے بھائی حسن آچل کی پسندیدگی کے لیے شکر بر مرد حضرت کے لیے ہمارا باب نامہ ”نئے افق“ ڈائجسٹ موجود ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کر کے اس میں شائع کیا ہوں تبصرہ اور اپنی کھسی تحریر بھی لکھ لکھ کر سال کر سکتے ہیں۔

لبسنی شکیلہ..... اولکھ جٹان اسپالکوٹ قابل احترام شہلا عامر معزز زقارین اور پیارے وطن کے پیارے پیارے رہنے والے میرے ہم وطنو! السلام علیکم کیا چھ ماہ بعد میں آئینہ میں شرکت کر رہی ہوں۔ امید ہے کہ تمام لوگ بالکل ٹھیک ٹھاک اور فٹ فائٹ ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ان مردہ ضمیر اور بے حس لوگوں خصوصاً سیدہ یا پورا بی نامی ماہر حکومت کی بات کروں گی کہ جب بھارت کی ایک ٹریس مرچاں ہیں تو اس خبر کو میڈیا یا ایسے نشر کرتا ہے جیسے اس سے پریشان کن اور انانک حادثہ اور کوئی نہیں ہو چکا بلکہ یہ سب کچھ کل رات ہی نہ صرف میڈیا بلکہ ہمارے حکمران اور عوام سے بھی بعض لوگ ایسے اظہار تعزیرت کر رہے تھے جیسے ان کا اس سے بڑھ کر کوئی عزیز اور بے ہی نہیں دوسری طرف شام میں ایک ہی دن میں 500 کے قریب مسلمان جن میں بوڑھے جوان عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ یہ دوسری شہید کر دیے گئے لیکن مسلمانوں کے کانوں پر چل جاتا کہ نہیں یہ سب غیر مسلم کی موت ۵۰۰ مسلمانوں کی انانک موت سے زیادہ بڑا سنا تھا۔ اللہ کے لیے مسلمانوں اپنے مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑ اور نہ صرف اپنے اللہ بلکہ اپنے جیسے دوسرے لوگوں میں احساس پیدا کرنے کی کوشش کرو اور ایسے باطل مومن بنو کہ دنیا کے کسی بھی کوٹے سے سارے تمہیں دیکھا جائے تو محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد بن کر لیکر کہتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو اور اپنے اندر انسانیت پیدا کرو اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر تھا اور ہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انیسر حس اور باطل مسلمان بنائے (آمین) ہاں جی آپ اتے ہیں مارچ کے شمارے کی طرف ہمارے بارش طرح نمبرہ 24 کو پائی گیا تھا لیکن خط میں 28 لکھ دیا ہوں اس لیے کہ مجھے بھانپے اور بھانچوں کی شادیوں دوسری ہیں آج بروز بدھ پیچھے کے ویسے کا فٹیشن ہے ساتھ بچوں کے کتابتات اور ہے ہیں۔ بچوں کو پڑھانے اور خط لکھنے کا کام آکھتے ہو رہا ہے۔ سلسلہ دار ناٹل بڑے نڈر دوست طریقے سے گئے بڑھ رہے ہیں ایک اختتام اور دوسرا شروع کی طرف دواں دواں ہے ان گراں دونوں میں ماؤں کے کردار کا موازنہ کیا جائے تو عمرانہ جیسی بد ماغ حضرت نہ صرف دوسروں کی آنکھ سے جھکتی ہے بلکہ سوچتی بھی دوسروں کے دماغ سے ہے۔ اپنی اپنی بولاد پر بہتان لگا دیا اور اس کے کردار کو کھٹکوں بنا دیا اور دوسری طرف میری نہ غمت ہو کر دوسری عورت (بہو) کا احساس کیا اور اپنے بیٹے کو اس معاملے میں کھری کھری سنا میں کیونکہ وہ حالات سے گڑھ کی ہے نہ رنگ

خیال اور بیاض دل میں سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ یادگار لمحے بھی زبردست مگر ان تینوں میں اپنا نام نہ دیکھ کر اپنی ہوئی امید کرتی ہوں اس بار میں جو یہ اور خصوصاً ایمان و وقار مجھ سے ناسمجھی ختم کر کے مجھے بھی اپنے سلسلے میں یا درمیان میں لے گیا۔ ابھی پورا آچل پڑھنے پانی اس لیے مکمل تھمر نہیں کر پاؤں گی آئندہ ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گی اس وقت میں نے پہلی بار دوست کا پیغام آئے "میں شرکت کی ہے حاجی ۱۷ مارچ کے لیے دو روزہ کوئٹہ میں کیا..... اگر کوئی بات بری لگی ہو تو محدث سب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

بیروین افضل شاہین..... بھولونگر۔ پیارا بھائی شہلا عامر صاحبہ اسلام علیکم! آج پھر پھر آچل جلدی مل گیا۔ سب سے پہلے آچل کی حالیہ سوس سالگرہ مبارک ہو اللہ کرے یہ اور عروج حاصل کرے آمین۔ حمد و ثناء اور اللہ کا شکر یہ کہ بڑھ کر مستفید ہوئے سلسلے دارانہ تو آچل کی جان ہیں۔ بیاض دل میں فریدہ جلائی فری آئی سیدہ و باجہ سعیدہ جیسے خوش فہم و خوش مقابلہ سب مدیرہ کیوں مایہ جو یہ یہ دیکھا تو رنگ خیال میں مدیرہ جو نورین انجم زہرہ نورین مسکان سرور صابرہ زکریا دوست کا پیغام آئے میں اپنا طالب روینہ کوثر رقیہ ناز دیکھ کر کہیں یادگار لمحے میں تابندہ جیسے عیشہ نورہم سے پوچھے میں اس مہل مجھ انجم بخون روینہ کوثر سمیرا رسولی عروسہ شہوار چھائے رہے۔ یہ ناخاندانہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو حجت دے نازی کیوں نازی اللہ تعالیٰ آپ کے خاندانہ اعمال کو کھڑا آئی نگہت غفرلہ آپ کی بیٹی کو جنت میں جگہ دے آمین۔ جن بہن بھائیوں کو بلاؤ بشر کی بیلاری ہوا نہیں چاہیے کہ وہ سینکٹ (مقناطیس) کسی ڈھری میں ڈال کر گلے میں ڈال لیں اس کا بلڈ پریشر ہمیشہ نارمل رہے گا۔ یا زمرہ و ننگہ ہے اجازت دیں اللہ حافظ۔

گلشن چوہدری گل..... گجرات۔ اسلام علیکم! آج پھر پھر آچل کی تاریخ اور پڑھنے والوں کو محبت بھر اسلام سب خیریت سے ہوں گے اس وقت آچل چل چپوس کو ملا۔ ٹائل گرل بہت پیدری لگدہی تھی۔ سب سے پہلے قیصر آئی کی سرگوشیاں پڑھیں پھر الگوڑ سے دل منور کیا سلسلے دار دل میں سب سے پہلے تیری زلف کے سر ہونے تک پڑھا اچھا ہوا کہ یہ وقت پڑھاں سودہ کی طرف گیا تو دل کو دیکھ کر شعر پڑا یا.....

کیوں بدلے بدلے سے ہے میرے سر کار.....
واہ یہ تو پورے بدل گئے پھر پڑھا نازی آئی کا "شب بھر کی پہلی باش" عروہ گیا اچھا ہوا ہادی تو نظر آیا یہ یہ سارا سیرا آتی جلدی کیسے مر گئی۔ اس بار درمکنوں کا بالکل نہیں بتایا وہ جاک میں تھا یہ کیا میرب ایسے لکھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا مجھے لگا سکندرا سے عروہ کرے گا مگر یہ تو خودی آئی تھی۔ اس کی وجہ سے فیضان کی موت ہوئی بہت دکھ ہوا اب میرب اور شیاں کو ملا دیں پھر ناول پڑھا تیری خاطر بہت اچھی کاوش تھی۔ شاہ میر بہت ہی گھٹیا انسان تھا دوسرا ناول خیال رکھنا میں اچھا تھا۔ افسانے بھی لکھتے تھے مکمل ناول میں قریب نظر کیا مکمل تھی ناتی تیرے رنگ خیال بیاض دل میں دش مقابلہ بھی بہت اچھے تھے میں پہلی بار آئینہ میں شرکت کر رہی ہوں۔ بتائیے گا کیا لگا کہ سب صحیحہ اجازت اللہ حافظ۔

☆ وزیر گلشن! پہلی بار پڑھو خوش آمدید

قراءت جٹ..... منچن آباد۔

آئینہ کی محفل میں تیرا ہی عکس ہے آچل

گل بدلتا ہے مبارک دن تیری محنت کا ہے صلہ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آچل و جاب اشاف قادرین اینڈ رٹائرڈ سب کو اتر اترجٹ کی طرف سے آچل کی سالگرہ مبارک ہو۔ مرغان خوش تو اٹھیں گے انہیں پر پرچم پرچم کر کہہ دے ہیں پچی برتھڈے ٹو یوڈیز آچل! ہم دلاستہ دلائ ہیں تجھ سے جب سے الفت نظر ہو کہ تجھ پر پڑی تھی شپ بری بیٹن خست ہوا زنگاری ہی زنگاری میدانوں میں پھولوں پر چند پرندہ کا کاسد قضا آچل خنداں کو نیک خواہشات کا اظہار کر دے ہیں آپ نے کہا پورے سال کا جامع اور مکمل تبصرہ..... دلائی واہ کیا کہتا کر لکھتے بیٹھوں تو آچل کم پڑ جائے۔ 2017ء کا ایک بھی تبصرہ دیا نہیں جب میں نے تبصرہ کیا ہوا مکمل کر دیکھا لیں ریکارڈ ہو گا میرا غیر حاضر نہ ہونے کا یہ الگ بیات زیادہ دفعہ جگہ نہیں دی گئی ہمیشہ ۲۰۱۵ تک پوسٹ بھی کرو تھی مگر ہائے رستہ قسمت پھر بھی ڈاک آپ کو لیٹ موصول ہوئی تھی۔ پورے سال کا تبصرہ..... بہت لمبا ہوا ہے گا چلیں دیکھتے ہیں آچل اپریل 2017ء کا مضمون کے سامنے لہر کیا پھولوں کا کچے ہاتھ میں لیے یونیک سی ہندی لگے ہاتھ کھلا کھلا سا چہرہ ہون پوری ڈریس میں مدیرہ صوفی پوری آب و تاب سے برساتن میں سرورق طغریب

[illegible]

سنگره نمبر سنگره نمبر سنگره نمبر سنگره نمبر
آنچل اپریل ۲۰۱۸ء 248 سنگره نمبر سنگره نمبر

بخاری میں اور حیدر کی محبت اور عورت کی محبت کو پالیدنا چاہتا ہے کیونکہ وہ محبت نہیں اس کی اپنا پر ضرب ہوتی ہے اس کی خواہش سے دور ہوتی ہے میرا اعتبار رکھنا قرآن مجید سکندرو دلائل پالور دعا بھائی کے گھرہ کر بھی ہر گھر گھر کی کہانی ہے جس لوگ ہیں جہاں وہیں شعبہ اسیر نوابہ پائیل اور پروین یکم جیسے نفس لوگ بھی موجود ہیں۔ محبت تیری خاطر مباحہ خلیفہ ویلڈن شاہ میر جیسے غلام لوگ ہمارے پاس جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں سبق سکھانے کی ضرورت ہے تیری زلف کے سر ہونے تک نہ بدست جا رہا ہے شکر ہے زید نے بیجا اسودہ کو اس اب اقرار محبت بھی کر دے زید اشرار نفل سے بدلہ لینے کے چکروں میں نفل کی محبت میں جاپنوسگی تب میں بہت خوش ہوں گی کیونکہ بھیجی تے بدلہ لینے کا کیوں سوچا؟ شب بھر جی پہلی بارش اچھا ہوا زویار کے ساتھ عبدالہادی اور شہر زوکی جوڑی پر ہندو مکون اور صام کی عاملہ اور زویار کی اہلی اور برہمان کی سلاویز برہمان کو جو کے میں رکھ رہا ہے اہلی بچاوا۔ نڈل کلاس، تحسین، انجم نڈل کلاس کو ہم جیسے لوگوں نے ایک گالی بٹایا ہے کہتے کہ طرف لوگ دوسروں کی مفلسی کو نڈل کلاس کا نام دیتے ہیں خواہ بدیرہ ریزہ، ہنگامی غزل حاشیہ جیسے لوگ کچھ نہیں کر سکتے جب تک خود مضبوط نہ ہوں خوش بھی نہیں فیض کی تحریر ہونے پر مجبور رہ گئی۔ اچھا تھوڑے عرصہ میں بھر پور سبق سے بھر پور تحریر شہر اور پروین کی گھر گھر کی گاڑی گاڑی خوشی چلا سکتے ہیں فیض دل پروین افضل ارم کمال فریدہ فری سیدہ لویا ستادہ اینڈ..... فردا اقرار الیاقوت مباد کا زور زورین انجم (کیسی ہو) کی عنایت شہر ابو ج (سلام ہو) میرا سولی اقرار جنت (سچ ہے ہاں بھی) کا خارج فیض اسحاق و قاسم عمر اسمن کول ند بھوورین ثمنیند باب شکستہ شید خاندن انجم انجم کرن شاعرہ حنا رشید انجم کول اسعدہ جو حین طیبہ اینڈ مادیہ نول تمام کے اشعار بدست تھے دش مقابلہ میں پروین جی برنی تیار ہیں میں آ رہی ہوں اہلہ بیوی کا گیارہ کام کی باتیں زبردست سلسلے تیرنگ خیال کشور سلطانہ (ویلڈن) کو قاسم عمر عکرو (ڈنٹر فل) اقرار جنت (اہلہ) اساور انجم شکستہ بدیرہ ریزہ نندان اقبال انجم زہرہ ترین سر جھٹائیں کو ہر زورین مسکان مباد کا زور کریمو نہا نیم نعیمہ سب کی نظمیں غزل لیں دل کی آج رہی کرتی ہوئی زبردست تھیں بدست کا پیغام آئے اقرار امتلا شکر یہ یاد کرنے کا اینڈ حسینا جی شادی کی مبارک باد خانی بھجوا دو پھر دعاؤں کا نور اچھے بھولوں کی اہلہ یادگار لے تانہ نہیں (دعاؤں سے ہی تقدیر بدلتی ہے) مجھے یقین ہے) ویٹا خالد راؤ تھنہ سب میرا جیل بھلے اور شبنم کول اور صبا طیبہ اینڈ مادیہ ہالہ و عاتشہ کا مہدی بھلے بھلے بھلے طیبہ سعید سب سے کمال لکھا۔ سحدہ جو حین (ہم زور ہر دفعہ حاضر ہوتے ہیں مگر آج دلے جگہ دیں تو رقیہ باز کرن شہر لوی بھلے نور بھنگ پو پسندیدی کے لیے راجہ مبارک اینڈ طالب حاصرہ صدیقی تانہ سب عمر رافانہ بھی (ہم سے کسی دشمنی؟) ایس این شہر لوی کھل لے اقرار او بہت ہیں ملل نام لکھا کریں اقرار جنت اقرار امتلا اقرار الیاقوت وغیرہ و غیرہ صاری اقرار فیروز ہو جانی ہیں) اینڈ اسلامہ صدیقہ سب کے کہنے بیٹھے تھرے موجود تھے ہم سے پوچھے ہم ارم کول تر کے دار جواب ملے سحدہ جو حین ندیر زورین انجم انجم میرا سولی اینڈ پروین افضل شاہین (اہلہ) کیا پاسی جواب تھے دل گاؤں گاؤں ہو گیا۔ اقرار جنت ہائے لائے جواب دیکھ کر ہنگامی کا فوادہ چھوٹ گیا) رقیہ باز روینہ کوثر حافظہ اقرار دشمنی جاویڈ عروسہ ہوار تانیہ خادم اینڈ داؤد احمد کیا کو تر کے دلے جواب تھے سب کے سوالوں نے اسچ پر مل کر شہر بچایا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی آج کل کے صفحات جواب دے گئے آج کل اسلاف و قدار میں وائٹرز سب کا چل کی سالگرہ بہت بہت مبارک دن گئی رات چوٹی ہمارا آج کل ترقی کر سہ چوپ نے آ نکھ مادی اور چوپ گئی کردوں کی کوٹ میں نیا دلوں نے خوشی و حنا پلایا موم خر شگوار واد وخت بھوم ٹھے عنایب کلکلا آئی بارش کی بوندوں نے زور و زور سے برسنار شروع کیا دوا لیاں کلکلا انھیں سب بھوم بھوم کر مستانے ہوئے اور کہنے لگیں پکی برتھوڈے ٹوٹا چل سالگرہ کا یہ مبارک دن بہت مبارک ہوا چل تو ہمارے لیے محسن و مربی ہے سبیل و مرلج ہے ملازمن و دل و نر ہے اسی کے ساتھ ہمیں دس اجازت اللہ حافظ۔

درخشاں دول کش آ چل
رشد و شیدا چل
زخاف و ذرا چل
پکی برتھوڈے ٹوٹا چل

نڈل زور اقرار خوش و خوش برتھوڈہ سالانہ و دس ارسال کیا کریں جو حافظ آپ نے استعمال کیے ہیں دیانت میں بھی نہیں تھے آئندہ اس بات کا خیال رکھیے گا۔

سچے پوچھیں

شہداء

ارم کمال..... فیصل آباد

سوال: شامکد جی ایہ کیا بات ہے ساجن کہ آتے ہی گوری سنگھار کرنے بیٹھ جاتی ہے اسے ساجن کے کھانے پینے کی کوئی فکر نہیں؟

جواب: اس کا ہار سنگھار دیکھ کر ہی تو ساجن کھانا پکائے گا ویسے یہ گوری کہیں تم ہی تو نہیں؟

سوال: یہ کڑو پتی شوہر شادی کے بعد لوڑ پتی کیسے ہو جاتے ہیں؟

جواب: تم جیسی بیویاں پہلے جینٹیلین خالی کرتی ہیں بعد میں معصوم بن کر ایسے سوال کرتی ہیں تو جواب بھی تم ہی بتاؤ۔

سوال: شیشہ ہو یا دل آخروٹ جاتا ہے کیا کیوں ہوتا ہے؟

جواب: سنبھالنے والا شکل سے سنبھال پاتا ہے۔

سوال: جلدی سے بتا دیں کہ نعتِ ذمت کب ختم ہوتی ہے؟

جواب: جب حد سے تجاوز کر جائے اب خود پر مت اتار۔

سوال: اگر زندگی کے سفر میں حادثات کے اسپینڈر بریکز ختم کی اندھیاں اور مصائب کی سونامیاں آئیں تو کیا کرتا چاہیے؟

جواب: آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤ اور ہوا کے سبک اڑتی جاؤ۔

ایچہ احمد..... کوٹ سارنگ

سوال: آپ کی پہلی بار آئی ہوں گلاب کے پھولوں سے ویلکم کریں۔

جواب: خوش آمدید آپ آتی رہنا۔

سوال: آپ کی یہ بڑھائی ختم کیوں نہیں ہوتی؟

جواب: بڑھائی ختم کر کے تم نے کرکٹ کھیلنی ہے کیا کہاں۔

سوال: انجی ای دعاؤں اللہ حافظ۔

جواب: خوش رہو۔۔۔ گھر کے کام کاج کرنے کے ساتھ۔

سوال: بڑا درگر..... ذکا درگر جزوہ

سوال: آپ کی شامکد کیا حال ہے آئی ہو آپ کو کپڑے نہیں یاد کیا ہوگا؟

جواب: باتو بہت کیا مگر..... اچھا چھوڑو یہ بتاؤ ایک ملائی ہو۔

سوال: آپ کی لاناگ ڈرائیو اتنی لاناگ کیوں ہوتی ہے؟

جواب: کبھی مٹی بھی ہولاگ ڈرائیو پہ یا اس ایسے ہی شوہر رہی ہو؟

سوال: آپ کی آپ غصے میں کیا کرتی ہو میں تو بلکہ ہم دونوں روزنا شروع ہو جاتی ہیں۔

جواب: تمہارے روتے دھوتے سوالوں کے جواب دیتی ہوں ورنہ دل تو کرتا ہے۔۔۔۔۔

شکریہ وفا..... ماچھیوال

سوال: خوبصورت سی آنکھیں، معصوم سا چہرہ، میٹھی سی آواز یہ سارا اخلاق خوش مزاج اعلان یہ تو ہونی میری بات..... اور سناؤ کیسی ہوتا ہے؟

جواب: اگر اپنی بات کی تو پھر تم چلتی پھرتی نظر آؤ گی چھوڑو یہ بتاؤ ٹھنڈا گرم کیا کوئی؟

سوال: لوگ دیوانے ہیں بناوٹ کے ہم کہاں جائیں گے سادگی لے کر؟

جواب: آٹھ لکھ کی محفل میں آؤ دل والے لوگ ملیں گے۔

علیہ نور..... بھیر کرکٹ

سوال: ویسے آپ کیسے کرکٹے جواب بھی مزیدہ دیتے ہیں۔

جواب: جب ہی تم کر لیتے مجھ کرکٹ کر جاتی ہو۔

سوال: اے مجھے کھونا بند کریں نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟

جواب: تمہیں نظر کون لگائے گا تم تو خود محفل میں نظر بڑکے طور پر آتی ہو۔

سوال: قارئین متوجہ ہوں آپ کی چالیں کی ہو گئی ہیں بندہ آپ کی۔

جواب: اب گھر جاؤ تمہاری چالیں سالہ آپ کی تمہارا بے صبری سے انتظار کر رہی ہیں۔

انجلا طالب..... گوجرانوالہ

سوال: پیاری حسین سی شامکد میرا شکر بٹا جانے کو بہت جی چاہتا ہے پردہ ہے کہاں؟

جواب: تمہاری سرسرا کے دوا میں طرف۔

سوال: اتنی محبت سے جواب دیتی ہیں کہ ہر بار دل کرتا ہے

کڑا پکی بزم سے چائیں ہی نہ؟

جواب: تم اتنی محبت سے آئی ہو کہ جواب دینے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔

سوال: لکھنے کا جی نہ چاہے تو کیسے لکھا جائے؟

جواب: جیسے اپنی کہانیاں اُتھتی ہو زبانتی موڈ بنا کر ایسے

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا



ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ ”ماہنامہ آنجل“ کے معروف سلسلے ”آپ کی صحت“ کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔

چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ



ایک بوتل بذریعہ پی آر آر

قیمت
900/= روپے

براہ راست کلیٹک سے لینے پر

قدرتی بال، سر کی رونق بحال



ایک بوتل بذریعہ پی آر آر

قیمت
700/= روپے

براہ راست کلیٹک سے لینے پر

ایفروڈائٹ پین کلر



ایک بوتل بذریعہ پی آر آر

قیمت
700/= روپے

براہ راست کلیٹک سے لینے پر

ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی



ایک بوتل بذریعہ پی آر آر

قیمت
600/= روپے

براہ راست کلیٹک سے لینے پر

پاکستان پوسٹ آفس میں رجسٹرڈ
پتہ: آرڈر کر کے تین بعد فارم نمبر، نام،
ایڈریس، محلہ، ڈسٹرکٹ، ضلع،
0320-1299119

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلیٹک

ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیش فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر 14-B، تارنگرہ کراچی 75850
فون نمبر: 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں

زیر نگرانی:

محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا

کپ پانی میں بننے میں ایک بار تین۔ 25 سال کی عمر کے بعد قید بڑھنا مشکل ہوتا ہے، لیکن ان دواؤں سے امید کی جاسکتی ہے بانی اللہ بہتر کرے گا۔
مبین پر یہاں مضمود سے لکھتی ہیں کہ میرے مسائل شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترم آپ اپنے پہلے مسئلے کے لیے Sepia 30 کے 5 قطرے اور کالے تلوں کے لیے Thuja Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پیئیں، لیکن کو Mag 6x Phos 2 کو گولیاں دن میں تین مرتبہ کھلائیں۔

بیت مہاں عبد المجید، دیپالپور سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر پہلے بال کم تھے، ہلکے رواں جیسے تھے، بار بار تقریبات کر دوانے سے پورا چہرہ بالوں سے بھر گیا ہے، اب چہرے پر مونے اور خت بال نکل آئے ہیں، ان بالوں کی وجہ سے پورا چہرہ بد نما لگتا ہے، ہاتھوں اور بازوؤں پر بھی بال ہیں اس کے علاوہ میرے جسم پر بھی بال ہیں ٹانگوں پر بازوؤں پر بھی مونے مونے بال ہیں، پیڑز میری آپ سے التجا ہے کہ مجھے اس کا کوئی حل بتائیں اور مجھے پیٹ اور کانڈر (شوگر) بھی کم کرنے کے لیے کچھ بتادیں؟

محترم آپ چہرے اور جسم کے غیر ضروری بال ختم کرنے کے لیے Aphrodit Hair Inhibitor کے ساتھ ساتھ Olum Jec 3x کی ایک گولی صبح اور رات استعمال کریں۔ انٹروڈانٹ ہیر انہیبیٹر 2 سے 3 بوتلوں کے استعمال سے ان شاء اللہ غیر ضروری بال نکلنا ہمیشہ کیلئے بند ہو جائیں گے اور دوسرے مسئلے کے لیے Phytolacabery Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پیئیں، اس کے علاوہ پکنائی اور تیز مروج مصالحے کے کھانوں سے پرہیز کریں، پانی زیادہ پیئیں، روزانہ آدھا گھنٹہ داک لازمی کریں۔

الطہر اقبال، لکھنؤ سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 28 سال ہے شادی کو 8 سال ہو گئے ہیں میری ایک بیٹی ہے، شادی کے ڈیڑھ سال بعد بیمار ہو گیا تھا پورے جسم سے خون ختم ہو گیا تھا، کافی علاج کروایا، اب کنڈیشن کافی بہتر ہے، مسئلہ یہ ہے کہ میری بیٹی 7 سال کی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاد بخش دی۔ علاج کے بعد میری کمزوری دور نہیں ہوئی، بہت سستی محسوس کرتا ہوں کوئی بھی کام ٹھیک سے نہیں کر سکتا، از دواجی زندگی بھی مسائل کا شکار ہو گئی ہے، حق زوجیت ادا نہیں کر سکتا، کوئی گرم دوا بھی نہیں کھا سکتا، بہت سے طبیعوں سے علاج کروایا مگر کچھ فرق نہیں پڑتا، ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کو خط لکھ رہا ہوں، پیڑز میرے مسئلے کا کوئی بہتر اور مفید علاج بتائیں، اگر آپ نہیں تو اپنی اور اپنی بیٹی کی رپورٹس بھی بھیج سکتا ہوں، کیا میں خاص طلاء استعمال کر سکتا ہوں؟ میرا خط ضرور شائع کیجئے گا جواب کا شدت سے منتظر ہوں گا۔

محترم آپ خون کی کمی کیلئے Ferrum Phos 3x کی 2 گولیاں دن میں تین مرتبہ کھائیں۔ دوسرے مسئلے کے لیے Damiana Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پیئیں اور ڈاکٹر صاحب کا بتایا ہوا خاص طلاء بذریعہ منی آرڈر منگو سکتے ہیں جس کی قیمت 800 روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افادہ ہوگا۔

حسیب الور، ٹانک سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 28 سال ہے، شادی شدہ ہوں میرے 2 مسائل ہیں، پہلا مسئلہ میرے معدے میں جلن رہتی ہے، گیس کی تکلیف بہت زیادہ ہے، یہاں تک کہ وضو زیادہ درنیک قائم نہیں رہتا، رات کو سوتے وقت بازوؤں اور ٹانگوں میں گیس کی وجہ سے بے چینی محسوس ہوتی ہے، ہر پر بھی کبھی کبھار بوجھ بن کر غصہ آ جاتا ہے۔ انگریزی دوا میں کافی استعمال کر چکا ہوں لیکن مکمل افادہ نہیں ہو رہا۔ دوسرا مسئلہ حق زوجیت ادا کرنے کے بعد درد ہوتا ہے، کبھی کبھار بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تیسرا مسئلہ میری بیوی کا ہے اس کی عمر 22 سال ہے، اکثر سر میں درد ہوتا ہے، سر درد کبھی کبھار اتنا بڑھ جاتا ہے کہ کسی بھی دوائی سے کنٹرول نہیں ہوتا۔ برائے مہربانی مندرجہ بالا مسائل کے لیے دوائی تجویز کریں۔

محترم آپ اپنے پہلے مسئلے کے لیے Natrum Phos 6 اور دوسرے مسئلے کیلئے Cantharis 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پیئیں اور اپنی بیوی کو Usnea Barbarta 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلکتہ
ایڈریس: دکان نمبر 5-C کے ڈی اے فلیش، فیر
شادمان ٹاؤن نمبر 2 سیکٹر 14-B، تارکھ کراچی۔ 75850 فون
نمبر: 021-36997059
صبح 10 بجے شام 6 بجے۔

ایزی پیسا کاؤنٹ نمبر: 03494900800
خط لکھنا چاہتا:

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75
کراچی۔

الحمد لله مسلسل اشاعت کھ
چالیس سال مکمل)



السرود تیزابیت کے لیے
 دھرم معدہ، السر، چھوٹی آنت کا السر معدے کی تیزابیت اور
 ڈھیلا پن میں اس پھل کا استعمال بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔

پاخانے میں خون آنے کے لیے
 اگر پاخانے کے ذریعے خون جاری ہو تو بھی یہ پھل
 اپنا جادو دکھاتا ہے اور ایک ہی دن کے استعمال سے خون میں
 بندش پیدا کر دیتا ہے۔ بعض مریض ایسے بھی ہوتے ہیں جن
 کے پاخانے میں خون کی آمیزش ہوتی ہے اور بعض ایسے ہوتے
 ہیں جو جب بھی پاخانے کے لیے بیٹھتے ہیں تو صرف خون ہی
 جاری ہوتا ہے۔ ان کے لیے بھی جاپانی پھل مفید و کثیر ثمر
 ہے جس قدر ہو سکے اسے کھائیے۔
 کثیر کے لیے

کثیر کا خون اگر بار بار بہتا رہے تو اس خون کے نکاس
 سے دماغی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مرض زیادہ تر بچوں
 کو لاحق ہوتا ہے اور وہ کند ذہن اور ست دکھائی دینے لگتے
 ہیں۔ انہیں اگر جاپانی پھل کا مسلسل استعمال کرایا جائے تو ان
 کا مرض جاتا رہتا ہے اور وہ دلوں میں تندرست ہو جاتے ہیں۔
 الغرض یہ پھل اٹلی درجے کا حاس اور مفرج بدن ہے جسم
 کی دافر رطوبت کو جذب کرتا ہے فاسد مادوں کو چربی اور اسٹون
 سے جدا کرتا ہے اور انہیں پیدہ شباب کے راستے جسم سے خارج
 کرتا ہے۔

سر

یہ پھل خروڑے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ شکل
 و شبابت میں بالکل گرے سے مشابہ ہوتا ہے۔ اسے اس کے
 بیجوں سے شناخت کیا جاتا ہے اس کے بیج چامغ میں شامل
 ہوتے ہیں۔ مزاج کے اعتبار سے یہ پھل سرد و اثرات کا حامل
 ہوتا ہے۔ اسے گرم مزاج کے حامل لوگوں کے لیے قدرت
 کا شاہکار انعام کہا جائے تو غلام نہ ہوگا۔ یہ پھل دل و دماغ کے
 لیے مفیدی ہے۔ ان کی اصلاح کرتا ہے نہ ہنات بڑھاتا ہے۔
 اپنے مخصوص اجزاء کے باعث پیدہ شباب آور ہوتا ہے۔ اسی لیے
 مٹانے کے جملہ امراض میں اکسیر ہوتا ہے۔ مٹانے کی جگہ درد
 اور پتھری کو ختم کرتا ہے۔ اس کے اجزاء میں دماغی کو اکثریت
 حاصل ہوتی ہے۔ جسم میں نیا خون بنانے اور جسم کو غربہ بنانے
 میں موزوں و معاون ہوتا ہے۔ یہ ایک فرحت بخش اور دلکش
 کے اعتبار سے شیریں پھل ہے۔ جسمانی طاقت کو تقویت دیتا

ہے اسی لیے اسے پاؤں بلڈنگ کے شائق لوگوں کے لیے تجویز
 کیا جاتا ہے۔ خون کی حدت کو کم کرتا ہے اور کمزوری جسم سے دور
 کرتا ہے۔ جسم پر وجود خشکی کو دور کر کے جلد کو چادریت بخشتا
 ہے۔ کھانسی اور صفروں کی بخار میں مجرب و اکسیر ثابت ہوتا ہے۔
 سرد امیشہ، پکا ہوا پختہ شکل میں کھانا چاہیے یہ غذائی کمی کو پورا کرتا
 ہے۔ حکماء و شعرات اس سے بیشتر امراض کی ادویات تیار کرتے
 ہیں جو کہ مختلف بیماریوں سے نجات کا وسیلہ بنتی ہیں۔

سکترے

اس پھل کا مزاج سرد و تر ہے۔ لہذا یہ پھلی مزاج والے
 لوگوں کو استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح نزلہ کھانسی، گلے
 کی خرابی اور پیچہ پھروں کے امراض والے لوگوں کو بھی اس کا کھانا
 مناسب نہیں ہے۔ موسم سرما میں سکترے کا ترش پھل استعمال
 نہیں کرنا چاہیے۔ ماہرین کی رائے ہے کہ یہ پھل معدے
 میں آکچ کر دو کھٹے کے اندر مضوم ہو جاتا ہے۔ اس میں پانی کی
 مقدار اسی فیصد ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں فاسفورس
 پوٹاشیم آئیڈین، میکشیم معدنی نمکیات اور گلوکوز شامل ہوتے
 ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسم سرما میں ہمارا جسم صحت مند رہتا ہے۔
 ہمارے ملک میں سردیوں میں یہ پھل دافر مقدار میں پیدا
 ہوتا ہے۔

سکترہ دل اور معدے کو قوت دیتا ہے۔ نہایت مفرج
 ہے۔ وحشت خفقان اور پیاس کو دور کرتا ہے۔ خون اور صفرا کی
 حدت کو مٹاتا ہے۔ معدے و جگر کی سوزش کو دور کرتا ہے۔
 پیہ شباب لاتا ہے۔ اس کی قاشوں، ہنک، چمڑک کر کھانے سے
 ذائقہ ملتا ہے۔ دانتوں کو ترشی محسوس نہیں ہوتی اس کی ترشی میں
 مسکرت نہیں ہے، صفراوی کھانسی کو بھی دور کرتا ہے۔ سکترے
 کا چھلکا معدے کو قوت دیتا ہے۔ اس کو چہرے پر ملنے سے
 چھائیاں اور سیاہ داغ دور ہوتے ہیں۔

الحمد لله مسلسل اشاعت کہ
 چالیس سال مکمل



کلیک تیں

حسن احمد

انجیر کی افادیت

انجیر یہ سوچ کر اور نیت کر کے کھائیے کہ یہ جنت کا میوہ ہے۔ اس کی تعریف خود اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ یقیناً فوائد سے بالابل ہے انجیر کا استعمال کرتے وقت نرم اور تازہ انجیر کا انتخاب کیجیے۔ کالی اور سوکھی انجیر عام اوقات میں مت کھائیں۔ بعض وقت توڑتے ہوئے انجیر میں سفید سفید کینڑے بھی دکھائی دیتے ہیں لیکن انجیر بھی نہ کھائیں۔

اصلاح جگر کے لیے

انجیر جگر کی اصلاح کرنے میں بھی بہترین تصور کی جاتی ہے۔ Liver Cirrhosis یعنی انحطاط کبدی میں جگر جب تیزی سے سکڑتا چلا جا رہا ہو یا اس میں ریشہ دار سائیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں تو کچھ عرصہ رہنا انجیر کھانے سے اس مرض سے نجات ملتی ہے۔

کمر درد کے لیے

جن افراد کی کمر میں درد رہتا ہو وہ بھی روزانہ انجیر کے تین دانے ضرور کھایا کریں..... اس سے انہیں بے حد تقویت ملے گی اور ردی کی شکایت دماغ ہو جائے گی۔

جلدی امراض کے لیے

انجیر میں موجود نائمیائی ترشے (سیلک) ایسڈ مرکب ایسڈ اور لیسک ایسڈ) جراثیم سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ اینٹی بیکٹریل خصوصیات کے بھی حامل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جلدی امراض میں انجیر کا استعمال بے حد سودمند خیال کیا جاتا ہے۔ پھوڑے، پھنسیوں میں انجیر کا شربت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ چچک اور موٹی جھرا میں انجیر موز، مٹھی اور خوب کلاں کا جوشاندہ پلانے سے دانے آسانی سے نکل آتے ہیں کسکندی دور ہوتی ہے اور مرض کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔

ہیپاٹائٹس کے لیے

انجیر کا ایک اور فائدہ منہ پہلو ایک مووی مرض میں مقوی ہونا پایا گیا ہے جسے عرف عام میں ہیپاٹائٹس بی کہا جاتا ہے۔ مٹھی، انجیر اور شہد کا مرکب اس کے لیے ایک بہترین اور طاقت

ورثہ تک ہے جو کہ انسانی جسم کے اعصابی نظام کے علاوہ معدہ، جگر، آنتوں اور گردوں کو بہترین دفاعی نظام فراہم کرتا ہے بڑھاپے میں جب معدہ کی سہائیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور جسم میں یورک ایسڈ کی زیادتی پیدا ہوتی ہے تو ایسے میں انجیر کا استعمال یورک ایسڈ کے بہاؤ کے لیے مفید سمجھا جاتا ہے۔

دماغ کی کمزوری کے لیے

شک کھانسی، مفلجی کھانسی، چھوٹے بڑے جڑوں کے درد میں انجیر کا استعمال مفید ہے۔ سردی میں اگر بدن میں ہو جائے تو اس کا کھانا جسم کو مناسب حرارت فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ دماغی کمزوری کے شکی ہیں وہ اس کا ناشتا کریں اس کے بعد سات باواؤں ایک اخروٹ کی گری ایک چھوٹی الائچی کے نکلے ہوئے دانے لے کر انہیں سردابی کی طرح کھوت لیں اسے پانی اور مٹھی ملا کر روزانہ لیا کریں۔ اس سے حافظہ تیز ہوگا انجیر ڈیڑھ سے دو گھنٹے میں ختم ہو جاتی ہے۔

پیٹ کے اچھارے کے لیے

جن لوگوں کو کھانے کے بعد پیٹ بوجھل بوجھل لگے، گیس کی شکایت ہو، اچھارہ ہو جائے انہیں چاہیے کہ وہ ہر کھانے کے بعد تین دانے تازہ انجیر کے کھالیا کریں اس سے ان کے پیٹ کا کھنچاؤ اور تناؤ کم ہو جائے گا کھانا جلدی اور عمدگی سے ختم ہوگا اور ان کی طبیعت بھی ہلکی پھلکی رہے گی۔ نہایت آسان اور محرب نسخہ ہے۔

قبض کے لیے

اس مرض میں انجیر بے حد سودمند پائی گئی ہے۔ جن لوگوں کو اس مرض کی شکایت لاحق ہو، ادویات کھانے کے باوجود تازہ ناشتا ہواؤں کو چاہیے کہ وہ باہندی سے انجیر استعمال کیا کریں۔ اس عمل سے ان کی قبض کی شکایت رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی اور طبیعت میں اطمینان ہوگا۔ اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق وہ پانچ سے چھ دانے روزانہ ہر کھانے کے بعد استعمال کر سکتے ہیں۔

جاہانی پھل

یہ پھل اعلیٰ درجے کا باہم اور دماغی سے بھرپور ہے۔ عورتوں کے لیے لیکور یا کی کیفیت میں یہ فوائد میں بھی مسلم ہے۔ کئی خاتون طرح طرح کی ادویات استعمال کرنے کے باوجود مریض ہی رہتی ہیں لیکن جب اس پھل کو استعمال کرنا شروع کیا تو اس کے فوائد کی گویہ ہوئیں۔